



ہندو، مسلم، سکھ فسادات

اور

پاکستانی فوج کی نفسیات

فوج اور پاکستان

(۲)

مختلف رویوں کا پس منظر

۱۹۴۵-۴۷

عبداللہ ملک

Scanned with OKEN Scanner

ہندو ، مسلم ، سکھ فسادات

اور

پاکستانی فوج کی نفسیات

فوج اور پاکستان

(۲)

مختلف رویّوں کا پس منظر

۱۹۴۵-۴۷

عبداللہ ملک

Scanned with OKEN Scanner

صا بیاں

جملہ حقوق محفوظ

باراول	______	مارچ ۱۹۸۸ء
تعداد	______	ایک ہزار
صفحات	______	۳۳۶
طابع	______	آداب پرنٹرز لاہور
ناشر	______	کوثر پبلشرز لاہور
قیمت	______	۸۰ روپے

ذخیرہ کتب
انیس نقوی
03142893816

کوثر پبلشرز

۱۳۴ ٹیپو بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور ۵۴۶۰۲ فون ۸۵۱۴۰۰

Scanned with OKEN Scanner

ترتیب

Scanned with OKEN Scanner

صابیاں

ذخیرہ کتب
انیس نقوی
03142893816

Scanned with OKEN Scanner

ابتدائیہ

یوں تو دل کو کبھی قرار نہ تھا
اب بہت بے قرار رہتا ہے

اسی بے قراریٔ دل کی داستان سنانے آج بیٹھا ہوں، خیال تھا کہ یہ بیقراریٔ دل کی داستان مختصر ہو گی اور یہ پورا افسانۂ دل ایک رات میں ختم ہو جائے گا لیکن جب واقعی اسی بے قراری کی کہانی لے کر بیٹھا تو معلوم ہوا کہ اس میں اتنے زخم ہیں، اتنے چرکے ہیں، کہ کون سے زخم کی کہانی سے صرفِ نظر کروں۔ ایک زخم سے صرفِ نظر کروں تو دوسرے زخم کی داستان بھی ادھوری رہ جاتی ہے۔

ہم نشینو کچھ نہ پوچھو حالِ دل
ایک شیشہ ہے کہ چکنا چور ہے

لیکن دوستو اور پڑھنے والو ذرا سوچو تو سہی کہ شیشے کی کرچیاں اکٹھی کرنی اور کرچی میں زبان ڈالنی اور پھر اس سے اس کی داستان کہلوانا کوئی آسان کام تو نہیں یہ تو جوئے شیر لانا ہے، اور جوئے شیر لانے کے لیے ایک طویل صبر اور مستقل جدوجہد لازمی ہوتی ہو

اس طویل صبر اور مستقل جد و جہد کے دوران جو کٹھن گھڑیاں آتی ہیں انہی کی کٹھنائیوں کو سمجھانے اور ان کی الجھنوں سے قاری کو روشناس کرانے کے لیے میں یہ سطور لکھ رہا ہوں۔

دراصل جب آج سے دس برس پہلے میں نے اس کام کے بارے میں سوچا تھا تو مجھے قطعاً احساس نہیں تھا کہ میں ایک ایسے کام کی ابتدا کر رہا ہوں جو زلفِ یار کی طرح دراز ہوتا چلا جائے گا۔ لیکن جیسے جیسے میں اس کام میں الجھتا گیا اور مواد اکٹھا ہوتا رہا اور ساتھ ہی ملکی معاملات میں فوج کا عمل دخل بڑھتا گیا تو مجھے اس کام کی گہرائیوں مختلف جہتوں کا احساس ہونے لگا لیکن اس کے باوجود مجھے یہ خیال نہیں تھا کہ یہ کام دو اور دو نہیں تین جلدوں پر کہیں جا کر اختتام پذیر ہو سکے گا، کیونکہ تمام انکسار کے باوجود مجھے یہ بات کہنے میں کوئی باک نہیں کہ انگریزی زبان ہو یا اردو، فوج اور پاکستان پر یہ اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے، اس میں برصغیر کی تاریخ بھی ہے اور اس تاریخ کی کوکھ سے جنم لینے والی نفسیات بھی ہے اور پھر اس نفسیات کی روشنی میں یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ "فوج کی حکمرانی ہمارا مقدر کیوں ہوتی ہے"؟

دراصل آج کل زمانہ جدید میں انسانی ترقی کے ساتھ طبی سائنس نے بھی زبردست ترقی کر لی ہے اور انسانی امراض کے علاج کے مختلف علوم استعمال ہونے لگے ہیں انہیں علوم اور علاجوں میں ایک نفسیاتی علاج جو سائنسی اصطلاح میں "PSYCHOTHERAPY" کہلاتا ہے۔ نفسیاتی سطح پر یہ جدید ترین علاج ہے اس سے پہلے اس علاج کو تحلیل نفسی یعنی PSYCHOANALYSIS / کہا جاتا تھا تحلیل نفسی کے دور میں ادویات استعمال نہیں ہوا کرتی تھیں۔ لیکن اب ادویات بھی استعمال ہوتی ہیں لیکن بنیادی طور پر اس نفسیاتی علاج کی اساس ڈاکٹر اور مریض کے درمیان مکالمہ ہوتا ہے جب ڈاکٹر مریض سے محو گفتگو ہوتا ہے تو اس کا مقصد مریض کے ماضی کو کریدنا ہوتا ہے اور ماضی کو اس طرح کریدنا جان لیوا کام ہوتا ہے کیونکہ مریض کو خود بھی ماضی کی چھوٹی چھوٹی باتیں یاد نہیں رہتیں اگر یاد رہتی بھی ہیں تو بھی وہ بالکل خلط ملط ہو کر یادوں کا حصہ بن جاتی ہیں، ان کو الگ الگ کرنا اور ہر یاد کو اس کے مخصوص سیاق و سباق میں فٹ کرنا، یہ اپنے طور پر ایک الگ دردِ سر ہے۔ صرف یہی

Scanned with OKEN Scanner

نہیں بلکہ بہت دفعہ غلط یادیں اور غلط باتیں عین الیقین کے درجہ تک پہنچی ہوتی ہیں، اب ڈاکٹر لاکھ کہے کہ اے میرے مریض یہ واقعہ ہوا ہی نہیں تھا لیکن مریض ہے وہ کہے جاتا ہے کہ نہیں ڈاکٹر ایسا ہوا ہے، مجھے پورا علم ہے، مجھے پختہ یقین ہے، اب اس "غلط" یقین اور اس پر زبردست اصرار نے اس کے اندر نہ صرف مخصوص قسم کی نفسیات کو جنم دیا ہے بلکہ نفسیاتی الجھنوں اور عوارض میں زبردست اضافہ کر دیا ہے اور مریض کو کتنا ہی باور کرایا جائے کہ اس کو اپنی صحت کے لیے اپنی یادوں کی ان تمام خرافات سے چھٹکارا پانا کتنا لازمی ولابدی ہے لیکن مریض ہے کہ اس کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہوتی ہے اس لیے ڈاکٹر کو بعض اوقات گھنٹوں، دنوں اور مہینوں ایک ہی بات کو معلوم کرنے اور کریدنے میں لگ جاتے ہیں۔ کیونکہ ان معالجوں کا کہنا ہے کہ دراصل یہ ماضی کی چھوٹی چھوٹی باتیں، یہ چھوٹی چھوٹی محرومیاں اور خواہشیں جو پوری نہیں ہو سکیں جن کی تکمیل کے لیے وہ ایک زمانہ میں مضطرب رہا ہوگا اور اب وہ بظاہر بھول بیٹھا ہے اور اسے ان کے بارے میں کچھ یاد نہیں آتا لیکن ڈاکٹر کے نزدیک حقیقت یہ ہوتی ہے کہ ان بھولی ہوئی محرومیوں کی کسک آج بھی مریض کو کسی نہ کسی انداز میں ستا رہی ہوتی ہیں اس لیے اس نفسیاتی معالج کا بنیادی کام یہی ہوتا ہے کہ وہ معلوم کرے کہ کون سی تلخیاں ہیں کون سی محرومیاں ہیں جو مریض کی یادوں کی دبیز تہوں میں دفن ہو گئی ہیں اور اب مریض کو بھی ان کا بظاہر کوئی علم نہیں اور اب وہ مختلف عوارض کی صورت میں ظاہر ہو رہی ہیں۔ اس علم کے ماہرین کا کہنا ہے کہ دراصل یہ عوارض ان محرومیوں کی تشفی کی ضرورتوں کا اظہار ہیں، سو ڈاکٹر یا ماہر نفسیات کا کام فقط یہ ہوتا ہے کہ وہ مریض کو بتائے کہ یہ تلخیاں اور محرومیاں اس کے تحت الشعور اور لاشعور میں کہیں نہ کہیں جاگزیں ہیں اور انہی کی وجہ سے اس کو یہ عوارض لاحق ہو رہے ہیں۔ ان سے نجات حاصل کرنا اب مریض کا کام ہوتا ہے اور ماہر نفسیات کا کام اوّلاً یہ ہوتا ہے کہ اس کو ان لاشعور میں چھپی ہوئی محرومیوں اور تلخیوں کا ادراک مہیا کر دے اور دوسرے مریض کی قوت ارادی کو بیدار اور متحرک کرنے میں مدد دے تاکہ وہ ان گئی گزری محرومیوں کی کسک سے بچنے اور محفوظ ہونے کے لیے سخت جدوجہد کر کے ان سے چھٹکارا حاصل کر لے اور ماہرین نفسیات کے نزدیک اس کے صحت یاب ہونے کا

Scanned with OKEN Scanner

یہی واحد طریقہ ہے۔

میں نے اس نفسیاتی علاج کی تفصیل اس لیے تحریر کی ہے کہ میں اپنے قاری کو بتا سکوں کہ اسی طریق علاج کو میں معاشرتی اور تاریخی علوم پر اطلاق کرنے میں مصروف ہوں، اس بنا پر معاشرتی علوم کے ماہرین اور تاریخی تجزیہ نگاروں کا اولین فرض ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ ماضی کو کھنگالیں تحقیق کریں اور تاریخی عوامل کی پشت پہ کام کرنے والے مختلف عوامل کو جن پہ وقت اور حاکم طبقہ نے دبیز تہیں چڑھا رکھی ہیں اور اس طرح سے عام لوگوں کی یادوں اور علم سے ان عوامل کو پوشیدہ رکھا ہوا ہے ان کو ڈھونڈ نکالا جائے، اس کو روشنی دکھائی جائے اور عام لوگوں کو بتایا جائے کہ سیاسی عمل اور ماضی کی مخصوص کارکردگی کی جو روئیداد تم تک پہنچی ہے وہ صحیح نہیں ہے اور اکثر عوامل تو ایسے ہیں جن کی سرے سے روئیداد ان تک پہنچی ہی نہیں ہے، دراگر پہنچی ہے تو اس کی توجیہہ جو بیان کی گئی ہے وہ غلط پیش کی جاتی ہے یا وہ مکمل تصویر نہیں ہوتی، مثلاً جس وقت ہم یہ کہتے ہیں اور ہمارے مورّخ یہ کہتے ہیں کہ ۱۹۴۶ء اور ۱۹۴۷ء میں جو ہندو، سکھ اور مسلم فسادات ہوئے تو ہم عام طور پر یہی سنتے ہیں کہ صاحب مشرقی پنجاب میں ہمارا پورا خاندان ان فسادات میں مارا گیا۔ تو یہ تصویر کا ایک رُخ ہے اسلیے کہ بیان کنندہ جو مشرقی پاکستان کا رہنے والا ہے وہ ہمارے سامنے موجود ہے اور وہ روایت بیان کر رہا ہے لیکن کیا کوئی سکھ اور ہندو ہمارے سامنے موجود ہے جو یہ بتائے کہ اس کے کتنے خاندان مغربی پنجاب میں مارے گئے۔ ہم نے ہزاروں کی تعداد میں "امرتسر جل رہا ہے" لکھ کر مسلمانوں کی مظلومیت بیان کر دی اور ان میں غصّہ اور اشتعال بھی پیدا کر دیا لیکن کسی نے "شاہ عالمی" جو ہندوؤں کا مسکن تھا کے جلنے کی داستان بیان نہیں کی، کسی نے مغربی پنجاب کے متعدد شہروں اور دیہات کے لٹنے والے ہندو اور سکھ خاندانوں کے بارے میں ایک لفظ بھی تحریر نہیں کیا۔ نتیجہ کیا ہوا کہ ہمارے سامنے مکمل تصویر کبھی آئی ہی نہیں اور ہمیں یہ کبھی معلوم ہی نہیں ہو پایا کہ تصویریں اور بھی رنگ ہیں کسی بھی عمل کی پشت پہ ایک نہیں بلکہ متعدد عوامل کام کر رہے ہوتے ہیں اس لیے ان کا جاننا ازبس ضروری ہے تاکہ جو آج مسائل درپیش ہیں ان کے بارے میں جانا جائے کہ کس طرح ان مسائل کا تعلق ہماری نفسیات کی گتھیوں سے وابستہ ہی نہیں بلکہ الجھا ہوا ہے اور

Scanned with OKEN Scanner

اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ ہماری تاریخ دیو مالائی کہانیوں کا تانا بانا بن کر رہ گئی ہے۔ اس لیے اصل کام ان سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے اور یہی کام ہے جو میں کر رہا ہوں۔

اب مثال کے طور پر ہندوستان سے تصادم کی نفسیات لے لیجیے اس کی اپنی ایک تاریخ ہے اور یہ جو ۱۹۴۸، پھر ۱۹۶۵، پھر ۱۹۷۰ میں ہندوستان سے جو جنگیں لڑی گئیں ان کی پشت پر بھی تو یہی ہندو سے نفرت تھی جو اب ہندوستان سے نفرت میں متشکل ہو گئی ہے کارفرما تھی، اب اس نفرت کی بھی تو کوئی تاریخ ہو گی، جب تک وہ تاریخ بیان نہ ہو بات کیسے سمجھ آئے گی اور اس نفرت کو جنم دینے میں برِصغیر کے سیاست دانوں، انگریز حکمرانوں کا کیا کردار رہا ہے اور ان ہر دو عناصر کا اس میں کتنا حصّہ ہے۔ اب اس پوری داستان کو اگر تفصیل سے قلم بند نہ کیا جائے تو کیسے پتہ چلے گا کہ ہماری فوج کی مخصوص نفسیات کیسے وجود میں آئی اور "خود راجیتہ جب اپنی گری ہوئی ساکھ کو سنبھالنے کے لیے" پاکستان "کو موردِ الزام ٹھہراتا ہے تو اس کی پُشت پر بھی کہیں وہی نفسیات تو کام نہیں کر رہی ہوتی۔

"ہندو سے نفرت" کی نفسیات کے ضمن میں یہ بھی سوچنا لازمی ہوتا ہے کہ کیا پاکستان کے چاروں صوبوں یا خطوں، یا قومیتوں کے اندر ایک سی نفسیات کارفرما ہے یا ان مختلف خطّوں کے بسنے والوں کی نفسیات میں بھی اختلاف اور بُعد ہے، اس ضمن میں یہ بھی غور طلب بات ہے کہ خان عبدالغفار خاں اور ان کا خانوادہ اپنی 'ہندوستان دوستی' کے باوجود صُوبہ سرحد میں آج بھی مقبول و محبوب ہے لیکن پنجاب والے ان کی بات اس پیمانے پر سُننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

ذوالفقار علی بھٹو کی پنجاب میں مقبولیت کی ایک وجہ یہ بھی ٹھہرتی ہے کہ اس نے ۱۹۶۵ کی جنگ کے موقع پر یو۔ این۔ او کے اجلاس میں" ہندوستان کی جارحیت کے خلاف" جو زبردست اشتعال انگیز اور "مجاہدانہ" تقریر کی تھی اُس نے پنجابیوں کے دل موہ لیے تھے لیکن سندھ، بلوچستان اور سرحد میں اس تقریر کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ چنانچہ ۱۹۷۰ میں جب اس تقریر کے اثرات کا نتیجہ ظاہر ہُوا تو پنجاب کے ان علاقوں سے جو فوجی خاندانوں کے اضلاع تھے۔ سب سے زیادہ ووٹ ملے۔ سو اس سے ہمارے فوجی خاندانوں کا اور ذوالفقار علی بھٹو

Scanned with OKEN Scanner

کے رشتے کا اندازہ ہو جاتا ہے لیکن یہ سب سوال اور عوامل وضاحت چاہتے ہیں اور وضاحت کے لیے طوالت لازمی ہو جاتی ہے۔ اسی لیے جب میں نے پہلی جلد ختم کی تھی تو اس کے آخر میں پڑھنے والوں کی وضاحت کے لیے دوسرے حصے کے بارے میں لکھتے ہوئے کہا تھا:

"میرے پڑھنے والو! آپ نے یہ صفحات پڑھ لیے، دراصل جیسا کہ ابتدا میں ہی بیان کر چکا ہوں کہ اس موضوع سے صحیح معنوں میں انصاف کرنے کے لیے وسیع تناظر کی ضرورت ہے اور اس کے لیے اس برصغیر کی سیاست اور بالخصوص پاکستان کہلانے والے خطوں کی پسماندگی اور اس پسماندگی کی وجوہات کو ایک طرف جاننا ضروری ہے تو دوسری طرف ان خطوں میں پیدا واری رشتوں کی وجہ سے "وفاداری اور تابعداری" کی جو نفسیات پیدا ہوئی اس کا ادراک بھی لازمی ہے لیکن اس پورے علم کے حصول کے لیے تاریخ کی گہرائیوں میں جانا ضروری ہے۔ اس لیے میں نے اس پہلی جلد میں پوری تفصیل سے کام کیا ہے یہاں یہ بات بھی ہمیں ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ آج کا پڑھنے والا اپنی پرانی تاریخ سے ناواقف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو بات میں اپنی نسل کے سامنے ایک سطر میں بیان کر سکتا ہوں اس بات کو نئی نسل کو سمجھانے کے لیے پورا ایک صفحہ درکار ہوتا ہے۔ اس لیے بات ہمیشہ طوالت اختیار کر جاتی ہے لیکن یہ ایک حد تک ضروری ہے تاکہ نئی نسل اپنے ماضی سے واقف ہو کر مستقبل سے لڑنے کو تیار ہو سکے۔ چنانچہ اس پورے پس منظر میں جہاں برصغیر کی فوج کی تشکیل اور اس کی نفسیات کو جاننا ضروری ہے وہاں اس سے بھی زیادہ ضروری دوسری جنگِ عظیم میں فوجوں کے پھیلاؤ اور وسعت کو جاننا ہے۔ کیوں کہ اسی سے پاکستانی فوج کی مخصوص نفسیات کو جانا جا سکتا ہے۔

چنانچہ اس دوسرے حصے میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ ایک "بھاڑے کی ٹٹو" فوج یکایک "قومی فوج" "کیسے بن گئی"؟ جس فوج میں بھرتی ہونے والوں کا واحد مقصد اچھی تنخواہ، اچھی وردی، معاشرے میں قدرے "بہتر اور باعزت مقام" اور ساتھ ہی رعب دبدبہ تھا، وہ کیسے ایک "قومی فوج" "بن گئی۔ اور اس فوج میں کس حد تک "قوم پرستی" پیدا ہوئی اور اگر نہیں ہوئی تو کیوں نہیں ہوئی اور فوج کے جن افسروں میں یہ قوم پرستی پیدا ہوئی

Scanned with OKEN Scanner

ان کے خدوخال کیا تھے؟ اور کیا اس فوج کے ایک عنصر میں "بھاڑے کے ٹٹو" والی نفسیات بھی موجود رہیں یا نہیں۔ اگر رہیں تو ان دونوں نفسیاتوں میں کس حد تک تصادم ہوا اور جس حد تک بھی تصادم ہوا اس کا کیا نتیجہ نکلا۔

یہ ہیں وہ اہم سوال جن کا جواب میں نے تفصیلاً اگلے حصے میں دیا ہے اس لیے کہ فوجوں کے اندر جو مختلف رجحانات ابھرتے ہیں اور جو متعدد نفسیاتی دھارے بہنے لگتے ہیں وہ دراصل اردگرد کے سیاسی وسماجی حالات ہی کا ایک حد تک پرتو اور ردِ عمل ہوتے ہیں اور یہ حالات کا ہی ردِ عمل تھا کہ پاکستان کے قیام کے دو تین برس بعد ہی فوج میں سیاسی قیادت کے خلاف جذبات پیدا ہونے شروع ہو گئے اور فوج نے جو سیاسی اقتدار پر قبضہ کرنے کی پہلی کوشش کی اس کی ابتدا ۱۹۴۸ء اور ۱۹۴۹ء میں ہی ہو گئی۔ چنانچہ یہی پہلی کوشش تھی جس کو بعد میں "راولپنڈی سازش کیس" سے موسوم کیا گیا۔ اس پوری سازش سے متعلق تمام پہلوؤں پر میں نے آئندہ اوراق میں روشنی ڈالی ہے اور غالباً پہلی بار اس "سازش" سے متعلق میں نے تحقیق کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ بھی بتانے کی کوشش کی ہے کہ ہماری فوج میں امریکہ پرستی کب شروع ہوئی اور کیسے شروع ہوئی؟ غرضیکہ متعدد سوالات ہیں جن کے جوابات میں نے اگلے حصے میں دیے ہیں۔ میری پوری کوشش تھی کہ ایک ہی جلد میں یہ تمام باتیں آجائیں لیکن اتنی ضخامت ہو جاتی کہ ایک جلد میں اسے سمیٹنا ممکن نہ ہوتا۔ دوسرے یہ کہ اس کی قیمت اس قدر زیادہ ہو جاتی کہ پڑھنے والوں کی قوتِ خرید سے باہر ہوتی۔ اب بھی مجھے احساس ہے کہ قیمت زیادہ ہے لیکن یہ جو افراطِ زر کا دور ہے اس سے مفر نہیں۔ بہر حال اس کتاب کا دوسرا حصہ بھی ایک دو ماہ میں آپ تک پہنچ جائے گا۔"

لیکن جب دوسرے حصے پر کام کر رہا تھا تو اسی دوران مجھے احساس ہونا شروع ہو گیا تھا کہ یہ کام دو جلدوں میں ختم نہیں ہو سکتا، اس کے لیے دو سے بھی زیادہ جلدیں درکار ہوں گی۔ اس لیے اب میں وعدہ نہیں کر سکتا کہ اس کام کی تکمیل میں مزید کتنی جلد یا جلدیں درکار ہوں گی۔ بہر حال میں چاہتا یہ ہوں کہ برصغیر کی تاریخ کے سب سے اہم سوالوں کا جواب اپنے علم اور نکتہ نظر کے

مطابق پیش کر دوں تاکہ موجودہ واقعات کی پشت پہ کام کرنے والی نفسیات کا ہمیں ادراک ہو سکے۔ اور اس نفسیات کی زنجیریں ہم توڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرنے کی کم از کم ابتدا تو کرنے کے قابل ہو جائیں۔

اب یہ جلد جو آپ کے ہاتھ میں ہے یہ صرف دو سالوں یعنی ۱۹۴۵ سے ۱۹۴۷ء تک کے دور پر محیط ہے لیکن یہ دو سال قیامت کے سال تھے اور ان دو سالوں میں کم از کم ایک لاکھ انسان فسادات میں مارے گئے اب اندازہ لگائیے کہ ان فسادات نے ہماری نفسیات پر کیا اثر ڈالا ہوگا اسی لیے ان کے بارے میں تفصیلات دی ہیں اور وجوہات بیان کی ہیں کیونکہ برصغیر میں ۱۹۴۶ء اور ۴۷ء میں جو خون کی ہولی کھیلی گئی اس نے ہماری شعوری اور غیر شعوری نفسیات کو متشکل کیا ہے اور آج بھی ہم اسی نفسیات کے آہنی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں، ہماری داخلی پالیسی ہو یا خارجہ پالیسی، پنجاب کی بالادستی کا مسئلہ ہو یا چھوٹی قومیتوں کے حق خود اختیاری کا مسئلہ۔ یہ تمام مسائل ایک نہ ایک انداز میں اسی "نفرت" کی نفسیات کی کوکھ سے جنم لیتے ہیں۔

پھر دوسری جنگ عظیم نے اس برصغیر کے فوجی ڈھانچے میں جو وسعت پیدا کی اور نئے رجحانات کو جنم دیا وہ آگے چل کر ہماری فوج اور سیاست پر کیسے اثر انداز ہوئی۔ یہی نہیں بلکہ فوج میں سیاسی رجحانات کی اس دوران نشوونما کیسے ہوئی۔ ان سب باتوں کی داستان میں نے کھل کر بیان کر دی ہے۔

میں یہ بات پھر دہرانے پہ پریشان نہیں کہ اردو ہو یا انگریزی اس نوع کی کتاب ابھی تحریر نہیں ہوئی۔ اور میرا سب سے بڑا مقصد ہی یہ ہے کہ نوجوان محققین اور تجزیہ نگاروں کو اس میدان کی طرف راغب کروں تاکہ ہم تاریخ اور تجزیہ نگاری میں خرد افروزی کی شمع فروزاں کر سکیں۔

عبداللہ ملک

ذخیرہ کتب
انیس نقوی
Scan 03142893816 Scanner

باب ۱

دُوسری جنگِ عظیم کا خاتمہ اور فوجی ڈھانچہ

دوسری جنگِ عظیم کا خاتمہ فاتح طاقتوں کے اندازوں سے بہت پہلے ہو گیا تھا، یہ خاتمہ ۱۴ اگست ۱۹۴۵ء کو ہوا جب جاپان نے سرکاری طور پر ہتھیار ڈال دیے۔ جنگ کے اس خاتمے سے دو دن پہلے ۱۲ اگست ۴۵ء کو وائسرائے ہند نے کمانڈر ان چیف کو ایک مراسلے میں واضح کر دیا تھا

" جاپان کے ساتھ جنگ شاید فوری طور پر ہی ختم ہو جائے اور یہ خاتمہ ہمارے اندازوں سے کم از کم چھ ماہ پہلے ہوگا۔ ظاہر ہے ان حالات میں حکومت ہند کے مختلف محکمے جنگ کے اس فوری خاتمے سے پیدا ہونے والے مسائل سے نبرد آزما ہونے کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔"

بلکہ بحریہ کے فلیگ افسر کمانڈنگ ایڈمرل گاڈفری ———————— نے بحریہ کی ایک کمیشن کے رُوبرو شہادت دیتے ہوئے کہا تھا:

" اس میں کوئی شک نہیں کہ جنگ کے اس فوری خاتمے کے لیے ہم تیار نہیں تھے اور یہ جنگ ہمارے اندازوں سے ایک سال پہلے ختم ہو گئی اور اس سے بے شمار مسائل پیدا ہو گئے ہندوستان کے لیے بھی اور برطانیہ کے لیے بھی۔"

یہ مسائل کیا تھے؟ یہ مسائل تھے فوجوں کو فارغ کرنے سے متعلقہ اور ان کو حتی المقدور مختلف محکموں میں کھپانے کے بارے میں، کیونکہ لاکھوں کروڑوں انسانوں کو یکدم بے روزگار کر دینے سے مزید مسائل کھڑے ہو جانے کا ڈر تھا، حکومت پہلے ہی اس برصغیر کے اندر کی سیاسی بے چینی سے پریشان تھی اب ان بے کار فوجیوں کی فوج ظفر موج ہندوستانی

حکومت کو ہلا کر رکھ دے گی چنانچہ ان مسائل پر جن میں سیاسی بھی تھے اور فوجی بھی، ذرا گہرائی کے ساتھ غور کرنا چاہیے کیونکہ انہی پیچیدہ مسائل میں اس برصغیر کی فوری آزادی کا راز چھپا ہوا ہے۔ ان مسائل اور جنگ کے دوران اور اس کے بعد رونما ہونے والے واقعات نے طاقتوں کے توازن میں زبردست تبدیلی پیدا کر دی تھی اور یہ توازن کی تبدیلی عالمی سطح پر بھی رونما ہوئی تھی اور خود ملکی سطح پر بھی۔

ان مسائل پر غور کرنے سے پہلے ہم جنگ کے آخری مہینوں سے لیکر ۴۷ء ۱۹ جولائی تک فوجوں کے اعداد و شمار پر نگاہ ڈال لیں کیونکہ اس سے ہمیں اندازہ ہوگا کہ ہندوستانی فوجوں کی کس قدر افرادی طاقت بے روزگار ہوئی۔

تاریخ	ہندوستانی فوج	برطانوی فوج	رائل انڈین نیوی	ہندوستانی ہوائی فوج اور رائل ایئر فورس	ہندوستانی ریاستوں کی فوج جو ہندوستانی فوج کے زیر کمان تھی
یکم جولائی ۴۵ء	۲۰،۴۹،۲۰۳	۲،۲۶،۱۳۰	۳۷،۸۰۳	۲،۰۷،۶۳۲	۴۱،۴۶۳
یکم اکتوبر ۱۹۴۵ء	۲۰،۱۵،۷۶۳	۲،۴۹،۶۳۲	۳۷،۱۰۹	۲،۱۱،۹۵۵	۴۱،۳۰۴
یکم جنوری ۴۶ء	۱۸،۳۵،۸۱۲	۲،۳۹،۴۷۲	۳۱،۲۶۱	۲،۱۴،۹۰۲	۳۲،۰۱۳
یکم اپریل ۴۶ء	۱۶،۸۲،۷۷۳	۱،۹۷،۸۹۷	۲۳،۹۶۰	۱،۸۴،۴۶۳	۱۷،۳۱۳
یکم جولائی ۴۶ء	۱۳،۶۳،۴۸۶	۱،۴۹،۳۲۲	۱۹،۸۸۲	۱،۳۷،۰۷۶	۷،۸۸۷
یکم اکتوبر ۴۶ء	۱۱،۲۸،۵۸۸	۱،۱۸،۱۷۶	۱۸،۱۰۹	۵۸،۳۲۴	۴،۵۸۲
یکم جنوری ۱۹۴۷ء	۸،۸۳،۶۹۲	۴۸،۴۸۵	۱۶،۸۲۱	۴۹،۶۶۶	۲،۱۰۱
یکم اپریل ۱۹۴۷ء	۶،۲۴،۰۱۳	۳۷،۹۸۳	۱۵،۸۳۸	۳۹،۰۶۳	..
یکم جولائی ۱۹۴۷ء	۵،۱۷،۴۲۲	۲۹،۹۴۳	۱۵،۰۰۱	۳۳،۴۶۳	..

Scanned with OKEN Scanner

مُسلّح افواج اَور دفاعی تنظیموں کی توسیع

(۱۹۴۵-۱۹۳۹)

مذہب یا قوم	سی۔ایس ۳-۹-۱۹۳۹	ایس ایس رٹینگ ۱۵-۸-۱۹۴۵
ہندُو	۹۶	۹۴۴۸
مُسلمان	۹۶۳	۷۸۴۳
عیسائی	۱۸۰	۴۵۴۸
پٹھان	۱۹	۴۷۵
راجپوت	۱۰	۳۴۷
سکھ	۴	۳۴۲
اینگلو انڈین	۳۳	۳۰۷
مرہٹے	..	۲۰۲
پارسی	۵	۲۶
بُدھ	..	۱۷
یہودی	۳	۷
گورکھے	..	۵
کُل	۱۳۱۳	۲۳۵۶۷

جنگ کے موقع پر
ہندوستانی فوج میں موجود ائیر مینوں کی کُل تعداد

نام صوبہ جات	کل تعداد	
آسام	۷۷۲	سو
بلوچستان	۵۰	
بہار اور اڑیسہ	۱۸۹۵	ہزار
بنگال	۵۸۸۸	ہزار
بمبئی	۴۴۷۳	"
وسطی صوبہ	۱۷۶۱	"
دہلی	۳۴۰	ہزار
مدراس	۱۰۷۱۱	ہزار
شمال مغربی سرحدی صوبہ	۴۷۹	سو
پنجاب	۷۱۵۹	ہزار
سندھ	۱۷۳	سو
متحدہ صوبہ جات (یو۔پی)	۲۹۴۶	ہزار
(۳۶ ہزار ۶ سو سینتالیس)	۳۶۶۴۷	

ہندوستانی مُسلّح افواج

جنگ کے دوران صُوبہ وار فوجی بھرتی

نام صوبہ		کُل تعداد	
آسام	..	۱۹۷۰۲	ہزار
بلوچستان	..	۲۱۵۴	″
بنگال	..	۱۷۱۲۵۲	لاکھ
بہار	..	۹۳۵۳۳	ہزار
اڑیسہ	..	۸۱۴۲	″
بمبئی		۱۰۷۱۱۷	لاکھ
کروگ	..	۹۷۳	سو
وسطی صوبہ	..	۴۸۱۷۲	ہزار
دہلی	..	۸۰۵۸	ہزار
مدراس	..	۴۷۵۹۸۴	لاکھ
شمال مغربی سرحدی صُوبہ	..	۹۵۵۴۱	ہزار
راجپوتانہ	..	۱۲۴۱۸	″
سندھ	..	۹۸۵۳	″
متحدہ صوبہ جات (یوپی)	..	۳۵۲۷۹۷	لاکھ
مختلف دیگر	..	۲۴۳۲۳	ہزار
پنجاب	..	۶۱۷۴۱۱	لاکھ
(بیس لاکھ سنتالیس ہزار چار سو تیس)		۲۰۴۷۴۳۰	لاکھ

(باقی اعداد و شمار اگلے صفحہ پر)

ریاستیں

جموّں وکشمیر جند کپورتھلہ نابھہ پٹیالہ چھوٹی ریاستیں	}	۱۳۷۱۴۰ لاکھ

ریاستوں سے کل بھرتی ۴۱۴۰۱۶ لاکھ

نیپال سے بھرتی ۱۲۰۲۸۰ ״

پورے ملک سے مکمل بھرتی مع صوبہ جات } ۲۵۸۱۷۲۶ لاکھ

(پچیس لاکھ اکیاسی ہزار سات سو چھبیس)

باقاعدہ ہندوستانی مسلح افواج

حقیقی طاقت

تاریخ	افسران	بی او آر	وی سی سی آئی ڈبلیو یا مساوی	آئی. او. آر
یکم جولائی ۱۹۴۵	۵۰۲۶۳	۵۷۱۶۶	۳۹۴۱۰	۱۳۸۱۳۲۴
یکم جنوری ۱۹۴۷	۲۹۹۰۸	۲۴۸۷۹	۲۵۵۷۲	۶۱۴۸۷۶
یکم اپریل ۱۹۴۷	۲۲۲۱۰	۱۶۸۱۸	۲۱۲۲۷	۴۲۹۹۲۲
یکم جولائی ۱۹۴۷	۱۹۴۰۱	۱۰۹۳۹	۱۷۸۶۶	۳۶۲۶۸۷

Scanned with OKEN Scanner

کل تعداد افواج

یکم جولائی ۱۹۴۵	۲۰۴۹۲۰۳ لاکھ
یکم جنوری ۱۹۴۷	۸۸۳۶۹۲ لاکھ
یکم اپریل ۱۹۴۷	۶۲۲۴۰۱۳ لاکھ
یکم جولائی ۱۹۴۷	۵۰۷۴۲۲ لاکھ

	مارچ ۱۹۴۷ء	جون ۱۹۴۷ء
ہندوستانی افسر اور دیگر ہندوستانی عہدیدار متعین غیر ممالک	۹۷۸۹۰	۶۱۴۵۵۰ ہزار
ہندوستانی افسر اور دیگر ہندوستانی عہدیدار کل تعداد	۶۵۵۹۴۹	۴۳۷۹۲۷ لاکھ
ہندوستانی افسر اور دیگر ہندوستانی عہدیدار اندرونِ ہند	۵۵۸۰۵۹	۳۷۶۴۷۲ لاکھ

شاہی ہندوستانی فضائیہ

	افسران	ایئرمین
یکم اپریل ۱۹۴۷ء	۱۴۹۰ (بشمول ۱۳۹ کیڈٹ)	۱۴۴۸۸ [1]

---

[1] اس میں وہ کیڈٹ بھی شامل ہیں جو برطانیہ وغیرہ میں ٹریننگ لے رہے تھے اور ایک آسٹریلیا میں خدمات انجام دے رہا تھا۔ پانچ جاپان میں بی سی اے ایف او میں خدمات انجام دے رہے تھے۔

Scanned with OKEN Scanner

۱۳۲۵۷ (بشمول ۲۶۷۴ زیر تربیت ائرمین)	۱۴۸۰ (بشمول ۲۰۲ افسر اور کیڈٹ ے)	یکم جولائی ۱۹۴۷ء

ہندوستانی شاہی بحریہ

حقیقی طاقت

		کمیشنڈ آفیسر		
		بی	آئی	کل تعداد
یکم جولائی	۱۹۴۵ء	۱۴۸۹	۱۳۳۷	۲۸۲۶
		وارنٹ آفیسر		
		۳۳	۱۸۵	۲۱۸
یکم جولائی	۱۹۴۷ء	**کمیشنڈ آفیسر**		
		۲۱۶	۵۹۰	۸۰۶
		وارنٹ آفیسر		
		۱۶	۱۹۶	۲۱۲

ے ان میں وہ بھی شامل ہیں جو برطانیہ میں تربیت لے رہے تھے ۔

۵ بی ۔ سی ۔ اے ، ایف ۔ او جاپان میں خدمات انجام دے رہے تھے ۔

شعبہ جنرل اسٹاف

ہندوستان میں جنرل ہیڈکوارٹر ایک بڑی تنظیم تھا۔ برّی فوج اپنی تعداد اور اہمیت کے اعتبار سے فضائیہ اور بحریہ سے کہیں آگے تھی۔ بلکہ اس معاملے میں روس اور جرمنی کی افواج بھی پیچھے تھیں۔ فوج کا سربراہ نہ صرف کمانڈر انچیف تھا بلکہ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کا رکن بھی تھا۔ فضائیہ اور بحریہ کی نسبت ہندوستان کی سلامتی کی بڑی ذمہ داری برّی افواج پر تھی کیونکہ فضائی اور بحری راستے سے ہندوستان پر حملے کے امکانات اور ان راستوں سے لڑائی بالکل ممکن نہ تھی۔ اسی لیے ملک کے تمام انسانی، مادی اور مالی وسائل کا زیادہ تر حصہ برّی فوج کے استعمال میں آتا تھا۔ یہ بات قطعاً حیران کن نہیں ہے کہ جنرل ہیڈکوارٹر جو فوج کا کنٹرولنگ ادارہ تھا فضائیہ اور بحریہ کے ہیڈکوارٹرز کی نسبت بہت بڑی تنظیم تھا۔

یاد رہے کہ نئی دہلی کا فوجی ہیڈکوارٹر برطانیہ کی طرز پر تشکیل دیا گیا تھا۔ سول حکومت سے اس کا تعلق محکمہ دفاع کے واسطہ سے تھا۔ یہ ہیڈکوارٹر درج ذیل شعبوں پر مشتمل تھا۔

۱ : جنرل اسٹاف برانچ
۲ : ایڈجوٹینٹ جنرلز برانچ
۳ : کوارٹر ماسٹر جنرلز برانچ
۴ : انجینئر ان چیف برانچ
۵ : ملٹری سیکورٹی برانچ
وغیرہ وغیرہ

مزید برآں بڑی تعداد میں ان کے ذیلی حصے بھی تھے مثلاً ”ویلفیئر آرگنائزیشن“ جو جنرل ہیڈکوارٹرز میں ایک چھوٹی اکائی کے طور پر جنگ کے ابتدا میں قائم ہوئی تھی۔ لیکن ۱۹۴۵ میں مکمل اختیاراتی انٹر سروسز آرگنائزیشنز کا روپ دھار گئی۔

اب ہم جنرل ہیڈکوارٹرز کی اجزائے ترکیبی کی اکائیوں اور ان کی جنگی نکتہ نگاہ سے توسیع کے بارے میں بحث کریں گے۔

جنرل اسٹاف برانچ کو جنرل ہیڈکوارٹرز کے تمام اجزائے ترکیبی میں افتخار حاصل تھا اس کا کام لڑائی کے دوران فوج کو سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لیے ہدایات دینا تھا۔

Scanned with OKEN Scanner

ہدایات دیتے وقت دشمن کے متعلق صحیح اعداد و شمار اکٹھا کرنا اس کی ذمہ داری ہوتی تھی۔ یہ اعداد و شمار حقیقی یا امکانی حد تک درست ہونے ضروری ہوتے تھے اس کے ساتھ ساتھ حملہ کرنے کے لیے راہ نما منصوبہ تیار کرنا بھی اس کے فرائض میں شامل تھا۔ مزید یہ کہ جنرل اسٹاف برانچ کے دستوں کو منظور شدہ خطوط اور مطلوبہ معیار پر تربیت دینا ہوتی تھی تاکہ وہ تیار شدہ منصوبہ پر عمل درآمد کرنے کے قابل ہو سکیں۔ نیز اسے فوج کے مختلف یونٹوں کی تشکیل اور تقرریاں بھی کرنا ہوتی تھیں۔ یہ کام جی ایس برانچ کے شعبے "اسٹاف ڈیوٹیز ڈائریکٹوریٹ" کا بڑا کام تھا۔ اسی سلسلے میں مختلف یونٹوں مثلاً آرمرڈ کورپس، آرٹلری اور انفنٹری وغیرہ کو اسلحہ کی تقسیم کے اعتبار سے الگ الگ رکھنے کی ذمہ داری بھی انجام دینا پڑتی تھی جو اپنے اسلحہ کی خصوصی توجہ کے ساتھ حفاظت کرتے تھے۔

عمومی ترقی

جنگ عظیم شروع ہونے پر جی ایس[1] برانچ کی ہیئت ترکیبی اس طرح تھی۔

چیف آف دی جنرل اسٹاف
(سی۔جی۔ایس)

↓

ڈپٹی چیف آف دی جنرل اسٹاف
(ڈی۔سی۔جی۔ایس)

ڈائریکٹوریٹس
فوجی آپریشنز اور خفیہ شعبہ
(ڈی۔ایم۔او۔اینڈ۔آئی)

مشیر
میجر جنرل کیولری
میجر جنرل آرٹلری
سگنل آفیسران چیف

---

[1] جی۔ایس۔برانچ۔جنرل اسٹاف برانچ

عملے کی ذمہ داریاں (ڈی۔ ایس۔ڈی)	جسمانی تربیت کا انسپکٹر (برموقع اے۔ ایس پی ٹی انبالہ/ کساولی)
فوجی تربیت (ڈی۔ایم۔ ٹی)	فوجی دستوں کی تعلیم کا انسپکٹر

اس شُعبے کو فوج کے ۵۲ آفیسروں، سول کے ۴ آفیسروں اور ۱۴۸ کلرکوں کی مدد حاصل تھی۔ جنرل اسٹاف برانچ میں جو ترقی ہوتی وہ یہ تھی:

خفیہ شعبے کو فوجی آپریشن کے شعبے سے الگ کر کے دو ڈائریکٹوریٹ تشکیل دی گئیں سنسرشپ کی تنظیم کو فوجی اور سول سنسرشپ کی ڈائریکٹوریٹ میں تبدیل کر دیا گیا اور اسٹاف کی ذمہ داریوں کے شعبے کو مزید بڑی وسعت دی گئی۔

جہاں تک ~~فوجی تربیت کا سوال ہے یہ مسئلہ ہمیشہ~~ فوجی مباحث میں سرفہرست رہا ہے اس کا انتظام ڈائریکٹوریٹ آف ملٹری ٹریننگ اور مختلف اوقات میں کئی برانچوں کے درمیان تقسیم رہا ہے۔ اسی طرح فوجی تعلیم کا شعبہ بھی مختلف تاریخوں میں کئی فوجی تنظیموں کے ماتحت رہا ہے۔ آخر میں ویلفیئر جنرل برانچ کے پاس چلا گیا۔

اس موضوع کے علاوہ منصوبہ بندی اور کوآرڈینیشن آف ورک کے کام میں کافی مسائل کا سامنا کرنا پڑا جس کا ذکر ہم بعد میں کریں گے۔

دی ڈائریکٹوریٹس

۱۔ ملٹری آپریشنز ڈائریکٹوریٹ:

جنگ سے پہلے ملٹری آپریشن کی تنظیم، فوجی خفیہ تنظیم کے ساتھ ملحق تھی اور ڈائریکٹوریٹ آف ملٹری آپریشن اینڈ انٹیلی جینس میں تشکیل دی گئی تھی۔ صرف دو شعبے ایم۔او (۱) اور ایم۔او (۲) آپریشنز سے جڑے ہوئے تھے وہ ڈائریکٹر ملٹری اپریشنز اینڈ انیٹلی جنس کے براہ راست کنٹرول میں تھے۔ اس ڈائریکٹوریٹ کے باقی شعبے انیٹلی جنس برانچ کی سات شاخوں پر مشتمل تھے جنھیں ملٹری کے خفیہ محکمے کا ڈپٹی ڈائریکٹر چلاتا تھا۔

Scanned with OKEN Scanner

یہ پہلا شعبہ ا-او-M بیرونی حملے کے دفاع کے لیے تیار کیے گئے منصوبوں پر عمل درآمد سے متعلق تھا۔ جبکہ دوسرا شعبہ ۲-او-M اندرون ملک سلامتی کے منصوبوں سے تعلق رکھتا تھا خاص طور پر اندرونِ ملک بغاوت فرو کرنا اسکی اہم ذمہ داری تھی۔ اس شعبہ میں توسیع پہلی مرتبہ ۱۹۴۰ء میں اس وقت شروع ہوئی جب افغانستان پر ممکنہ روسی حملے کے خطرے کے پیش نظر افغانستان کو مدد دینے کے منصوبے پر کام بہت بڑھ گیا۔ مئی ۱۹۴۰ میں ڈپٹی ڈائریکٹر ملٹری اپریشن (بریگیڈیئر) کی آسامی پیدا کی گئی اور ڈائریکٹر ملٹری آپریشنز اینڈ انٹیلی جینس کا عہدہ بڑھا کر میجر جنرل کر دیا گیا اپریل ۱۹۴۱ء میں ہندوستان پر بڑھتے ہوئے فضائی حملوں اور عراق میں ابتر حالت کے باعث دو شعبوں کا اضافہ ضروری ہو گیا۔

نومبر ۱۹۴۱ میں فوج کے خفیہ شعبے کے علاحدہ وجود میں آنے سے ایم۔او[1] (۱) ایم-او (۲) ایم۔او (۳) اور ایم۔او (۴) شعبوں کی تنظیم میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔

دوسری تنظیم اور فوجی خفیہ شعبے کی طاقت زیادہ تر برما میں آپریشن کی ذمہ داری کی پالیسی پر منحصر تھی۔ جب وہ علاقہ اپریشن کے لیے ہندوستان کی ذمہ داری قرار پایا تو ڈائریکٹوریٹ کو مزید توسیع دی گئی اور جب برما کو ایسے انتظامات سے علاحدہ کر دیا گیا تو ڈائریکٹر ملٹری آپریشن کے کچھ شعبے ضرورت سے زائد ہو گئے تو انھیں بند کر دیا گیا۔

دسمبر ۱۹۴۱ء میں جب برما، ہندوستانی حاکمیت میں آگیا تو وہاں فوجی کام کاج چلانے کے لیے ایک نیا شعبہ ایم۔او (۵) کے نام سے تشکیل دیا گیا۔ جنوری ۱۹۴۲ء میں جنرل ہیڈ کوارٹر نے عراق اور برما میں اپریشنل کنٹرول کی منظوری دے دی۔ تب ایم او (۴) اور ایم۔او (۵) ختم کیے گئے۔

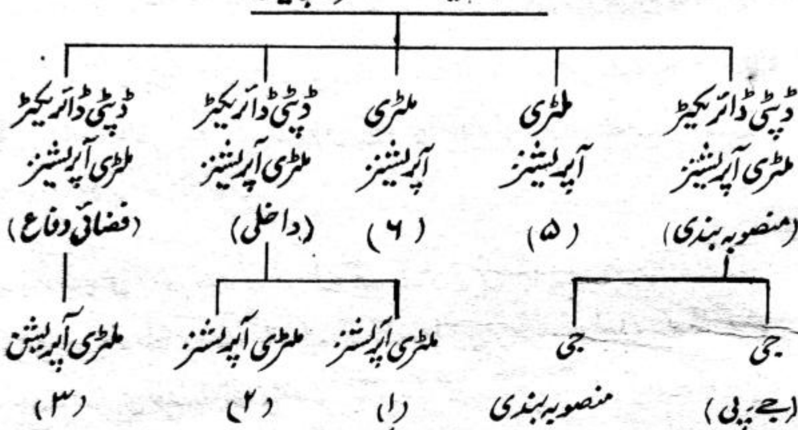
فروری ۱۹۴۲ء میں انڈیا نے برما کا دوبارہ انتظام سنبھال لیا چنانچہ ایم او (۵) کو دوبارہ قائم کیا گیا۔ بعد میں جب ۱۹۴۲ میں برما کے محاذ سے فوجیں پسپا ہوئیں اور مشرقی ہندوستان سے دباؤ بڑھنے لگا تو مزید دو نئے ڈپٹی ڈائریکٹروں اور مشترکہ منصوبہ بندی اور جنرل اسٹاف (منصوبہ جات) کے علاحدہ شعبے بنانے کی ضرورت پیش آئی۔

---

[1] ایم۔او۔ملٹری آپریشنز

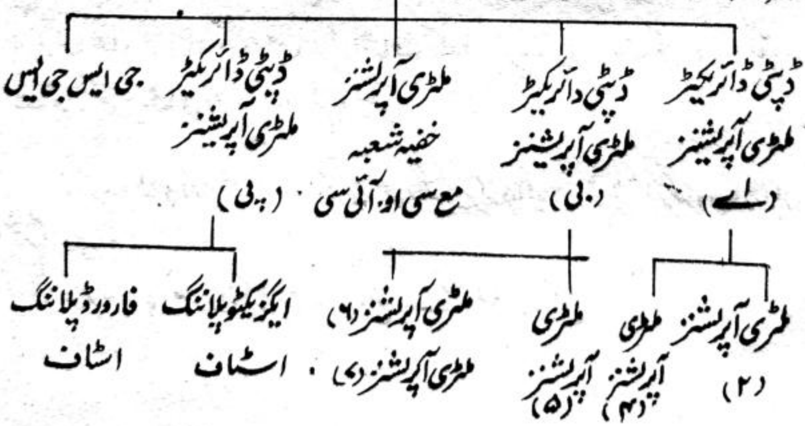
۱۹۴۲ء میں ڈائریکٹوریٹ آف ملٹری اپریشنز کی تنظیم کو ذیل کی شکل میں تبدیل کر دیا گیا۔

ڈائریکٹوریٹ آف ملٹری اپریشن



نومبر ۱۹۴۲ء میں یہ تنظیم پھر تبدیل کر دی گئی۔ تین ڈپٹی ڈائریکٹروں میں سے صرف دو ڈپٹی ڈائریکٹرز کو ان کی جگہوں پر برقرار رکھا گیا۔ جنرل اسٹاف کے جغرافیائی شعبے کو ڈائریکٹوریٹ آف ملٹری آپریشنز سے ڈائریکٹوریٹ ملٹری انٹیلی جنس میں تبدیل کر دیا گیا۔ ۱۹۴۳ء میں اس تنظیم میں اُس وقت تبدیلی آئی جب تیسرے ڈپٹی ڈائریکٹر کو دوبارہ متعارف کروایا گیا۔ اس تبدیلی کے بعد ڈائریکٹوریٹ ملٹری اپریشنز کی تنظیم کی ترتیب اس طرح ہو گئی۔

ڈائریکٹر آف ملٹری آپریشنز



درج بالا نئے نظام کے تحت ملٹری آپریشنز (۲) ملٹری آپریشنز (۵) اور ملٹری آپریشنز (٦) کی ذمہ داریوں کو یونہی رہنے دیا۔ شمال مغربی سرحد کے دفاع کی ذمہ داری پہلے کی طرح ملٹری آپریشنز (۱) کی بجائے ملٹری آپریشنز (۴) کے سپرد کر دی گئی۔

جبکہ ملٹری آپریشنز (۱) پر چیف آف اسٹاف کے ساتھ ربط اور تعلق کے کام کا بار ڈالا گیا برما پر دوبارہ برطانوی قبضے کے بعد وہاں کے شہری انتظام کا طریقہ کار طے کرنے کے لیے ملٹری آپریشنز (۷) کا نیا شعبہ قائم کیا گیا۔

آئندہ کی منصوبہ بندی کرنے والے عملے نے فوج میں مستقبل قریب میں ملازمت کے لیے انٹرسروس تخمینے کے مسودے تیار کیے۔ اور حملے کی پالیسی میں بڑی تبدیلیوں کے خاکے بھی بنائے۔ دوسری طرف انتظامی منصوبہ بندی کے عملے نے چیف آف اسٹاف کی ہدایت پر تازہ ترین منصوبوں کے خاکے تیار کیے۔

نومبر ۱۹۴۳ میں جنوب مشرقی کمانڈ کے تشکیل پانے پر ڈائریکٹوریٹ آف ملٹری آپریشنز کا بڑا حصہ نئی کمانڈ کو منتقل کر دیا گیا۔ اکھٹے دو بریگیڈیئر، آٹھ لیفٹیننٹ کرنل، آٹھ میجر پانچ کیپٹن ڈائریکٹوریٹ سے لیے گئے۔ دوبارہ ترتیب دیا گیا باقی اسٹاف ڈائریکٹر ملٹری آپریشنز، ڈپٹی ڈائریکٹر ملٹری آپریشنز (۲) اور جی ایس جی ایس پر مشتمل تھا۔ ۱۹۴۴ جنوری میں ملٹری آپریشنز (۳) کا شعبہ قائم کیا گیا جس کا کام جنرل اسٹاف کی سبکدوشی کے معاملات کی جانچ کرنا تھا، ۱۹۴۴ اکتوبر میں جنرل اسٹاف کے دوسرے ڈپٹی چیف کی دوبارہ تقرری سے ڈائریکٹوریٹ کی ذمہ داریاں کم ہو گئیں۔

ڈائریکٹر ملٹری آپریشنز کا عہدہ کم کر کے بریگیڈیئر کر دیا گیا جبکہ ڈپٹی ڈائریکٹروں کی تقرریاں ختم کر دی گئیں۔

دسمبر ۱۹۴۴ میں ڈائریکٹوریٹ اس ترتیب سے تشکیل دی گئی۔

Scanned with OKEN Scanner

ڈائریکٹر ملٹری آپریشنز

- جی ایس جی ایس
  مشتمل ایک
  لیفٹیننٹ کرنل تین میجر
  ایک ماتحت، پانچ کیپٹن
  (ڈبلیو۔ اے۔ سی (۱))
  سروے ڈائریکٹر کے
  ماتحت
- ملٹری آپریشنز (۳)
  ایک لیفٹیننٹ کرنل
  ایک میجر
- ایک لیفٹیننٹ کرنل
  - ملٹری آپریشنز (۲)
    مشتمل دو میجر
    ایک کیپٹن
  - ملٹری آپریشنز (۱)
    مشتمل دو میجر
    ایک کیپٹن،
    ایک سرکاری مورخ

انٹیلی جنس ڈائریکٹوریٹ :-

جیسا کہ اُوپر بتلایا جا چکا ہے کہ خفیہ شعبہ ۱۹۳۹ میں ڈائریکٹوریٹ آف ملٹری آپریشنز اینڈ انٹیلی جنس کے حصے کے طور پر تشکیل دیا گیا تھا۔ خفیہ عملہ حفاظتی ذمہ داریوں، ہندوستان کے لیے فوجی معلومات اکٹھا کرنے، سگنل کی یقینی حفاظت اور اشیا کے اجراء کے کاموں وغیرہ کے لیے ناکافی تھا۔

اپنی ضرورت کے باعث زیادہ اعتماد سول اداروں خاص طور پر محکمہ داخلہ کے خفیہ شعبے کی مدد اور تعاون پر کرنا پڑا۔ خفیہ تنظیم کے سات شعبے تھے جن کا سربراہ ڈپٹی ڈائریکٹر ملٹری انٹیلی جنس جو ڈائریکٹر آف ملٹری آپریشنز اینڈ انٹیلی جنس کو جواب دہ تھا۔ ان شعبوں کے نام اور ان کی ذمہ داریاں یہ ہیں۔

ایم۔ آئی[1] (۱) انٹیلی جنس آرگنائزیشن (خفیہ تنظیم)

ایم۔ آئی (۲) جاسوسی برائے شمال مغربی سرحد اور افغانستان

---

[1] ایم۔ آئی ملٹری انٹیلی جنس

Scanned with OKEN Scanner

ایم۔ آئی (۳) جاسوسی برائے ممالک دیگر علاوہ انڈیا و افغانستان
ایم۔ آئی (۴۔اے) خفیہ دستاویزات
ایم آئی (۴۔بی) نقشہ جات
ایم۔ آئی (۶) جاسوسی کے خصوصی معاملات
ایم۔ آئی (۷) جاسوسی برائے اندرونی طبقہ جات ہندوستان

دوسری جنگِ عظیم چھڑنے کے بعد خفیہ شعبے کی سرگرمیوں میں تیزی سے اضافہ ہوگیا چنانچہ تین نئے شعبے ملٹری اینٹلی جنس (۱۰۸) اور ملٹری اینٹلی جنس (۱۰۹) فوری طور پر قائم کیے گئے۔

ڈائریکٹر ملٹری اپریشنز اینڈ انٹیلی جنس ۱۹۴۱ کے موسمِ خزاں تک کام کی وسعت کو کم کرتے رہے۔ بعدازاں جاپانیوں کی طرف سے دہشت آمیز دھمکیاں بھی تیز ہوگئیں۔ چنانچہ مشرقی سرحد کے دفاع کی خاطر آپریشن کرنے کے لیے منصوبہ بندی کرنا پڑی، جاسوسی کا کام بھی دوبارہ بڑی اہمیت اختیار کرگیا، مشرق میں متوقع میدانِ جنگ کی خبروں، ہندوستان میں غیر ملکیوں کی نگرانی، دشمن کے اشاروں[۱] کا مطالعہ، اپنے اشاروں کے تحفظ اور حساب کتاب بڑی توجہ اور بہت ذمہ داری کے متقاضی تھے۔

نومبر ۱۹۴۱ء میں خفیہ محکمے کو آپریشنز سے علاحدہ کردیا گیا اور خود مختار محکمہ جاسوسی کے طور پر جنرل اسٹاف برانچ میں دوبارہ منظم کیا گیا۔ اس کے دو شعبوں ایم آئی (۷) اور ایم آئی (۹) کو جی ایس آئی (بی) اور جی ایس آئی (ایس) کے نئے نام دیے گئے۔

اس ڈائریکٹوریٹ کی سرگرمیاں جنگِ عظیم کے آخری سالوں میں بدستور بڑھتی رہیں، جاپانی قیدیوں اور مشتبہ پناہ گزینوں کے سوالات، تشہیری مہم کو سنسر کرنا، جو مکمل طور پر اینٹلی جنس کی رپورٹ پر منحصر تھی اور دشمن کے اسلحہ، تنظیم اور اتحادی فوجوں کی معلومات اکھٹی کرنا اور تقسیم کرنا، ایسے کام اس ڈائریکٹوریٹ میں ایک ایک کرکے بڑھتے گئے۔ چنانچہ نئے شعبے بھی اسی کے مطابق بڑھائے گئے۔

۱۹۴۳ نومبر میں جنوب مشرقی ایشیا کمانڈ کے قائم ہوجانے کے بعد ڈائریکٹوریٹ آف

---

[۱] اشاروں سے مراد فوج کی مختلف اصطلاحوں میں پیغام رسانی

Scanned with OKEN Scanner

ملٹری انٹیلی جنس کے لیے ضروری ہوگیا تھا کہ وہ نئی کمانڈ میں قائم شعبہ جاسوسی کے ساتھ قریبی تعلق قائم کرے۔ چنانچہ ٦ مارچ ۱۹۴۴ء کو ڈائرکٹوریٹ آف انٹیلی جنس برائے جنوب مشرقی ایشیا کمانڈ اور انڈیا کمانڈ قائم کی گئی۔ نتیجتہً ڈائرکٹر ملٹری انٹیلی جنس کو اپنی معمول کی ذمہ داریوں کے علاوہ ڈپٹی ڈائرکٹر آف انٹیلی جنس برائے جنوب مشرقی ایشیا کمانڈ کے طور پر بھی کام کرنا پڑا۔ بہ اُن جاسوسی معاملات میں جو گیارہویں آرمی گروپ ایئر کمانڈ، جنوب مشرقی ایشیا، رئیر ایکیلون، چین، برما اور انڈیا کے محاذِ جنگ کو مشترکہ طور پر متاثر کرتے تھے۔ ضروری ربط و ترتیب کے لیے ڈائرکٹر آف انٹیلی جنس برائے جنوب مشرقی ایشیا کمانڈ کو جواب دِہ تھے۔ انھوں نے جنوب مشرقی ایشیا کمانڈ کے ڈائرکٹر انٹیلی جنس کے کینڈی جانے کے بعد، انٹر سروسز اور رانڑ کمانڈ انٹیلی جنس کے اجلاسوں کی صدارت بھی کی یکم مئی ۴۴ء کو ایک اور قدم اٹھایا گیا جس کا مقصد تینوں مسلح افواج میں ربط و تعلق کو اور بڑھانا تھا یہ قدم انٹر سروسز سیکوریٹی ڈائرکٹوریٹ کا قیام تھا جو پہلے سے موجود تینوں سیکوریٹی آرگنائزیشن کے علاوہ تھی۔ "ڈائرکٹر ملٹری انٹیلی جنس انڈیا" کا عہدہ دوبارہ "ڈائرکٹر انٹیلی جنس انڈیا کمانڈ" کر دیا گیا۔ اسی حیثیت میں انھوں نے ڈائرکٹر ملٹری انٹیلی جنس، انٹر سروسز سیکوریٹی، سگنل انٹیلی جنس، اور سول اور سروسز سنسر شپ (انڈیا) کو بھی چلایا۔

پوری جنگِ عظیم کے دوران ایک طرف انٹیلی جنس آرگنائزیشن آف جنرل ہیڈکوارٹر انڈیا اور دوسری طرف کاؤنٹر انٹیلی جنس کورپس مسلح افواج ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور سول محکمہ جات حکومتِ ہندوستان خاص طور پر انٹیلی جنس بیورو اور براڈ کاسٹنگ ڈیپارٹمنٹ کے درمیان تعلقات اور قریبی تعاون جاری رہا۔

فوجی تربیت کی ڈائرکٹوریٹ

دوسری جنگِ عظیم شروع ہونے پر فوجی تربیت کی ڈائرکٹوریٹ کے اداروں، میشر لسانیات، سیکرٹری بورڈ آف امتحانات مع ۱۳ افسران، میں تین نئے شعبے قائم کیے گئے۔ تین شعبوں میں سے ایم۔ ٹی (۱) ملٹری ٹریننگ I کا کام فوجی تربیت کے اداروں

کی نگرانی اور قیام تھا۔ ملٹری ٹریننگ II کی ذمہ داری اعلیٰ تعلیم اور طباعت کی تعلیم تھا۔ اور ملٹری ٹریننگ III کا تعلق فوجی سپاہیوں کی انفرادی تعلیم اور تربیتی اداروں کا انتظام سنبھالنا تھا۔ انسپکٹر برائے تعلیم چھوٹے فوجی افسران" کا عہدہ جنگ سے قبل ڈائریکٹوریٹ کے قیام میں شامل تھا۔ انسپکٹر سب سے پہلے چیف سینسر" کے طور پر بھرتی ہوتا تھا لیکن جنوری ۱۹۴۰ء میں اس عہدہ کو پرانی ذمہ داریاں دوبارہ دے دی گئیں۔

فوجی تربیت کی ڈائریکٹوریٹ کی وسعت براہِ راست ہندوستان میں فوج کی ترقی اور بڑھاوے سے تعلق رکھتی تھی۔ تربیتی اداروں کو توسیع دی گئی اور نئے تربیتی اسکول کھولے گئے۔ کیونکہ آفیسرز کی تربیت بہت اہمیت اختیار کرگئی تھی۔ فوج کا ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرنا۔ بہت زیادہ بڑھتے ہوئے یونٹوں اور فوجی دستوں میں ربط برقرار رکھنے کے لیے بہت ضروری تھا۔ جنگ کے نئے تجربات کو کام میں لاکر تمام فوجی اداروں کی تربیت کو تازہ اور حالات کے مطابق رکھنا زیادہ توجہ اور بہت زیادہ کام کا متقاضی تھا۔ رواں ترقی کے مطالعہ اور تحقیق کے لیے ضروری تھا کہ جدید جنگی اور فوجی تدابیر بھی اختیار کی جائیں۔ بہت زیادہ تعداد میں تربیت کے لیے پڑھائی جانے والی کتب اور دستاویز کو ترتیب دینا اور جاری کرنا ہوتا تھا اور یہ کام جنگ میں شدت اور وسعت میں اضافہ کے ساتھ آہستہ آہستہ بڑھتا گیا یہ تھیں وہ بنیادی حقیقتیں جو اس ڈائریکٹوریٹ میں توسیع چاہتی تھیں۔

جولائی ۱۹۴۰ء میں ڈپٹی ڈائریکٹر (جنرل اسٹاف آفیسر I) شعبہ فوجی تربیت' کا اضافہ کیا گیا اور تین دیگر افسران اس کی مدد کے لیے ڈائریکٹوریٹ میں لائے گئے۔

ستمبر ۱۹۴۱ء میں سات مزید افسران ڈائریکٹوریٹ کے لیے منظور کیے گئے۔ دسمبر ۱۹۴۱ میں ڈائریکٹر اور ڈپٹی ڈائریکٹر کی تقرریوں کو بڑھا کر بالترتیب میجر جنرل' اور بریگیڈیئر کر دیا گیا۔ ستمبر ۱۹۴۲ میں درجہ اوّل کے جنرل اسٹاف آفیسر کو فوجیوں کی "انفرادی تربیت" کے لیے مقرر کیا گیا۔ اس آفیسر کا کام تربیتی مرکزوں کے کام کا معائنہ کرنا اور مرکزوں کے کام کو باہم مربوط کرنا تھا۔

جولائی ۱۹۴۳ء میں اس کا عہدہ مقامی بریگیڈیئر کے مساوی "انسپکٹر برائے تربیتی ادارے" میں تبدیل کر دیا گیا۔ اور اس کی عدم موجودگی میں ایک اسٹاف کیپٹن اس کا کام سرانجام دیتا تھا۔

Scanned with OKEN Scanner

اکتوبر ۴۲ ۱۹ء میں لسانیات تعلیم اور تربیت کی فلم بندی کے شعبے ایک اور ڈپٹی ڈائریکٹر (تعلیم اور علوم محرک فلم) کے ماتحت دوبارہ منظم کیے گئے۔ نیز اسٹاف کی دورانِ جنگ ذمّہ داریوں کے روزنامچوں کا شعبہ اس کے ساتھ ہی اس ڈائریکٹوریٹ کو منتقل کر دیا گیا۔ تاہم بعد میں یہ آخری شعبہ اسٹاف ڈیوٹیز کی ڈائریکٹوریٹ کو لوٹا دیا گیا۔

جنوری ۴۳ ۱۹ء میں ڈائریکٹوریٹ آف ملٹری ٹریننگ آٹھ علاحدہ شعبوں پر مشتمل تھی۔ جن میں ایک شعبہ فوجیوں کی انفرادی تربیت کا، دوسرا جنگی روزنامچوں اور برما کے محاذ کی تاریخ کا تھا۔ ان شعبوں کے دو ڈپٹی ڈائریکٹروں کے ماتحت گروپ بنا دیے گئے تھے۔ ان میں سے ایک ڈائریکٹر تین شعبوں کا نگران تھا یہ تین شعبے لسانیات تعلیم اور فلم سے متعلق تھے جنہیں بالترتیب ملٹری ٹریننگ (۵) ملٹری ٹریننگ (۶) اور ملٹری ٹریننگ (۷) کہا جاتا تھا۔

مئی ۴۳ ۱۹ء میں ایک اور ڈپٹی ڈائریکٹر کا اضافہ کیا گیا تاکہ ڈائریکٹر کے دورہ کے باعث اس کی عدم موجودگی میں پیدا ہونے والے مسائل اور معاملات پر جنرل ہیڈ کوارٹر کو مشورہ دے سکے۔

جولائی ۴۳ ۱۹ء میں انسپکٹر آف انفنٹری یعنی میجر جنرل کے تقرر کی منظوری دی گئی اور اسے ڈائریکٹوریٹ ملٹری ٹریننگ سے منسلک کر دیا گیا۔ اکتوبر ۴۳ ۱۹ میں اس شعبہ کو انفنٹری ڈائریکٹوریٹ کے ساتھ ضم کر دیا گیا۔ سال کے اختتام پر ڈائریکٹوریٹ میں ۱۳۱ آفیسر تھے۔

۱۹۴۴ کے ابتدائی مہینوں میں فوجی تعلیم کے شعبے کے اختیارات، ماتحت جنرل برانچ میں ڈائریکٹوریٹ برائے تعلیم کو دے دیے گئے۔ اور فلم کی پیداوار کے معاملات "محرک تصویروں کی ڈائریکٹوریٹ" کو منتقل کر دیے گئے۔ جبکہ ڈپٹی ڈائریکٹر، تعلیم اور محرک تصویر" کا عہدہ کم کر دیا گیا اگست ۴۴ ۱۹ء میں اس ڈائریکٹوریٹ میں دوبارہ وسعت نئی مکمل تنظیم کے بعد اس وقت آئی، جب مندرجہ ذیل ذمہ داریاں دوسری ڈائریکٹوریٹس سے اسے منتقل کر دی گئیں۔

الف : جانوروں کے لیے استعمال ہونے والی گاڑیوں کی تکنیکی تربیت اور ان کی بہم رسانی کی شاخیں (برائے آر۔آئی۔اے۔ایس۔سی)۔

ب : باقی اداروں کی فوجی تربیت مثلاً صدر کلیسا آئی۔جی۔ایس۔سی، کلرک راستہ بنانے

کے لیے آگے جانے والے ہندوستانی دستے، ذرائع مواصلات شعبہ علاج حیوانات، کوہ پیمائی اور خوردونوش کا شعبہ وغیرہ۔

ج : ڈبلیو۔ اے۔ سی (ا) کے عملے کی تربیت۔

د : مشترکہ فوجی کارروائی کرنے والے دستوں کی تربیت۔

ڈائریکٹوریٹ کی دوبارہ تنظیم سازی میں دو جنرل اسٹاف آفیسرز I، سات جنرل اسٹاف آفیسرز II اور نو جنرل اسٹاف آفیسرز III کا اضافہ ہوا۔

اپریل اور اگست ۱۹۴۵ کے درمیان آرمڈ دستوں، شاہی توپ خانے اور سگنلز کی فوجی تربیتی ذمہ داریاں ڈائریکٹوریٹ ملٹری ٹریننگ کو منتقل کیے جانے کے باعث اس ڈائریکٹوریٹ میں مزید توسیع ناگزیر ہوگئی۔ اس تنظیم میں تین نئے شعبے قائم کیے گئے جنہیں نئی ذمہ داریاں دی گئیں، ایم ٹی ×- ملٹری ٹریننگ (۸) آرمڈ دستے، ایم ٹی (۹) توپ خانے اور ایم ٹی (۱۰) سگنلز کی ذمہ داریاں دی گئیں۔ اسی موقع پر ایک نیا ڈپٹی ڈائریکٹر ہندوستان میں فوج کی تکنیکی تربیت کی نگرانی کے لیے تعینات کیا گیا۔ چوتھا ڈپٹی ڈائریکٹر آر۔ آئی۔ اے۔ ایس۔ سی کی ٹریننگ کے لیے مقرر کیا گیا۔

ستمبر ۱۹۴۵ء میں ڈائریکٹوریٹ کی حتمی تنظیم سازی ہوئی چنانچہ اس موقع پر اس کی وسعت میں مزید اضافہ ہوا۔

عملے کی ذمہ داریوں کی ڈائریکٹوریٹ (S.D.D)

جنگ چھڑنے پر اسٹاف ڈیوٹیز ڈائریکٹوریٹ صرف ایک ڈائریکٹر پر مشتمل تھی جو جنرل اسٹاف کے ڈپٹی چیف کے علاوہ اور تین شعبوں کا ڈپٹی ڈائریکٹر بھی تھا۔ ان تین شعبوں میں سے ایس[1] ڈی I یعنی اسٹاف ڈیوٹیز (ا) کا شعبہ فوجی یونٹوں کی تنظیم کی پالیسی افواج کی تقسیم اور افواج کے باہم ربط سے متعلق تھا۔

ایس۔ ڈی (۲) ہتھیاروں، عملے اور خزانے کے معاملات کو کنٹرول کرتی تھی جبکہ ایس

---

[1] ایس ڈی اسٹاف ڈیوٹیز (عملے کی ذمہ داریاں)

ڈی (۳) جنگی نقطہ نگاہ سے فوجی یونٹوں کے قیام کی ذمہ داری تھی۔ ڈائریکٹریٹ میں کل گیارہ افسر کام کر رہے تھے۔

جنگ کی رفتار کے باعث اس ڈائریکٹوریٹ میں اضافہ ہوتا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جنگ کے ساتھ ساتھ ہندوستانی فوج میں اضافہ کرنا پڑا جس کے باعث کام بہت بڑھ گیا لیکن اب اس ڈائریکٹوریٹ میں اضافہ کے لیے کوئی خاص وجہ نہیں تھی۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ جنگ چھڑنے پر یہ ڈائریکٹوریٹ ایک ڈپٹی ڈائریکٹر اور تین شعبوں ایس ڈی (۱) ایس ڈی (۲) ایس ڈی (۳) پر مشتمل تھی۔ فوج کو یکجا کرتے وقت ڈائریکٹر اسٹاف ڈیوٹیز (بریگیڈیئر کے ہم پلہ) کی اسامی پیدا کی گئی اور "جنگی روزنامچوں" کے شعبہ کے ساتھ ریکارڈ بیورو کو منسلک کیا گیا۔ جولائی ۱۹۴۰ء میں نئے یونٹوں کے قائم ہونے اور ان کی سمندر پار خط و کتابت وغیرہ کے کام کے باعث تین نئے شعبوں کا قیام بہت ضروری ہو گیا۔ ان تین شعبوں میں سے ایک شعبہ ایس ڈی (۴) بنایا گیا جو خاص طور سے جنگ میں نت نئی تبدیلیوں اور مسلح افواج میں وسعت کے باعث شدت سے بڑھتے ہوئے کام کو تیزی سے انجام دینے کے لیے تھا۔ ایک اور شعبہ ایس ڈی (۵) کو سمندر پار ہندوستانی افواج اور ہندوستان میں موجود دفاتر کے درمیان خط و کتابت کے لیے مخصوص کیا گیا۔

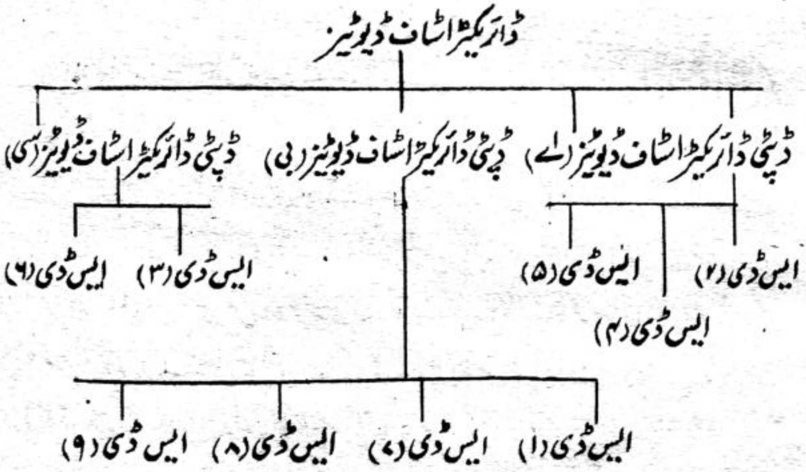
تیسرے شعبہ ایس ڈی (۶) کا اضافہ عملے کی تنظیم سے متعلق تھا۔ اس وقت ایس ڈی (۲) دو ذمہ داریاں (۱) تنظیم (۲)۔ یونٹوں کا اسلحہ وغیرہ کی ترسیل سنبھالے ہوئے تھا اور مزید دو ذیلی شعبوں میں تقسیم تھا۔ ایک تکنیکی افراد اور دوسرا غیر تکنیکی افراد کے لیے۔ اپریل ۱۹۴۱ء میں ایک اور ذیلی شعبہ "کیمیائی جنگ" کے نام سے قائم کیا گیا۔

اُسی دوران جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے تکنیکی افراد کے شعبہ کی ذمہ داریاں اسٹاف ڈیوٹیز کے بجائے متعلقہ مشیروں نے سنبھال لیں۔ اس وقت یہ ڈائریکٹوریٹ ٹیکنیکل اسٹاف کے علاوہ تیس افسروں پر مشتمل تھی۔ فوج میں تیزی سے ہونے والی وسعت کے باعث ایس ڈی (۲) کا شعبہ تنظیم اور یونٹوں کے ہتھیاروں کے کام تلے دب کر رہ گیا۔ جنوری ۱۹۴۲ء میں اس شعبہ کے بوجھ کو ہلکا کیا گیا اور درج ذیل کاموں کے لیے نئے شعبے وجود میں

Scanned with OKEN Scanner

لائے گئے۔
ایس ڈی (۷) پیادہ فوج اور مختلف یونٹوں کی نئی تنظیم سازی۔
ایس ڈی (۸) ترجیحات کے مطابق اسلحہ اور پُرزہ جات کی ترسیل۔
ایس ڈی (۹) کیمیاوی اشیا کی دیکھ بھال اور اِخفا وغیرہ۔
اپریل ۴۲ ۱۹ میں ڈپٹی ڈائریکٹر کی دوسری تقرری کا اضافہ کیا گیا۔ اور ایس ڈی (۵) کو ریل گاڑیوں کی نقل و حرکت اور ذخیرہ جات کی گاڑیوں میں ربط ضبط کا کام سونپا گیا۔ اس کے بعد ڈائریکٹوریٹ میں افسروں کی تعداد بڑھ کر ۵۴ ہو گئی۔
جولائی ۴۲ ۱۹ میں اخفا کا کام "کیمیاوی جنگ" کے کام سے علاحدہ کر دیا گیا اور نئے شعبے ایس۔ ڈی (۱۰) کو اس کا کام سونپ دیا گیا۔ اگست ۱۹۴۲ء میں ایک اور شعبہ ایس ڈی (اے۔بی) قائم کیا گیا۔ مختصر سی مدّت کے بعد اسے ایس ڈی (۱۱) کا نام دے دیا گیا۔ اسے یونٹوں کے پھیلاؤ، بڑھاوے اور افرادی قوت کی ذمہ داری سونپی گئی۔
جولائی ۴۲ ۱۹ میں جنگی ترسیلات کی تقسیم کی درجہ بندی میں نظرِ ثانی کے لیے ایک کمیٹی بنائی گئی لیکن جلد ہی اس کا کام حال ہی میں قائم کیے گئے نئے شعبے ایس ڈی (۱۳) کے سپرد کر دیا گیا اور نومبر ۴۲ ۱۹ میں ایس ڈی (۱۴) قائم کیا گیا۔ جس کا کام اسٹاف ڈیوٹیز کے کام یعنی "مشترکہ فوجی آپریشن" کو عمل میں لانا تھا۔ لیکن ۴۳ ۱۹ میں یہ شعبہ ڈائریکٹوریٹ آف کمبائنڈ آپریشنز کے سپرد کر دیا گیا۔ قابلِ غور توسیع "شعبہ کیمیاوی جنگ" اور "شعبہ اخفا" کے عملے میں ہوئی۔ "کیمیاوی جنگ کے معاملات" کا شعبہ ایک طبعیاتی مشیر اور ایک انسپکٹر برائے "شعبہ کیمیاوی بہتری" (جنرل اسٹاف آفیسر I) پر مشتمل تھا۔ موخرالذکر کو جنوری ۱۹۴۴ء میں ڈائریکٹوریٹ ملٹری ٹریننگ کو منتقل کر دیا گیا۔ نومبر ۱۹۴۲ء میں ایس ڈی (۱۰) "شعبہ اخفا" میں ایک انسپکٹر مع تین افسران تھے۔ ۳۶ "افسران شعبہ اخفا" (جن میں ماہرین بھی شامل تھے) ہندوستان بھر میں جہاں کہیں ضرورت پڑتی تھی مہیا کیے جاتے تھے۔ یہ افسران جنرل اسٹاف برانچ کی تشکیل کے وقت بھی مہیا کیے گئے۔
۱۹۴۲ء کے آخر میں ہندوستانی فوج میں توسیع عروج کو پہنچ چکی تھی چنانچہ اس کے بعد

اسٹاف ڈیوٹیز ڈائریکٹوریٹ میں مزید توسیع نہیں ہوئی۔ نومبر ۱۹۴۳ء اور جنوری ۱۹۴۴ء میں اس ڈائریکٹوریٹ میں چند تبدیلیاں کی گئیں۔ لیکن یہ تبدیلیاں ڈائریکٹر اسٹاف ڈیوٹیز کے چھوٹے سیکریٹریٹ کے بننے اور شعبہ ایس ڈی II کی تنظیمِ نو کے بعد زیادہ پائیدار نہ تھیں، فوج کی توسیع اور یُونٹوں یں اضافے کا کام اب زیادہ نہیں تھا اس لیے پُرانے شعبے (۱۱) کو جنرل اسٹاف کی افرادی قوت نقل و حرکت اور رہائش کے مسائل کا کام سونپا گیا۔ تاہم اکتوبر ۱۹۴۴ء میں شعبہ ایس ڈی (۱۱) ختم کر دیا گیا۔ افرادی قوت سے متعلق اس کا کام ایس ڈی (۷) کو عارضی طور پر دے دیا گیا۔ نقل و حرکت اور رہائش کے بندوبست کا کام ایس ڈی (۴) کو دے دیا گیا۔ اسی ماہ فوج کی تشکیل سے متعلق مجلس قائمہ کے صدر کا عہدہ بدل کر ڈپٹی ڈائریکٹر اسٹاف ڈیوٹیز (سی) کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ بھی ڈائریکٹر کے ماتحت دو ڈپٹی ڈائریکٹر تھے۔ اس طرح مختلف ذمہ داریوں کو بدل دیا گیا۔ ان تبدیلیوں کے نتیجہ میں ڈائریکٹوریٹ کی شکل اکتوبر ۱۹۴۴ء میں اس طرح ہو گئی۔



اس تنظیم نو کے بعد اس ڈائریکٹوریٹ میں صرف ایک تبدیلی کی گئی۔ مئی ۱۹۴۵ء میں چوتھے ڈپٹی ڈائریکٹر اسٹاف ڈیوٹیز کو متعارف کروایا گیا۔ اس ڈپٹی ڈائریکٹر کا کام جنرل اسٹاف کے عملے کے سبکدوشی کے معاملات کی نگرانی کرنا تھا۔ ایک نیا شعبہ کام نمٹانے کے لیے قائم کیا

ایس۔ ڈی۔ اسٹاف ڈیوٹیز (ایک شعبے کا نام)

Scanned with OKEN Scanner

گیا۔ یہ نیا شعبہ ایک نئے ڈپٹی ڈائریکٹر کے ماتحت کر دیا گیا۔ جبکہ دوسری جنگ کے خاتمہ سے پہلے تک ڈائریکٹوریٹ میں معمولی سی تخفیف اثر انداز ہوئی۔ جیسے ہی جاپانی فضائی حملوں کا خاتمہ ہوا۔ ہندوستانی آبزرور کورپس میں بھی تخفیف کر دی گئی۔ اپریل ۱۹۴۵ء میں یہ ممکن ہوا کہ ایس ڈی (۸) شعبے کے ان دو افسروں کو کم کر دیا جائے جو اس کام سے متعلق تھے۔

جولائی ۱۹۴۵ء میں دوبارہ "جنگی روزنامچوں" سے متعلق مختلف یونٹوں کے ذیلی شعبوں کو مسلح افواج کے مشترکہ "شعبہ تاریخ" میں مدغم کر دیا گیا۔ یہ شعبہ تاریخ بعد میں تشکیل دیا گیا۔

لڑاکا بکتر بند گاڑیوں کی ڈائریکٹوریٹ

جنگ کے آغاز پر گھڑ سوار فوج کا ایک میجر جنرل محکمہ جنرل اسٹاف میں بطور ٹیکنیکی مشیر تعینات تھا۔ ۱۹۴۰ء کے آغاز میں مشیر کے لیے فوجی عہدہ کم کر کے بریگیڈیئر کر دیا گیا اور ستمبر ۱۹۴۰ء میں گھڑ سوار فوج کے بریگیڈیئر کو اس کے بکتر بند دستے کی ڈویژن کی کمانڈ کے لیے اس ڈویژن میں بھیج دیا گیا لیکن یہ آسامی پر نہیں ہوئی اور خالی رہی۔ اس بریگیڈیئر نے اپریل ۱۹۴۱ تک بطور گھڑ سوار دستے کے مشیر کے اپنا کام جاری رکھا۔ یہاں تک کہ اپریل ۱۹۴۱ء ہی کو اسٹاف ڈیوٹیز ڈائریکٹوریٹ میں ایک بریگیڈیئر کو ڈپٹی ڈائریکٹر بکتر بند دستے کا عہدہ دے کر نئے شعبے کا انچارج بنا دیا گیا۔ تھوڑی ہی مدت بعد بکتر بند دستوں کی خصوصی تربیت کے لیے ملٹری ٹریننگ ڈائریکٹوریٹ میں ایک نیا شعبہ تشکیل دیا گیا۔ ۱۹۴۲ء میں اس نئے شعبہ کی قوت کو بڑھا دیا گیا اور اس میں دو مزید جنرل اسٹاف آفیسرز کا اضافہ کر دیا گیا۔ نیز اس شعبہ کو لڑاکا بکتر بند گاڑیوں سے متعلق تیکنیکی امور کے بارے میں ماسٹر جنرل آف آرڈیننس برانچ اور جنرل اسٹاف کے درمیان رابطہ کا کام سونپا گیا۔

نومبر ۱۹۴۲ء میں لڑاکا بکتر بند دستوں کے ڈپٹی ڈائریکٹر کو لڑاکا بکتر بند گاڑیوں سے متعلق امور کا ڈائریکٹر بنایا گیا اور لڑاکا بکتر بند گاڑیوں کی ایک علاحدہ ڈائریکٹوریٹ تشکیل دی گئی۔ ڈائریکٹوریٹ میں مختلف ذمہ داریاں نئے سرے سے تقسیم کی گئیں۔ ایک نیا شعبہ لے[1]

---

[1] اے ایف وی۔ آرمرڈ فائٹنگ وہیکل۔ لڑاکا بکتر بند گاڑیاں

ایف وی I کے نام سے قائم کیا گیا جس کا کام تمام بکتر بند دستوں کی تنظیم، ان کے مقام تعین ان کی جنگی تربیت، ان کی سڑک اور ریل کے ذریعے نقل وحمل اور ان کی جنگی پرزہ جات کی جدولوں وغیرہ سے تھا۔ اے ایف وی II کا کام ان دستوں کی عام تربیت، فوجی تربیت کی ڈائریکٹوریٹ سے تعلق، لڑاکا بکتر بند گاڑیوں کے تربیتی اسکول کی تنظیم، تربیتی کتابچوں کی تیاری تربیتی جماعتوں اور تربیتی اشیاء کی بہم رسانی وغیرہ تھا۔

ایک تیسرا شعبہ اے ایف وی III کے نام سے بنایا گیا جو شاہی بکتر بند دستوں اور ہندوستانی بکتر بند دستوں کے افسران کی دستاویزات ملازمت، ان کی تقرریاں، تبادلے اور تبدیلی کا کام ملٹری سیکرٹری برانچ اور ڈائریکٹوریٹ کی جنرل ایڈمنسٹریٹر کی آشیرباد سے سرانجام دیتا تھا۔ تمام تیکنیکی معاملات، بشمول نئے ٹینکوں اور ان کی گنوں کی آزمائش، ان میں مطلوبہ ضروری ترمیم وتبدیلی، اور آرڈی ننس برانچ کے ماسٹر جنرل سے ان متذکرہ امور پر مشورہ اے ایف۔ وی (۴) کی ذمہ داری قرار پایا۔

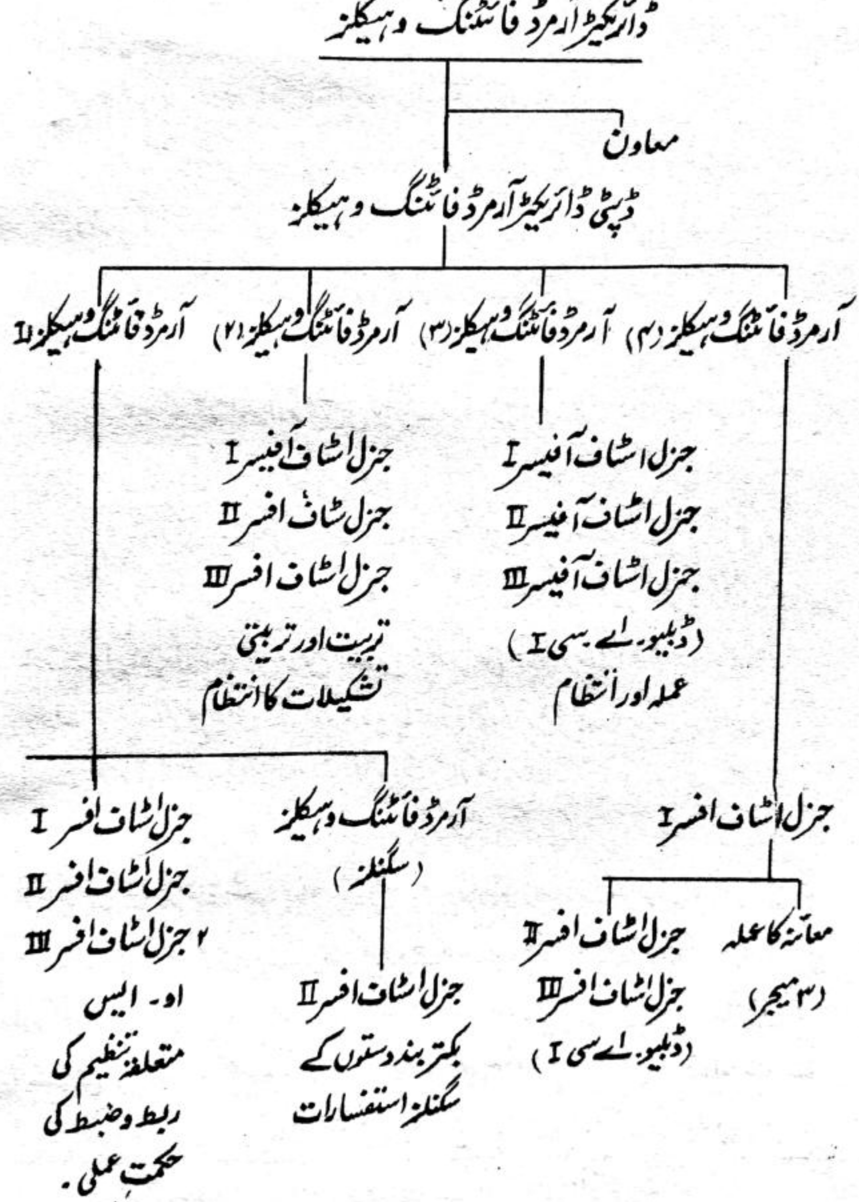
اس ڈائریکٹوریٹ میں اے ایف وی سگنلز کے نام سے ایک شعبہ شامل کیا گیا، جس کا کام لاسلکی مواصلات برائے بکتر بند گاڑیاں، سگنلنگ اور سگنلز ڈائریکٹوریٹ اور ماسٹر جنرل آف آرڈی ننس برانچ کے بیچ ربط وتعلق تھا۔ بکتر بند لڑاکا گاڑیوں کے ڈائریکٹر کا مرتبہ بعد میں بڑھا کر میجر جنرل کے برابر کر دیا گیا اور ڈپٹی ڈائریکٹر بعہدہ بریگیڈیئر کا اضافہ کیا گیا اگست ۱۹۴۴ء میں لڑاکا بکتر بند گاڑیوں کی ڈائریکٹوریٹ کے پاس ۲۰ آفیسر تھے۔

بعد میں ڈائریکٹوریٹ اے ایف وی کو بحیثیت آرمی کورپس انسپکٹوریٹ کر دیا گیا اور اسٹاف کے امور متعلقہ شعبوں یا اس سے متعلق دوسری ڈائریکٹوریٹ کو سونپ دیے گئے۔ شعبہ اے سی[۱] II واپس فوجی تربیت کی ڈائریکٹوریٹ کو دے دیا گیا۔ اے سی III کو آئی اے سی[۲] اور آئی اے سی کی محفوظ دستاویزات اور تقرریوں کا کام دیا گیا۔ آئی اے سی کے افسران کو اے۔ جی کی برانچ میں بھیج دیا گیا اور اے سی (۴) چونکہ تیکنیکی اور فنی استفسارات سے متعلق تھی اس لیے اسے میکانیکی مشینوں کی ڈائریکٹوریٹ میں ایم جی او[۳] برانچ کو دیدیا گیا۔

---

۱ اے سی آرمرڈ کورپس۔ بکتر بند دستے ۲ آئی اے سی انسپکٹوریٹ آرمی کورپس
۳ ایم جی او۔ ماسٹر جنرل آفیسرز

شعبہ اے سی (ا) کے ایک حصہ کو جس کا کام اے ایف وی کی دستاویزات رکھنا تھا آرڈیننس سروسز ڈائریکٹوریٹ کو دے دیا گیا۔



Scanned with OKEN Scanner

گاڑیوں کا اجرا۔
تشکیلات وغیرہ

تمام تکنیکی استفسارات اور ماسٹر جنرل آفینس برانچ کے ساتھ ربط وضبط اس کی ذمہ داری تھی۔

ان تبدیلیوں کے نتیجے میں ستمبر ۱۹۴۵ میں آرمڈ کورپس انسپکٹوریٹس میجر جنرل آرمڈ کورپس ایک بریگیڈیئر بطور ڈپٹی اور شعبہ جات اے سی I ' اے سی ٹیکنیکل) میں صرف ۵ افسران تھے۔

ہتھیاروں اور سامان کی ڈائرکٹوریٹ

جون ۱۹۴۳ میں ہتھیاروں اور سامان کی ڈائرکٹوریٹ اس وقت قائم کی گئی جب ڈائرکیٹر ویپن اینڈ ایکوپمنٹ کی آسامی اسٹاف ڈیوٹیز ڈائرکٹوریٹ میں ایس ڈی (۲) - ایس ڈی (۸) ایس ڈی (۹) ایس ڈی (۱۰) اور ایس ڈی (۱۳) کے شعبوں کی نگرانی کے لیے پیدا کی گئی لیکن ہتھیاروں اور سامان کی تنظیم کا عملہ بدستور اسٹاف ڈیوٹیز آرگنائزیشن کا حصہ تھا۔

اپریل ۱۹۴۴ میں اسٹاف ڈیوٹیز ڈائرکٹوریٹ سے اس کا عملہ علاحدہ کر دیا گیا، اور نئی ڈائرکٹوریٹس تشکیل دی گئی۔ نئی تشکیل شدہ تنظیم" وار آفس" کی طرز پہ زیادہ مضبوط ہو گئی اور اس میں ڈائرکیٹر اسٹاف ڈیوٹیز کے زیادتی کام اور ذمہ داری کے بوجھ کو ہلکا کرنے کا وصف بدرجہ اتم ہو گیا۔ اسے چار نئے شعبوں میں منتظم کیا گیا۔ نئی ڈائرکٹوریٹ، ڈائرکیٹر اور ڈپٹی ڈائرکیٹر سمیت ۳۱ افسروں پہ مشتمل تھی۔ نئی تنظیم کے بعد ڈائرکٹوریٹ اس طرح تھی۔

ڈی۔ ڈبلیو۔ ای[1] ڈائرکیٹر برائے سامان اور ہتھیار

ڈی۔ ڈی۔ ڈبلیو۔ ای۔ ڈپٹی ڈائرکیٹر برائے سامان اور ہتھیار

ڈی۔ ڈبلیو۔ ای (۱)۔ رابطہ، سازوسامان میں ترقی اور ایجادات

ڈی۔ ڈبلیو۔ ای (۲) (سابقہ ایس۔ ڈی۔ (۲)) ہتھیاروں کی تعداد اور اعداد و شمار گولہ بارود۔ سامان اور کپڑے۔

ڈی۔ ڈبلیو۔ ای (۳) (سابقہ ایس۔ ڈی۔ ۸) عام گاڑیاں اور جانور وغیرہ

---

[1] ڈی۔ ڈبلیو۔ ای۔ ڈائرکیٹر ویپن اینڈ ایکوپمنٹ

Scanned with OKEN Scanner

ڈی۔ڈبلیو (۴) (سابقہ ایس ڈی ۔ ۹) کیمیاوی جنگ

مارچ ۱۹۴۵ میں بڑھتے ہوئے کام کی وسعت کے باعث دو مزید شعبوں کا اضافہ ہُوا۔ اور اس کے ساتھ ہی ڈپٹی ڈائریکٹر دوم کی بھی تقرری ہُوئی۔ نئے شعبوں میں سے ڈی۔ڈبلیو۔ای (۵) جس کی ذمہ داری سازوسامان، منصوبہ بندی اور بحری مواصلات کی ترجیحات تھیں۔ دوسرے شعبے ڈی ڈبلیو ای (۶) کو اسلحہ، سازوسامان کی حکمت عملی، نزفیات اور دوسری دلچسپی رکھنے والی تنظیموں سے ربط ضبط کی ذمہ داری سونپی گئی۔ جون ۱۹۴۵ میں ڈائریکٹر کے مرتبے کو میجر جنرل اور ڈپٹی ڈائریکٹروں میں سے ایک کے رُتبے کو بریگیڈیئر کے برابر کر دیا گیا۔

جنگ کے اختتام تک اس ڈائریکٹوریٹ کی تنظیم میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ لیکن اکتوبر ۱۹۴۵ء میں ڈی ڈبلیو۔ای (۴) شعبہ جو کیمیاوی جنگ سے متعلق تھا ختم کر دیا گیا اب ڈائریکٹوریٹ کی تنظیم اس ترتیب سے تھی۔

ڈی۔ڈبلیو۔ای	میجر جنرل
ڈی۔ڈبلیو۔ای	بریگیڈیئر
ڈی ڈی ڈبلیو۔ای	کرنل
ڈی۔ڈبلیو۔ای I	ایک جنرل اسٹاف آفیسر II اور ایک جنرل اسٹاف آفیسر III
ڈی ڈبلیو۔ای (۲)	ایک جنرل اسٹاف افسر I تین جنرل اسٹاف افسر II تین جنرل اسٹاف افسر III
ڈی ڈبلیو۔ای (۳)	ایک جنرل اسٹاف افسر I دو جنرل اسٹاف افسر II دو جنرل اسٹاف افسر III
ڈی ڈبلیو۔ای (۵)	ایک جنرل اسٹاف افسر I دو جنرل اسٹاف افسر II تین جنرل اسٹاف افسر III
ڈی ڈبلیو۔ای (۶)	ایک جنرل اسٹاف افسر I دو جنرل اسٹاف افسر II تین جنرل اسٹاف افسر III

Scanned with OKEN Scanner

9566

شاہی توپ خانے کی ڈائریکٹوریٹ

جنگ چھڑنے پر توپ خانے کا شعبہ جنرل اسٹاف میں میجر جنرل رائل آرٹلری کے نام سے جانا جاتا تھا۔ یہ میجر جنرل بطور مشیر کام کرتا تھا اور اس کے دو معاون افسر بھی تھے۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ اپریل ۱۹۴۱ء میں توپ خانے سے متعلق اسٹاف ڈیوٹیز ڈائریکٹوریٹ کا کام ایم۔[1] جی۔ آر۔ اے کو دے دیا گیا۔ اس وجہ سے اس کا عملہ بڑھ کر چھ افسران تک پہنچ گیا۔

جنوری ۱۹۴۲ء میں بریگیڈیئر کے رتبے کا ایک ڈپٹی ڈائریکٹر اسٹاف ڈیوٹیز برائے اینٹی ایئر کرافٹ ڈیوٹیز مقرر کیا گیا۔ ساحلی توپ خانے اور دیگر معاملات کے باعث باقاعدہ توسیع کے بعد رائل آرٹلری اسٹاف کو دسمبر ۱۹۴۲ء میں ایک علاحدہ ڈائریکٹوریٹ کے طور پر تشکیل دے دیا گیا۔ اس کے بعد ڈیڑھ سال کے عرصہ میں چند ضروری تبدیلیاں عمل میں آئیں۔ جولائی ۱۹۴۴ء میں ڈائریکٹوریٹ کی ترتیب و تنظیم اس طرح تھی۔

(جدول اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

ذخیرہ کتب
انیس نقوی
03142893816

---

[1] ماسٹر جنرل آف رائل آرٹلری

Scanned with OKEN Scanner

ڈائریکٹر شاہی توپ خانہ (یا ماسٹر جنرل شاہی توپ خانہ)

ڈپٹی ڈائریکٹر شاہی توپ خانہ

شاہی توپ خانہ (۱)

شاہی توپ خانہ (۲)

جنرل اسٹاف افسر I

- ۲ جنرل اسٹاف افسر II
  توپ خانے کی تمام برانچوں کے تکنیکی تربیتی توپ خانے کے اسکولوں، تربیتی اداروں، تربیتی مرکزوں، ذخیروں اور رہائش وغیرہ کے انتظام کی ذمہ داری
- جنرل اسٹاف افسر II
  جنرل اسٹاف افسر III
  ماسٹر اسٹاف برانچ کو تقرریوں، ترقیوں، احکامات اور ان دوسرے تمام معاملات کے بارے میں مشورہ دینا جن کا تعلق توپ خانہ افسران اور شاہی توپ خانے کے اسٹیبلشمنٹ میسز سے ہو۔

توپ خانہ (۳)

اسٹاف افسر I

- دو جنرل اسٹاف افسر II
  جنرل اسٹاف افسر III
  حکمت عملی برائے اینٹی ایئر کرافٹ، اینٹی ایئر کرافٹ کا سازوسامان اور تنظیم
- جنرل اسٹاف افسر II
  جنرل اسٹاف افسر III
  ساحلی توپ خانے کی تنظیم اور اس کا سازوسامان

شاہی توپ خانہ (۱) کے تحت:

جنرل اسٹاف افسر I
دو جنرل اسٹاف افسر II
جنرل اسٹاف افسر III او-ایس
شاہی توپ خانہ کی ڈائریکٹوریٹ سے متعلق منصوبہ سازی، تنظیم اور اینٹی ایئر کرافٹ اور ساحل کے علاوہ تمام قسم کے توپ خانہ جات کے درمیان ربط و تعلق

Scanned with OKEN Scanner

اگست ۱۹۴۴ء میں افسران کی تقرریوں سے متعلق کام کو سمیٹنے کے منصوبے کے حصے کے طور پر دو افسران ماتحت جرنیلوں کی شاخ کی ڈائریکٹوریٹ کو منتقل کیے گئے۔ دسمبر ۴۴ء میں رائل آرٹلری ڈائریکٹوریٹ شاہی توپ خانہ کو رائل آرٹلری انسپکٹوریٹ کا نیا نام دے دیا گیا اور اپریل تا جون ۱۹۴۵ کے عرصہ میں اس کے تمام تربیتی مراکز ملٹری ٹریننگ ڈائریکٹوریٹ کو منتقل کر دیے گئے۔ ان تبدیلیوں کے بعد شاہی توپ خانے کی انسپکٹوریٹ میں یہ عہدیدار رہ گئے۔

میجر جنرل : رائل آرٹلری

بریگیڈیئر : رائل آرٹلری

رائل آرٹلری I اور آرٹلری III کو ۱۱ افسران کی معیت حاصل تھی۔

دی ایئر ڈائریکٹوریٹ

جنگِ عظیم شروع ہونے سے قبل رائل ایئر فورس کا ایک افسر رابطہ ملٹری ٹریننگ ڈائریکٹوریٹ میں رکھا گیا۔ جیسے ہی جنگ بڑھی فضائی افسر رابطہ، فضائی تعاون، اور فضائی دستوں میں بھی اضافہ ہو گیا۔ عملے میں معمولی سے اضافے ضروری ہو گئے۔ جولائی ۱۹۴۲ء میں ڈپٹی ڈائریکٹر فضائیہ کے ماتحت اسٹاف ڈیوٹیز ڈائریکٹوریٹ میں ایک نیا شعبہ پیدا کیا گیا۔ عمومی طور پر دوسری تکنیکی تنظیموں کی طرح دسمبر ۱۹۴۲ء میں فضائیہ میں بھی اسلحہ اور فضائی رابطہ کی ڈائریکٹوریٹ وجود میں آگئی۔ عملے میں دو افسر بڑھائے گئے۔ اور فضا سے رسد گرانے کا کام جو بعد میں بڑی اہمیت اختیار کر گیا تھا کوارٹر ماسٹرز جنرل برانچ میں منتقل کر دیا گیا۔ اس میں مزید توسیع آہستہ آہستہ ہوتی رہی۔ نومبر ۱۹۴۳ء میں اس کا نام تبدیل کر کے ایئر ڈائریکٹوریٹ رکھ دیا گیا۔ جولائی ۱۹۴۴ء میں فضا سے رسد گرانے کا کام سپلائی اینڈ ٹرانسپورٹ ڈائریکٹوریٹ کو دے دیا گیا جو کوارٹر ماسٹر جنرل برانچ سے تعلق رکھتی تھی۔ ساتھ ہی دو اسٹاف افسر بھی بھیج دیے گئے۔ دسمبر ۱۹۴۴ء میں ایئر ڈائریکٹوریٹ کا عہدہ تبدیل کر کے بریگیڈیئر کر دیا گیا۔ اس ڈائریکٹوریٹ کی تنظیم بلحاظ عہدہ اس طرح تھی:-

ایئر ڈائرکٹوریٹ

جولائی ۱۹۴۴ء

ڈائرکٹر (ایئر)

ڈپٹی ڈائرکٹر (ایئر)

ایئر (۳) — ایئر (۲) — ایئر (۱)

جنرل اسٹاف افسر I

ایئر (۲) بی

جنرل اسٹاف آفیسر II

جنرل اسٹاف افسر III

بری فوج اور شاہی فضائیہ کے لیے پیمانے تیار کرنا۔ فضائی جنگ اور فضائی تربیت دینے کے لیے سازو سامان وغیرہ، ڈائرکٹر اسلحہ اور سازو سامان اور ماسٹر جنرل آفیسر کے ساتھ تعلق قائم رکھنا۔ اسلحہ اور سامان کی تربیت، فضائی جنگ کے سلسلہ میں ای اور سی کی برانچ سے رابطہ رکھنا، شاہی ایئر فورس کے سلسلے میں جنوب مشرقی ایشیا کمانڈ سے

ایئر (۲) اے

جنرل اسٹاف افسر II

جنرل اسٹاف افسر III

فضائی فوج کی اسٹاف ڈیوٹیز کے ساتھ تشکیلات اسٹاف ڈیوٹیز شعبہ کے ساتھ حکمت عملی، جنوب مشرقی ایشیا کمانڈ، ایئر ہیڈ کوارٹر (ا) اور ڈائرکٹر ملٹری ٹریننگ سے فضائی فوج کی تربیت کے سلسلے میں ربط رکھنا۔ فضائی جاسوسی کا شعبہ فضائی حکمت عملی اور منصوبہ بندی کی رپورٹیں فضائی حملے فضائی مستقر کے اسکول فضائی اسلحہ کے ذخیرے فضائی جنگ کے اسکول خصوصاً جنوب مشرقی ایشیا کے سلسلے میں، جنرل اسٹاف انٹیلی جنس سے تعلقات۔

(اگلے صفحہ پر جاری ہے)

Scanned with OKEN Scanner

ایئر (۳)

رابطہ رکھنا۔ ہوائی جہاز اور
گلائیڈر کی ضروریات وغیرہ کے کام

ایئر ۳ (بی)

جنرل اسٹاف افسر II
فضائی ترسیلات، تربیت، تنظیم اور ذخیروں کی دیکھ بھال رسد گرانے کے سامان کی دیکھ بھال وغیرہ کے کام کی ذمہ داریاں

ایئر ۳ (اے)

جنرل اسٹاف افسر II
جنرل اسٹاف افسر III
برّی فوج کے فضائی مواصلات کی تشکیلات
(اے) عملے کی جدولیں
(بی) ایمپلائمنٹ ٹیبلز
(سی) ہوائی جہازوں کے اوزان
(ڈی) سازوسامان اور اسلحے کے بارے میں حکمتِ عملی۔
اڈوں کی تعمیر اور دیکھ بھال کے لیے سی برانچ میں شعبہ ای سے رابطہ رکھنا۔ فضائی حملے کے لیے دستوں کی روانگی اور آمد کا اندراج رکھنا۔

ایئر (۱)

جنرل اسٹاف افسر I
جنرل اسٹاف افسر II
جنرل اسٹاف افسر III
تنظیم اور تربیت برائے تمام شعبہ جات اور فضائی رابطہ، بری فوج کی فضائیہ کی تربیت، بری اور فضائیہ میں رابطہ۔ فضائیہ کے توپ خانے کی تربیت۔ فضائی فوٹوگرافی کی تربیت۔ مندرجہ بالا کے نوٹس تیار کرنا۔

فضائی رابطہ

جنرل اسٹاف افسر III ڈبلیو۔ اے۔ سی (۱)
دوسرے جنگی محاذوں سے رابطہ، کامیابیوں کی تفصیل تیار کرنا، دوسری شاخوں کو فضائی رسد کے سلسلے میں رابطہ اعلیٰ پیمانے پر منصوبہ بندی کی دستاویز تیار کرنا، تحقیقی مراکز اور تحقیقی کام اور باہم ربط و ضبط قائم کرنا وغیرہ اور اس سے متعلق امور کی ذمہ داریاں۔

پیادہ فوج کی ڈائریکٹوریٹ

جنرل ہیڈ کوارٹر میں دوسری افواج کی طرح پیدل فوج کی مساوی اور مضبوط نمائندگی کے لیے جولائی ۱۹۴۳ میں پیادہ فوج کی انسپکٹوریٹ قائم کی گئی۔ اکتوبر میں انسپکٹوریٹ کو دوبارہ منظم کیا گیا۔ اور یہ مکمل اختیارات کے ساتھ ڈائریکٹوریٹ کے نام سے وجود میں آئی۔ یہ عمل پذیری کا فطری نتیجہ تھا کہ ایک بار پھر پیادہ فوج، مسلح افواج میں صفِ اوّل کی فوج ٹھہری! اس ڈائریکٹوریٹ کا کام دوسری افواج کی نسبت قطعی طور پر مختلف اہمیت رکھتا تھا۔ البتہ تنظیم کے اعتبار سے یہ دوسروں سے ملتی جلتی تھی۔ زیرِ استعمال ہتھیاروں اور سامان کے ضمن میں اس شعبہ کا ڈائریکٹر، جنرل اسٹاف کا مشیر بن گیا۔ لیکن تمام تر اختیارات ڈائریکٹوریٹ آف ویپن اینڈ ایکویپمنٹ کے پاس رہے۔ پیادہ فوج کی تربیت کے معاملات کے سلسلے میں اسے ڈائریکٹر ملٹری ٹریننگ کا مشیر بنا دیا گیا تاہم وہ اپنی صوابدید پر تربیتی تشکیلات کا معائنہ کرنے کا اختیار رکھتا تھا۔ وہ جنرل اسٹاف کو تربیت کی کیفیات پر اثر انداز ہونے والے معاملات اور پیادہ فوج کی بٹالینوں کو جنگ کے لیے تیار کرنے کے امور کے بارے میں مشورے دیتا تھا۔ جولائی ۱۹۴۴ء میں پیادہ فوج کی ڈائریکٹوریٹ کی تنظیم اس طرح تھی:

(جدول اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

ذخیرہ کتب
انیس نقوی
03142893816

Scanned with OKEN Scanner

ڈائرکیٹر انفنٹری پیدل فوج

ڈپٹی ڈائرکیٹر انفنٹری

انفنٹری (۳)

جنرل اسٹاف آفیسر III

انفنٹری (۱)

جنرل اسٹاف افسر I

جنرل اسٹاف افسر II

آفیسر اسٹاف

ویپن اور اکویمنٹ سمیت درج ذیل یونٹوں کی تنظیم کرنا (۱) ہیڈ کوارٹر برائے انفنٹری ڈویژن (۲) برطانوی انفنٹری کی تمام شاخیں (۳) ہندوستانی بٹالیوں کی تمام اقسام۔ انڈین ماسٹر جنرل برانچ موٹر برانچ، انفنٹری برانچ، ساحلی دفاع کی برانچ، پیدل فوج کے سمندری دفاع کے دستے اور نیپالی دستے۔ پیادہ فوج کے مغربی ایشیا اور مشرقی ایشیا کے چھوٹے اور عارضی دستے اسی طرح کی دیگر یونٹیں جن کا اضافہ ہونے کا امکان تھا۔ پیادہ فوج سے متعلق اثر انداز ہونے والے مختلف معاملات وغیرہ۔

انفنٹری (۲)

جنرل اسٹاف آفیسر III

پیدل فوج کے اسلحہ اور سامان سے متعلق جنرل اسٹاف کی پالیسی سے تعلق رکھنے والے معاملے۔ اسلحہ اور ساز و سامان کی ڈائرکٹوریٹ، ڈائرکیٹر آرٹلری اور ڈائرکیٹر تحقیق سے ربط رکھنا۔ اسلحہ اور ساز و سامان کی ڈائرکٹوریٹ میں اسلحہ اور گولہ بارود کا حساب رکھنا۔ انفنٹری یونٹوں میں اسلحہ اور سامان سے متعلق مشورہ دینا۔ اسلحہ اور سامان سے تعلق رکھنے والی معلومات مختلف شاخوں، ڈائرکٹوریٹس اور شعبوں سے اکٹھا کرنا۔

پیادہ فوج سے متعلق ان معاملات کے بارے میں جو تربیت سے تعلق رکھتے ہیں، ڈائرکٹوریٹ ملٹری ٹریننگ سے رابطہ رکھنا۔ تربیت کے لحاظ سے یونٹوں کی جنگ کے لیے تیاری کی حالت کی خبر(ں)

Scanned with OKEN Scanner

اور معلومات کا موازنہ کرنا۔

ڈائرکٹوریٹ تعلقاتِ عامہ

اپریل ۱۹۴۲ میں انٹر سروس کی بنیاد پر ڈائرکٹوریٹ تعلقات عامہ بنائی گئی۔ ڈائرکیٹر فوج سے متعلق عوام کی آراء کے لیے تشہیر اور حکمتِ عملی کے سلسلے میں براہِ راست کمانڈر انچیف کو جواب دہ تھا۔ نیز یہ ڈائرکیٹر مسلح افواج میں اخلاقی قدروں کو بحال رکھنے کے سلسلے میں تشہیر اور نشر و اشاعت کے کام کا بھی ذمہ دار تھا اور کمانڈر انچیف کو جواب دہ تھا جنگ کی رفتار بڑھنے اور جنوب مشرقی ایشیا کمانڈ کے قائم ہو جانے سے ڈائرکٹوریٹ تعلقات عامہ میں بھی توسیع ہوئی۔ فروری ۱۹۴۴ میں یہ ایک بڑی تنظیم میں تبدیل ہو گئی۔

وقت کی مناسبت سے یہ تنظیم تینوں سروسز کی ضروریات کے لیے موزوں اور کافی تھی سروسز کے لیے نشر و اشاعت اور تشہیر کے کام کے معاملات میں ڈائرکیٹر تعلقات عامہ کمانڈر انچیف کو جواب دہ تھا۔ وہ بین الاقوامی جنگ میں ہندوستان کے لڑنے والے فوجیوں کی تمام محاذوں پر کامیابیوں کو عوام کے سامنے لانے کا بھی ذمہ دار تھا۔ مزید براں اس نے ان تمام ٹیلی گرامز، فلموں یا فوٹو گراف کی سنسر شپ پر بھی کنٹرول کیا ہوا تھا جو ہندوستان میں آتے تھے یا ہندوستان سے باہر جاتے تھے۔ اس ڈائرکیٹر کا کام جنگی رپورٹنگ کے لیے تسلیم شدہ نامہ نگاروں کو ضروری اجازت نامے جاری کرنا بھی تھا۔ ڈائرکیٹر مکمل طور پر اعلیٰ سطح پر کیے جانے والے حکمت عملی پر مبنی فیصلوں پر ہی عمل کرتا تھا۔ ڈپٹی ڈائرکیٹر تعلقات عامہ، اس ڈائرکٹوریٹ کی تنظیم عام اور انتظام کے امور سنبھالتا تھا۔ ڈپٹی ڈائرکیٹر اس شعبہ کی تمام شاخوں میں باہم ربط کا کام بھی کرتا تھا۔ مزید یہ کہ یہ ڈائرکٹوریٹ تعلقاتِ عامہ میں تعلقات عامہ، شعبہ ربط (پی آر-سی)، فلم اور فوٹو پی۔ آر (ڈی) اور انتظامی شعبے (پی۔ آر-×) پر براہِ راست کنٹرول کرتا تھا۔ پی۔ آر (اے) کا شعبہ میدانِ جنگ میں ہندوستانی دستوں کے جنگی حالات و واقعات کی ترجمانی کرتا تھا۔ اس کا کام ہندوستانی فوجیوں کا اخلاق بلند رکھنا نیز جاپان مخالف طاقت ور پروپیگنڈہ کرنا اور "فوجی اخبار" اور "وکٹری" کے نام سے جریدے شائع کرنا تھا۔ پی آر (بی) شعبے کا کام عام لوگوں کو تینوں مسلح افواج کی کامیابیوں کے بارے میں باخبر

Scanned with OKEN Scanner

رکھنا تھا۔ اس کا تینوں سروسز کے لیے ایک ایک علاحدہ ذیلی شعبہ بھی تھا۔ مسلّح افواج اور عوام کے تعلقات میں بہتری اور دونوں کو ایک دوسرے کے قریب لانا پبلک ریلیشنز (شعبہ تعلقات) یا پی۔ آر[1] (سی) کے ذمہ تھا۔ پی آر (ڈی) کا کام انڈیا میں جنگ سے متعلق تمام خبری فلموں، نشر و اشاعت کی فلموں، تصویروں اور دیواری اشتہاروں کی نگرانی، ان کی پیداوار اور تقسیم کا تھا۔ جب کہ پی آر (جی) کا شعبہ فلموں اور پریس کو کنٹرول کرتا تھا اور پی۔ آر (X) کا شعبہ ڈائریکٹوریٹ کا عام انتظام سنبھالتا تھا۔ تعلقات عامہ کی عام تنظیم جنگ کے اختتام تک غیر مبدّل رہی اور یہ ترتیب اس طرح تھی۔

ڈائریکٹر پبلک ریلیشنز

ڈپٹی ڈائریکٹر پبلک ریلیشنز

پی آر (جی) سنسر شپ

پی آر (ایکس)

انتظامیہ	پی آر (اے)	پی آر (بی)	پی آر (ڈی)	پی آر (سی)
	مسلّح افواج کی تشہیر	مسلح افواج کی تشہیر	ساکن تصویروں کے فن کا شعبہ	کلکتہ میں شعبہ فلم

مزید برآں یہ تنظیم اندرون ملک کراچی، کلکتہ، مدراس، بمبئی، لکھنؤ اور ناگپور میں موجود پریس افسران سے بالکل جُدا، واشنگٹن، لندن، سنگاپور، قاہرہ روم اور ایران میں تعلقات عامہ کے شعبے رکھتی تھی۔ اس ڈائریکٹوریٹ کا تفصیلی تنظیمی ڈھانچہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں

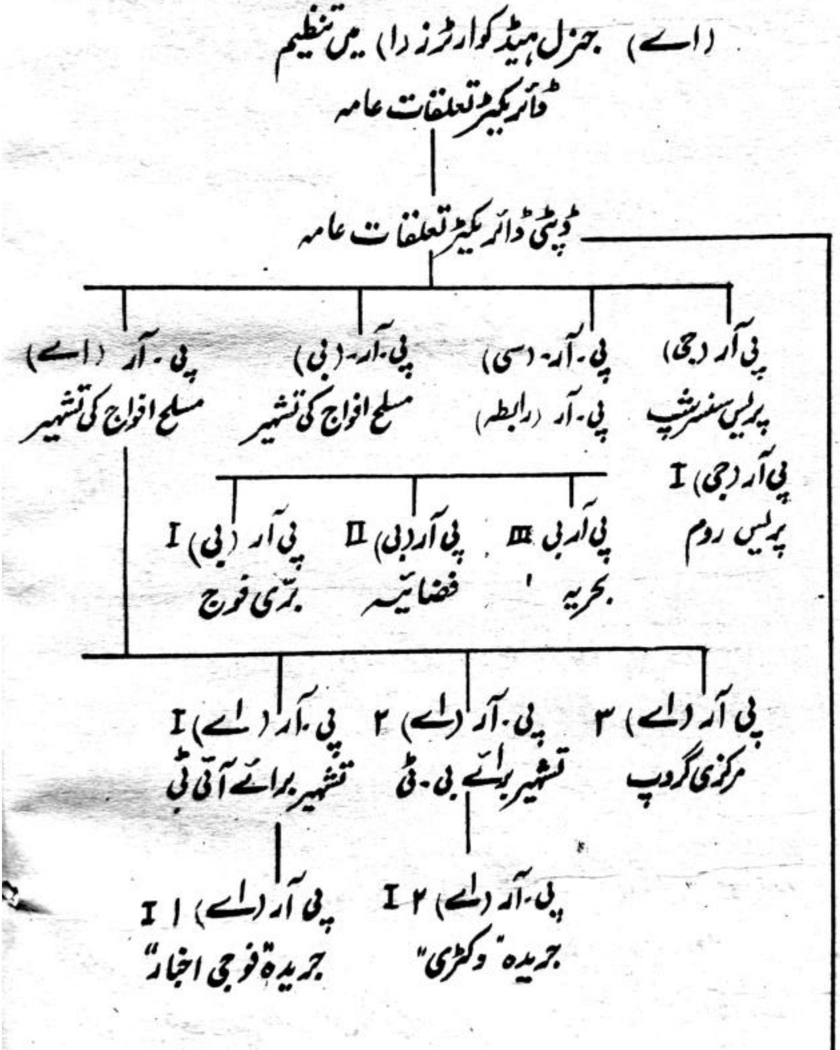
---

[1] پی۔ آر۔ پبلک ریلیشنز۔ (تعلقات عامہ کا شعبہ)

Scanned with OKEN Scanner

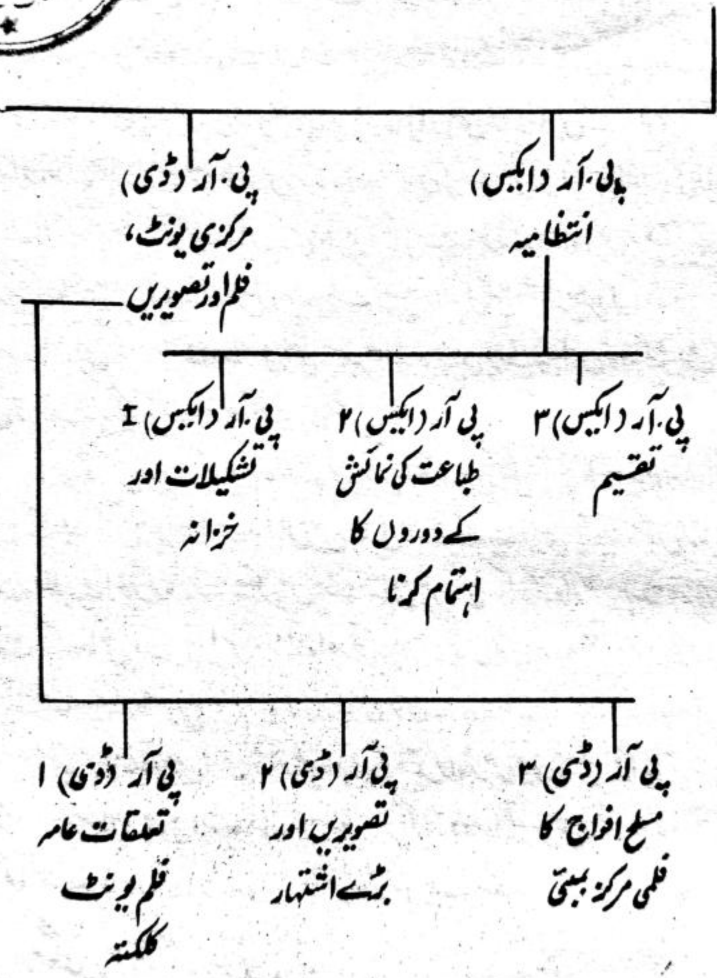
مسلح افواج ڈائریکٹوریٹ تعلقات عامہ کی تنظیم اور ذمہ داریاں

۲۴ فروری ۱۹۴۴



(باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں)

FLEET CIRCULATING LIBRARY
Acc No........
Date..........



ذخیرہ کتب
انیس نقوی
03142893816

Scanned with OKEN Scanner

تحقیق کی ڈائریکٹوریٹ

میدان جنگ میں موجود مسلح افواج کے کمانڈر جنگ میں زیر استعمال فوجی ساز و سامان کی مختلف اشیاء کی کارکردگی کے جائزے میں بہت مصروف تھے۔ جنرل ہیڈ کوارٹر کو مختلف جگہوں سے لڑائی کی خبریں مل رہی تھیں۔ یہ بات عیاں تھی کہ برما میں کیا گیا فوجی اپریشن قابل قدر اور قابل تقلید اہمیت کا حامل ہوگا۔ اور اگر اس کی تقلید کی گئی تو مسلح افواج کی طرف سے کیے جانے والے اپریشنز کی تکنیک میں بڑی بہتری آسکتی ہے۔ جولائی ۱۹۴۳ میں بریگیڈیر کیم پٹہ ڈائریکٹر کی ماتحتی میں ایک ڈائریکٹوریٹ برائے تحقیق قائم کی گئی۔ ڈائریکٹر کو آٹھ دوسرے ماتحت افسران کی اعانت حاصل تھی۔ ستمبر ۱۹۴۳ء میں برما میں اس ڈائریکٹوریٹ کا تحقیقی عمل کا شعبہ بنایا گیا تاکہ وہاں موقع پر ہی میٹریل کا مطالعہ کیا جا سکے۔

اس ڈائریکٹوریٹ کا کام خالصتاً مشورہ دینا تھا۔ یعنی جنگی نتائج کا تجزیہ اور مطالعہ اور تجزیہ کے بعد اس تنظیم اور ساز و سامان میں تبدیلی لانے کے لیے ایسی تجاویز پیش کرنا یا مبنی برحکمت نظریے اخذ کرنا جو مستقبل میں ہندوستان میں فوج کے کردار میں بہت ضروری اور اہمیت کے حامل ہوں نیز اس مطالعے اور تجزیے میں بری فوج اور دیگر دونوں فوجوں کے درمیان تعاون سے متعلق تمام معاملات شامل ہوں۔

ستمبر ۱۹۴۴ء میں اس ڈائریکٹوریٹ کو ہیڈ کوارٹر میں تینوں مسلح افواج کی زمینی طاقت سے متعلق جنوبی ایشیا کمانڈ کو منتقل کر دیا گیا۔ دوسرا تحقیقی عمل کا شعبہ دیرہ دون میں قائم کیا گیا۔ اسے ہتھیاروں اور ساز و سامان کی ڈائریکٹوریٹ کے زیر انتظام کام کرنا تھا۔

سگنلز ڈائریکٹوریٹ

ستمبر ۱۹۳۹ء میں جنرل اسٹاف برانچ میں سگنلز اسٹاف، آفیسران چیف اور دوسرے دو ماتحت افسران پر مشتمل تھا۔ سگنلز آفیسران چیف کا بڑا کام سگنلز کے تمام معاملات میں چیف آف دی جنرل اسٹاف کو مشورے دینا تھا۔ اس وقت موجود انڈین سگنلز کورپس کے

چند یونٹوں کا انتظام سنبھالنا اس کی بہت ہی محدود ذمہ داری تھی۔ جنگ میں اضافہ کے ساتھ ساتھ انڈین سگنلز کورپس میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ مسلح افواج کے استعمال کے لیے ہندوستان اور بیرونِ ہندوستان جنگی فنون کے مواصلات کی منصوبہ بندی کا کام لاسلکی نظام کی توسیع بشمول مختلف رجمنٹوں میں ان کا استعمال، اور ہندوستان میں فضائیہ میں اضافے کے لیے ترسیلی ذرائع مواصلات کا اہتمام وغیرہ یہ تمام وہ وجوہ تھیں جن کی بنا پر سگنلز اسٹاف میں اضافہ کیا گیا۔ اپریل ۱۹۴۱ء میں سگنل آفیسر ان چیف نے سگنلز سے متعلق کام کی ذمہ داریاں اسٹاف ڈیوٹیز سے اپنے ذمہ لے لیں۔ اس کے بعد اس عہدے کا نام بدل دیا گیا اور ڈپٹی ڈائریکٹر اسٹاف ڈیوٹیز (سگنلز) اور سگنلز آفیسر اِن چیف کہلایا۔ ستمبر ۱۹۴۱ء میں کام کے بڑھتے ہوئے حجم کے باعث سگنلز کی تنظیم میں چھ مزید افسران کا اضافہ کیا گیا۔ جنوری ۱۹۴۲ء میں سگنل آفیسر اِن چیف کی تقرری بڑھا کر ڈائریکٹر اسٹاف ڈیوٹیز (سگنلز) کر دی گئی۔ اپریل ۴۲ء میں ایک ڈپٹی ڈائریکٹر کی تقرری کی گئی۔ ابتدا میں جسے ڈیفنس سروسز لائن کمیونیکیشن بورڈ (انڈیا) کے صدر کے طور پر کام کرنا تھا۔ جب ستمبر ۱۹۴۲ء میں کام کا زور مزید بڑھا تو ایک دوسرا ڈپٹی ڈائریکٹر مقرر کیا گیا، تاکہ تنظیم، ساز و سامان، تربیت اور عملے سے متعلق کام میں ترتیب پیدا ہو۔ اس ڈائریکٹوریٹ میں توسیع جاری رہی۔

سگنلز ڈائریکٹوریٹ اس وقت وجود میں آئی جب نومبر ۱۹۴۲ء میں اسٹاف ڈیوٹیز میں مشاورتی شعبہ ایک علاحدہ اضافی ڈپٹی چیف آف جنرل اسٹاف کی سربراہی میں قائم کیا گیا۔

مئی ۱۹۴۴ء میں سگنلز ڈائریکٹوریٹ اس ترتیب سے تھی۔

سگنل۔۱ (اے) سگنل یونٹوں کی جنگی کارروائیاں، ان میں توسیع، تنظیم نو، محرکات، عام ربط ضبط۔

سگنل۔۱ (بی) نئے سامان کے بارے میں معلومات کو متعارف کروانا۔ خاص اور مطلوبہ اشیاء میں ترتیب لانا اور سگنل کے سامان کو باہر سے جہازوں سے منگوانا۔

سگنل۔۲ : سگنل اور خفیہ رسم الخط کی حفاظت، اندرون اور بیرون انڈیا میں نصب لاسلکی

نظام، لاسلکی کی فری کوئینسی مختص کرنا۔ لاسلکی میں دشمن کو فریب دینا، انڈیا پیجن[1] سروس کا انتظام، گفتگو کے مخصوص اشارے، ٹیلی فون اور ٹیلی گراف سروس کے سرکٹ کی فوقیات۔

سگنل ۳ (اے) سگنل کے عملے کے معاملات، سگنل کی تربیتی تشکیلات کی تنظیم اور انتظام، دوسرے درجہ کی سادہ ٹریننگ اور عملے کی تقرری۔

سگنل۔ ۳ (بی) ایم۔ ایس برانچ کے ساتھ ربط، سگنل افسران اور وی سی او کی کمشننگ تقرری، تبادلے اور ترقیوں کا کام۔

سگنل۔ ۴ : مخصوص سگنل کے منصوبے کی تفصیلی دیکھ بھال، چوکیوں اور ٹیلی گراف کے محکمہ سے مربوط ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے والے ٹیلی فون کے آلات کی تنصیب مخفی ٹیلی فونوں کی تقسیم، ڈاک اور ٹیلی گراف کے آلات کی طلب میں ربط پیدا کرنا۔

سگنل۔ ۵ (اے) تمام افواج کے مابین مواصلات میں ربط قائم کرنا، میدانی فوج میں مواصلات کی تنظیم، زمینی سگنل کے آلات کی ترقی، سگنل کے دفتر کی تنظیم، مشترکہ عملے کی تربیتی تشکیلات کے بارے میں مشترکہ عملے کی ڈائریکٹوریٹ سے تعلق قائم کرنا۔

سگنل۔ ۵ (بی) سگنل کی تربیتی حکمت عملی کے سلسلے میں چیف سگنل آفیسر، ڈائریکٹر ملٹری ٹریننگ اور ڈائریکٹر سی او (ا) سے رابطہ رکھنا، تربیتی فلموں اور مطبوعات کا اجراء وغیرہ۔

مزید ترقی اگست ۱۹۴۴ء میں ہوئی جب سگنل اور خفیہ تحریر کی سلامتی، خفیہ تحریری تقسیم وغیرہ کی یقینی ذمہ داریاں ملٹری انٹیلی جنس ڈائریکٹوریٹ سے سگنل ڈائریکٹوریٹ کو منتقل کر دی گئیں اس میں متعلقہ سیکیورٹی کا شعبہ بھی شامل تھا۔ جو سگنلز ڈائریکٹوریٹ کو منتقل کیا گیا۔

پوری جنگ میں اس کا افواج کے مواصلات سے متعلق بورڈ برائے انڈیا اور ڈاک اور ٹیلی گراف ڈیپارٹمنٹ آف انڈیا کے ساتھ قریبی تعاون اور رابطہ جاری رہا۔ اگست ۱۹۴۳ء میں تینوں افواج میں سے دوسرے درجے کا ایک ایک اسٹاف افسر لے کر اوّل الذکر کو سیکرٹیریٹ کی شکل دی گئی۔

۱۹۴۵ میں ملٹری ٹریننگ ایم۔ ٹی۔ ۱۰ کو تشکیل دینے کے لیے کچھ افسر سگنلز ڈائریکٹوریٹ

[1] کبوتروں کے ذریعہ پیغام رسانی

Scanned with OKEN Scanner

سے ملٹری ٹریننگ ڈائریکٹوریٹ کو منتقل کیے گئے۔ جنگ کے اختتام پر اس ڈائریکٹوریٹ کی تشکیل اس طرح تھی۔

ڈائریکٹر سگنلز اور سگنل آفیسر انچارج (میجر جنرل)

ڈپٹی ڈائریکٹر (سگنلز) بریگیڈیئر

ڈپٹی ڈائریکٹر (سگنلز) کرنل

سگنلز۔ ربط و ترتیب

سگنلز (۱)

سگنلز (۲)

سگنلز (۴)

سگنلز (۵)

مندرجہ بالا عملہ کے کل ۳۳ افسران تھے ان میں شعبہ وائرلیس کے عملہ کے وہ ۱۳ افراد شامل نہیں ہیں جو بطور بڑتال کنندہ سگنل کمیونی کیشن میں تعینات تھے۔ اڑھائی سال بعد کام کی زیادتی اور بڑی جنگ کی ذمہ داریوں کے باعث بالائی سطح پر انتظام اور رابطہ کے کام کے بوجھ کو کم کرنے کے لیے مئی ۱۹۴۲ء میں ایک ڈپٹی چیف آف جنرل اسٹاف مقرر کیا گیا جس کی ذمہ داری فوجی حملوں سے متعلق تھی۔ اس وقت برما پر جاپانیوں کی فتح کے بعد حملوں کی صورت حال یکسر بدل گئی تھی۔ اس سال نومبر میں شمال مغربی سرحد کی صورت حال ہندوستان کے لیے بڑے پیمانے پر جارحانہ فوجی حملے کی بنیاد بن رہی تھی۔ چنانچہ اس وجہ سے جنرل اسٹاف کا کام اور ذمہ داریاں دونوں بہت بڑھ گئیں۔ بڑھتے ہوئے کام کو پورا کرنے کے لیے پیشگی تنظیم بہت ضروری ہو گئی اور اعلیٰ سطح پہ یہ کام ڈائریکٹر، سٹاف ڈیوٹیز اور ڈائریکٹر ملٹری انٹیلی جنس انجام دے رہے تھے۔ اندریں حالات سیکرٹری آف اسٹیٹ کو تیسرے ڈپٹی آف جنرل اسٹاف کے تقرری کی منظوری کے لیے کہنا پڑا۔ تیسرے ڈپٹی چیف آف جنرل اسٹاف کے ساتھ ایک ڈپٹی ڈائریکٹر کو معاون بنایا گیا اور توپ خانہ، بکتر بند گاڑیاں، سگنلز اور اسٹاف ڈیوٹیز ڈائریکٹوریٹ کی فضائیہ کی شاخوں

کی ذمہ داریاں اسے سونپی گیئں۔ اس کا مقصد جنرل اسٹاف کو دو بڑے حصوں میں منقسم کرنا تھا۔ ایک میں آپریشنز، منصوبہ بندی اور انٹیلی جنس، جبکہ دوسرے میں تنظیم اور ہتھیاروں کے بارے میں حکمت عملی کے شعبے تھے۔ اس تبدیلی سے جنرل اسٹاف برانچ کام کے لحاظ سے "جنگی دفتر" کے مزید قریب ہوگیا۔ ڈپٹی چیف آف جنرل اسٹاف واضح طور پر ربط و ترتیب میں مشغول تھے۔ ان کے اس کام میں انڈیا میں تینوں مسلح افواج شامل تھیں جبکہ اضافی طور پر خصوصاً انڈیا کے لیے خاص ذمہ داریاں مثلاً اندرونی سلامتی کے مسائل بھی شامل تھے۔

اسی دوران ڈائریکٹر ملٹری انٹیلی جنس کا مرتبہ میجر جنرل کرنے کے لیے منظوری لی گئی شہری ترجیحات کے حوالے سے خاص طور پر اس وقت اس کی ذمہ داریاں اور فرائض اس کے رتبے سے کہیں زیادہ بڑھ گئے۔ حکمت عملی اور تفصیل کے معاملات میں شہریوں کے حکومت کے دوسرے محکموں کے ساتھ عام تعلقات تھے۔ مزید یہ کہ اپنے مرتبے کے لحاظ سے جیسا کہ وہ خفیہ معاملات میں کمانڈر ان چیف کا مشیر اعلیٰ بھی تھا۔ اس کے فرائض میں مسلح افواج میں اہم ربط کی ذمہ داری بھی شامل تھی۔ ۲۱ نومبر ۱۹۴۲ء میں تیسرے چیف آف جنرل اسٹاف کی تقرری اور ڈائریکٹر آف ملٹری انٹیلی جنس کا مرتبہ بڑھا کر میجر جنرل کرنے کی منظوری لی گئی۔

لیکن جنرل اسٹاف میں یہ توسیع پائیدار نہ تھی۔ بعد میں مارچ ۱۹۴۳ میں ڈپٹی چیف آف جنرل اسٹاف (او) کی تقرری التوا کا شکار ہوگئی۔ اس وجہ سے جنرل اسٹاف برانچ میں فرائض بے ترتیب ہوگئے۔ باقی رہ جانے والے دو ڈپٹی چیف، ڈپٹی چیف آف جنرل اسٹاف (اے) اندرونی سلامتی، شمال مغربی سرحد کے قبائل کا انتظام، اور ہندوستان میں سیاسی جنگ کے فنون کے معاملات کے ذمہ دار تھے۔ جبکہ ڈپٹی چیف آف جنرل اسٹاف (اسٹاف ڈیوٹیز) بدستور خاص طور پر تنظیم اور اسلحی حکمت عملی کی ذمہ داری انجام دیتے رہے۔

بعد میں ڈائریکٹر ملٹری اپریشنز کو بیرون ہند سیاسی جنگ کے فنون کے معاملات اور حملوں، داخلی سلامتی کے علاوہ منصوبے اور قبائل کے انتظام کا ذمہ دار بنایا گیا۔ ڈپٹی

Scanned with OKEN Scanner

چیف آف جنرل اسٹاف (اسٹاف ڈیوٹیز) کو اسی شاخ کے اندر کام میں عام ربط کی ذمہ داری سونپی گئی۔ لیکن ڈائریکٹر ملٹری اپریشنز نے منصوبہ بندی اور جنگی حملوں کے بہت ہی محدود میدان میں ربط و تنظیم جاری رکھی۔ ڈائریکٹر ملٹری ٹریننگ اور ڈائریکٹر ملٹری انٹیلی جنس براہ راست حکمت عملی کے معاملوں میں چیف آف جنرل اسٹاف کا کام کرتے تھے اور اسٹاف ڈیوٹیز کی وساطت سے تنظیم سازی اور انتظامی معاملوں کی ذمہ داری پوری کرتے تھے۔

دسمبر ۱۹۴۳ء میں جنوبی ایشیا کمانڈ کے قائم ہو جانے کے بعد دوبارہ ایک اور ڈپٹی چیف آف جنرل اسٹاف کی تقرری التوا میں پڑ گئی۔ اس کے فرائض ڈائریکٹر ملٹری آپریشنز کے ذمہ لگا دیے گئے۔ اس کے بعد باقی رہ جانے والے ڈپٹی چیف آف جنرل اسٹاف خاص طور پر شعبہ اسٹاف ڈیوٹیز اور رابطہ کے کام سے منسلک تھے۔ ڈائریکٹر ملٹری آپریشنز، ڈائریکٹر ملٹری انٹیلی جنس اور ڈائریکٹر ملٹری ٹریننگ چیف آف جنرل اسٹاف کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ لیکن یہ انتظامات غیر اطمینان بخش ثابت ہوئے اور اکتوبر ۱۹۴۴ء میں دوسرے ڈپٹی چیف آف جنرل اسٹاف کی تقرری بحال کر دی گئی۔ دو ڈپٹی چیفس آف جنرل اسٹاف کو ذیل کے مطابق ذمہ داریاں سونپی گئیں۔

ڈپٹی چیف آف جنرل اسٹاف (اے)

ڈائریکٹوریٹ :-

(۱) ملٹری آپریشنز
(۲) ملٹری انٹیلی جنس
(صرف بری فوج سے متعلق)
(۳) سلامتی اور حفاظت
(۴) فوجی تربیت
(۵) اسلحہ کی ڈائریکٹوریٹ
(صرف تربیتی اسلحہ سے متعلق)

ڈپٹی چیف آف جنرل اسٹاف (بی)

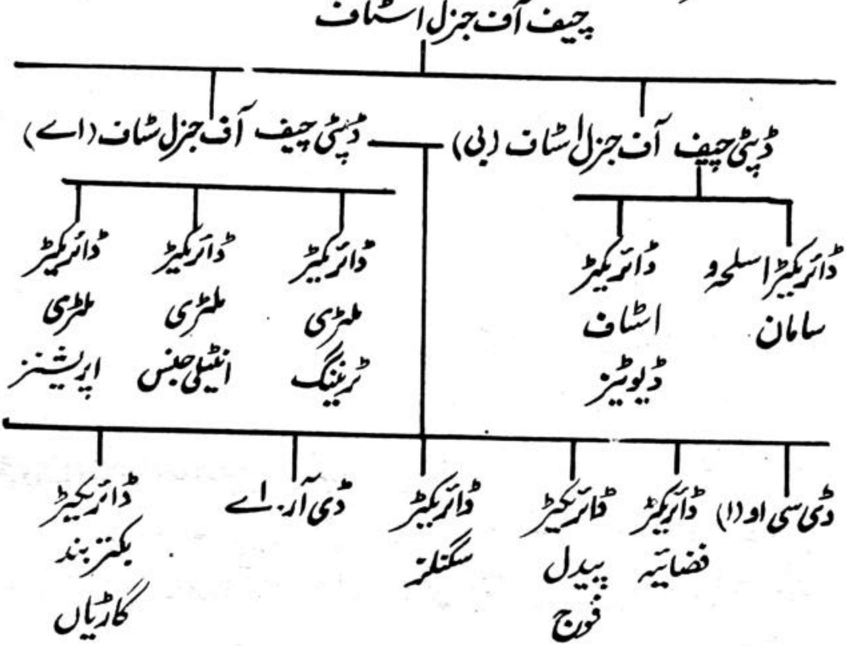
ڈائریکٹوریٹ

(۱) اسٹاف ڈیوٹیز
(۲) اسلحہ اور سامان
(۳) ہتھیاروں کی ڈائریکٹوریٹ
(تربیت کے علاوہ معاملات)

چیف آف جنرل اسٹاف کو ایک فوجی نائب (جنرل اسٹاف آفیسر I) مہیا کیا گیا تھا۔ ہر

Scanned with OKEN Scanner

ڈپٹی چیف آف جنرل اسٹاف کا اپنا ایک سیکریٹریٹ تھا جو جنرل اسٹاف آفیسر II اور جنرل اسٹاف آفیسر III پر مشتمل تھا ان تبدیلیوں کے نتیجے میں جنرل اسٹاف برانچ کی تنظیم اس طرح تھی:



جنرل اسٹاف برانچ میں رابطہ ڈپٹی چیفس آف دی جنرل اسٹاف، سے الگ ہنعہ ترد کمیٹیوں کی وساطت سے بھی تھا۔ ان کمیٹیوں کے کام سے متعلق مختصر وضاحت ذیل میں ہے۔

فوجی تشکیلات کی کمیٹی

مارچ ۱۹۴۲ میں بیس اسٹیبلشمنٹ کمیٹی کی جگہ اسٹینڈنگ "فوجی تشکیلات" کی کمیٹی بنائی گئی جو ایک چیئرمین، جنرل اسٹاف افسر I، اسٹاف ڈیوٹیز III اسٹاف ڈیوٹیز (٦) اکاؤنٹنٹ جنرل برانچ کے درجہ اوّل کے افسر اور فوجی محکمہ خزانہ (ایم۔ ایف۔ ڈی) کے ایک نمائندہ پر مشتمل تھی۔

کمیٹی نے جنگ، امن اور عارضی عملے سمیت درجہ اوّل کے افسر کے تقرر سے متعلق تمام تجاویز

Scanned with OKEN Scanner

کا جائزہ لیا۔ اس کی سفارشات فوجی محکمہ خزانہ اور ڈائریکٹر اسٹاف ڈیوٹیز کے شعبوں کی منظوری کے متعلق تھی۔ لبعد میں جانچ پڑتال کے لیے ایک تفتیشی شعبہ قائم کیا گیا۔ ابتدا میں عملے اور یونٹوں کی تشکیل اس یقین کے بعد کی گئی کہ یہ ملازمت بھرتی ہونے والے عملے کے لیے معاشی طور پر بہتر ہوگی۔ تاہم کُل وقتی چیئرمین کے تقرر اور اے جی کے ایس ای سی میں جانے کے بعد اس شعبہ کو بند کر دیا گیا۔

اگست ۱۹۴۴ء میں کمیٹی کو مزید طاقت ور بنا دیا گیا اور اس کو آرمی اسٹینڈنگ اسٹیبلشمنٹ کمیٹی (اے۔ایس۔ای۔سی) کا نام دیا گیا۔ اس کا صدر بریگیڈیئر کے عہدے کا ہوتا تھا۔ جبکہ ایک درجہ اول کا افسر چیف آف جنرل اسٹاف کی نمائندگی کرتا تھا اس کے علاوہ ایک اور افسر پی اے او اور فوجی محکمہ خزانہ کی نمائندگی کی ذمہ داری انجام دیتا تھا۔ جنرل ہیڈ کوارٹر میں عملے کو کام میں لانے کی تجاویز کا بعد میں کمیٹی نے تجربہ کیا۔ یہ تجربہ انسپکٹوریٹ آف اسٹیبلشمنٹ اور آرگنائزیشن کی سفارشات کے بعد کیا گیا۔ جنرل ہیڈ کوارٹر میں کرنل اور بریگیڈیئر کے عہدے کی تقرریوں کی سفارشات کمیٹی کی طرف سے گریڈنگ کمیٹی کو بھیجی گئیں۔ اصول اور حکمت عملی سے متعلق معاملات کے بارے میں تجاویز یا پانچ افسران یا بیس دوسرے عہدے یا پانچ لاری یونٹوں کے متواتر اضافے کی جانچ پڑتال آرمی اسٹینڈنگ اسٹیبلشمنٹ کمیٹی نے متعلقہ ڈی جی اے کے ساتھ اصولی معاہدے کے بعد کی۔ یا پھر جہاں جہاں ڈائریکٹر اسٹاف ڈیوٹیز، ڈی او۔ ڈی، کیو۔ ایم۔ جی یا ڈی یا ایم جی او سے معاہدے کی ضرورت پڑی۔ جہاں اصول اور حکمت عملی کا سوال نہیں تھا اور جہاں اضافے نہیں بڑھے تھے وہاں مذکورہ بالا اعداد و شمار اور تجاویز کی صرف متعلقہ ڈائریکٹوریٹ سے ہی معاہدے کے بعد ہی جانچ پڑتال کی گئی۔

جنرل ہیڈ کوارٹرز (ا)

آرگنائزیشن اینڈ ایکوپمنٹ کمیٹی

۱۹۴۳ء تک تنظیم اور صف آرائی، اسلحہ اور سامان کا انتظام، ان کی پیداوار کے معاملات (جی۔ایس) جنرل اسٹاف ترقیاتی کمیٹی مع تین ذیلی کمیٹیوں کے سپرد تھے۔

بعد ازاں اس میں نظرِ ثانی اور اس کی تنظیم کو قوی بنانے کا فیصلہ ہُوا۔ اسی لیے یہ تین کمیٹیاں بنائی گئیں۔

(۱) جی ایس ڈویلپمنٹ، پالیسی کمیٹی بہ یقین حاصل کرنے کے لیے تشکیل دی گئی کہ مبنی بر حکمت نظریے اور سامان اور تنظیم کے لیے حکمتِ عملی مستقبل کی ضروریات کے مطابق بنائی گئی ہے۔ ڈپٹی چیف آف جنرل اسٹاف اس کمیٹی کا سربراہ تھا جب کہ ڈائریکٹر اسٹاف ڈیوٹیز، ڈائریکٹر ملٹری آرگنائزیشن، ڈائریکٹر ملٹری ٹریننگ، ڈائریکٹر اسلحہ اور سامان اور ڈائریکٹر، ڈپٹی ماسٹر جنرل آفیسر (بی) اس کمیٹی کے ارکان میں شامل تھے۔ اضافی طور پر گیارہویں آرمی گروپ کے ایم۔ جی۔ جی۔ ایس اس کمیٹی کے شریک رکن تھے۔ اس کے علاوہ ایک ذیلی کمیٹی بھی تشکیل دی گئی جو جنرل اسٹاف کی ترقیاتی حکمتِ عملی کی کمیٹی کے چیئرمین کی طرف سے بھیجے جانے والے ہتھیاروں کے معاملات کی ابتدائی تحقیقات کرنے اور ان کے بارے میں مشورہ دینے کے لیے بنائی گئی تھی نیز ماسٹر جنرل آفیسر اسلحہ کمیٹی کے آخری ایکشن لینے اور جنرل اسٹاف ترقیاتی حکمتِ عملی کی کمیٹی کی منظوری کے لیے نئے ہتھیاروں اور فوجی سامان کی جنرل اسٹاف وضاحتیں تیار کرنا بھی اس کے فرائض میں شامل تھا۔ ذیلی کمیٹی کا ڈھانچہ اس طرح تھا:

سربراہ: ڈائریکٹر سامان اور اسلحہ

اراکین: ڈپٹی ڈائریکٹر ملٹری آرگنائزیشن
ڈپٹی ڈائریکٹر اسٹاف ڈیوٹیز (آرگنائزیشن)
ڈپٹی ڈائریکٹر ملٹری ٹریننگ
ڈپٹی ڈائریکٹر برائے تیار فوج
ڈپٹی چیف آف جنرل انٹیلی جنس

شریک اراکین:
بی جی ایس (اسٹاف ڈیوٹیز) گیارہویں آرمی گروپ

(۲) : ویسٹیج ریٹس کمیٹی انڈیا (ناکارہ سامان اور اسلحہ کے نرخ کی کمیٹی) اندرونی سلامتی سرحدی دفاع اور ہندوستان کے حوالے سے ہونے والے تمام فوجی حملوں میں ناکارہ ہونے والے سامان کے صحیح نرخ کی معلومات حاصل کرنا، اور وار آفس ایف ایف سی کے نرخ جہاں ضروری ہو اس میں ترمیم کی سفارشات تیار کرنا اس کمیٹی کے سپرد تھے۔ یہ کمیٹی ڈپٹی چیف آف جنرل اسٹاف (اسٹاف ڈیوٹیز) کے ماتحت بنائی گئی۔ اس کی رکنیت بہت تھوڑی تھی۔ اس کے اراکین میں ڈائریکٹر ملٹری آپریشن، ڈائریکٹر ماسٹر جنرل آفس (اے) اور ڈائریکٹر ہتھیار اور سازوسامان، مع گیارہویں آرمی گروپ، کے شریک ممبر پر مشتمل تھی۔

(۳) آخر میں ماسٹر جنرل آفس کمیٹی برائے سامان درج ذیل کاموں اور امور کی انجام دہی کے لیے بنائی گئی۔

i) ترقیات کے لیے متعلقہ تکنیکی ڈائریکٹوریٹ کو ضروری ہدایات جاری کر کے ہتھیاروں اور سامان سے متعلق جنرل اسٹاف کی ترقیاتی حکمتِ عملی کی کمیٹی کے فیصلوں کی تعمیل کے لیے انتظامات کرنا۔

ii) جنرل اسٹاف ترقیاتی حکمتِ عملی کی کمیٹی کو اس کے سپرد کیے گئے اشیاء کی پیداوار اور ترقیات کے کاموں میں الجھاؤ کے بارے میں اُسے مشورہ دینا۔

iii) جنرل اسٹاف کی جانب سے فوجی دستوں کو آزمائش کے لیے منظور کیے گئے تمام نئے ہتھیاروں، اسلحہ اور سامان کی ترقی کو فروغ دینا۔

iv) بیرونِ انڈیا اس جیسی تنظیم سے تکنیکی رابطہ "وغیرہ۔

اس کی ترتیب اس طرح سے تھی:-

سربراہ: ڈپٹی ماسٹر جنرل آفیسر (بی)

اراکین: ڈائریکٹر ہتھیار اور سازوسامان
بریگیڈیئر (انجینئر وسائل)
ڈائریکٹر آف اے

چیف آف جنرل انٹیلی جنس
ڈپٹی ڈائریکٹر ملٹری ایکویپمنٹ (ٹیکنیکل) (سائنسی مشیر برائے ایم جی او)

سیکرٹری: پنجاب ماسٹر جنرل (ٹی۔سی)

جنرل ہیڈکوارٹر سے ڈائریکٹو اور جنوب مشرقی ایشیا کمانڈ سے نمائندے ان تمام کمیٹیوں کے لیے جب اور جس وقت ضرورت پڑتی نامزد کر لیے جاتے تھے۔

مذکورہ بالا تحریروں سے یہ بات واضح ہے کہ جنرل اسٹاف برانچ دوران جنگ بہت وسیع ہو گئی تھی۔ ڈپٹی چیف آف جنرل اسٹاف ایک سے بڑھ کر تین ہو گئے اور مختلف ڈائریکٹوریٹ میں کام میں ربط قائم رکھنے کے لیے کئی کمیٹیاں تشکیل دی گئیں۔ تمام ڈائریکٹوریٹ میں مختلف معاملوں میں جنگ سے قبل کی ہیئت کی نسبت کئی بار وسعت ہوئی۔ مزید یہ کہ برانچ میں کئی نئی ڈائریکٹوریٹ تشکیل دی گئیں۔ مثلاً ڈائریکٹوریٹ برائے اسلحہ اور سامان ڈائریکٹوریٹ تعلقات عامہ اور ڈائریکٹوریٹ تحقیق وغیرہ۔ بغرض کہ فوج کی تمام ڈائریکٹوریٹس نے مختلف اوقات میں تیزی سے اور حیران کن توسیع کی۔ جنرل ہیڈکوارٹرز کی دوسری شاخوں کی کہانی بھی بالکل ایسی ہی ہے۔

فوجوں سے متعلق یہ اعداد و شمار میں نے تفصیل سے اس لیے دیے ہیں تاکہ برصغیر پاک و ہند کی تقسیم سے پہلے فوج کی اپنے معاشرے میں اہمیت کا احساس ہو سکے کہ کیسے آہستہ آہستہ یہ فوج ایک دیو کی صورت اختیار کر گئی تھی

ذخیرہ کتب
انیس نقوی
03142893816

Scanned with OKEN Scanner

بابِ ۲

جنگ کے خاتمہ کے اثرات

دُوسری جنگِ عظیم میں برطانوی ہند کی فوج اور اس کے متعلق ادارے میں زبردست وسعت اور پھیلاؤ کی تفصیلات سے ممکن ہے قاری قدرے تھکاوٹ اور بوریت محسوس کرنے لگے اور بالخصوص عمومی طور پر وہ قاری جو فوج اور اس کے معاملات اور تشکیلات سے قطعاً نابلد ہو وہ یقینی طور پر مجھے کوسے گا کہ ان تفصیلات سے میں نے اسے اُکتا دیا ہے لیکن میرے نزدیک قاری کو یہ تفصیلات ضرور جاننی چاہئیں۔ کیوں؟

اوّلاً اس لیے کہ یہ دوسری جنگِ عظیم ہی تھی جس نے ایک زبردست فوجی مشینری اور ادارے کو جنم دیا۔

دوم! خود دوسری جنگِ عظیم ایک ایسے دور میں لڑی گئی جب ٹیکنالوجی ایک نئے دور میں داخل ہو رہی تھی۔

سوم! خود دوسری جنگِ عظیم نے ٹیکنالوجی کے شعبے میں زبردست انقلابات اور ترقی کے لیے راہ ہموار کی۔

کیونکہ جنگ نے تمام طاقتوں کو مجبور کیا کہ وہ جنگ میں فتح حاصل کرنے کے لیے مہلک سے مہلک ہتھیار ایجاد کریں، اس کے لیے سائنس کو پوری طرح اس کام میں استعمال کیا جانے لگا اور یہ دوسری جنگِ عظیم ہی تھی جس نے ایٹمی بموں کے پورے قبیل کی تشکیل اور استعمال کے لیے راہ ہموار کی۔

اب جب جنگ میں پیچیدہ سے پیچیدہ اسلحہ استعمال ہوگا، جب نت نئی توپیں، مشین گنیں، بندوقیں، بم، ہوائی جہاز، گیس کا استعمال معمول بن جائے گا تو اس کے لیے

Scanned with OKEN Scanner

فوجیوں کا بھی نیا معیار قائم ہونا لازم ہو جائے گا۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ دُوسری جنگِ عظیم میں فوج میں بھرتی کا معیار تعلیمی طور پر خاصا بلند دکھائی دیتا ہے اور کمیشن حاصل کرنے والوں میں اس زمانے میں ایسے ہندوستانی نوجوان تھے جو یونیورسٹیوں سے اعلیٰ ڈگریاں لیکر نکلے تھے اور روٹی روزگار کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے ان کو فوج میں پناہ ملی۔

یہی نہیں بلکہ دوسری جنگِ عظیم میں فوجی پراپیگنڈے، جاسوسی، تحقیق، نشر و اشاعت کے شعبوں میں بھی بے پناہ توسیع ہوئی بلکہ توسیع ہی نہیں ہوئی بلکہ کئی ایک نئے شعبے بھی قائم کیے گئے اور ان تمام شعبوں میں اس زمانے میں برصغیر کے بہترین تعلیم یافتہ نوجوان ہی فوج میں نہیں گئے بلکہ ایک طرف یونیورسٹیوں اور کالجوں کے اساتذہ اور پروفیسر کو بھی اس زمانے کے معیار کے مطابق پُرکشش تنخواہوں کے عوض فوج میں مختلف خدمات سرانجام دینے پر مائل کیا گیا۔ یہی نہیں بلکہ ذرائع ابلاغ سے متعلق تجربہ کار اور کہنہ مشق صحافیوں اور ادیبوں اور شاعروں کو بھی اس دیوہیکل فوجی تانے بانے میں کھپا لیا گیا۔

یہ دوسری جنگِ عظیم ہی تھی جس میں ابوالاثر حفیظ جالندھری، مولانا چراغ حسن حسرت، ہری چند اختر، مجید ملک، ڈاکٹر محمد دین تاثیر، فیض احمد فیض، ضمیر جعفری، مسعود اور شفیق الرحمٰن وغیرہ شامل تھے، ان میں سے کوئی میجر ہُوا، کوئی کرنل ہُوا کوئی کیپٹن کہلایا۔

اس موقع پر میں ایک اور بات بالاصرار واضح کرنا چاہتا ہوں کہ سوائے فیض احمد فیض کے سب ادیب، صحافی اور دانشور اچھی تنخواہوں کی خاطر فوج میں بھرتی ہُوئے تھے، چنانچہ ابوالاثر حفیظ جالندھری تو سب سے پہلے شاعر تھے جو فوج میں ملازم ہوئے وہ

کے شعبے میں بھرتی ہوئے اور انھوں نے

میں تو چھوڑے کو بھرتی کرا آئی رے

اروسن پروسن پچھے جو کہے

یعنی میں تو اپنے لختِ جگر کو فوج میں بھرتی کرا آئی ہوں مجھے اپنی پڑوسن کی باتوں اور طعنوں کی کوئی پرواہ نہیں۔

Scanned with OKEN Scanner

اسی طرح محمد دین تاثیر جنگ کی ابتدا میں برلن ریڈیو سے نشر ہونے والی تقریروں کا جواب دینے پر مامور ہوئے۔ اسی طرح سے باقی کے شعرا، ادیب اور صحافی جنگ کے دوران فوج میں بھرتی ہوئے۔ البتہ فیض احمد فیض اس وقت فوج میں ملازم ہوئے جب کمیونسٹ پارٹی نے اس جنگ کو قومی جنگ قرار دیا۔

یہی نہیں بلکہ یہی وہ دور تھا جس میں فوجی تعلقات عامہ کا محکمہ قائم ہوا اور یہی وہ دور ۴
تھا جس میں ملٹری محکمہ جاسوسی کو بے پناہ وسعت ملی، اور یہی وہ محکمے تھے جو قیام پاکستان کے بعد فوج کی برتری اور بالادستی کے لیے ایک نہ ایک انداز میں مصروف کار رہے۔

تیسرے قاری کو فوج کے ادارے کی وسعت اور پھیلاؤ سے یہ بھی اندازہ لگا لینا چاہیے کہ کس طرح ایک ریاست کے اندر یہ ایک نئی سٹیٹ وجود میں آ رہی تھی ایک ایسی سٹیٹ جو عام شہری کی آنکھوں سے اوجھل تھی جس کی وسعت اس کی مہارت جس کی جاسوسی کی کارستانیوں سے عام شہری قطعاً ناآشنا تھا۔ اس کو جی ایچ کیو کی وسعتوں کا بھی کوئی اندازہ نہیں تھا۔ عام شہری کو مرکزی حکومت یا صوبائی حکومتوں کے سیکرٹریٹ کا علم ہوتا ہے لیکن اس فوج کے جی۔ ایچ۔ کیو کی وسعتوں، پیچیدگیوں کا کوئی علم نہیں ہوتا اس لیے میں نے یہ تمام تفاصیل دی ہیں۔ میں خود بھی غیر فوجی ہوں جس کو جی ایچ کیو کی وسعتوں کا کوئی احساس نہیں تھا۔ یہ تو میں نے مواد اکٹھا کرتے ہوئے جب دوسری جنگ عظیم میں اس فوجی ڈھانچے کے پھیلاؤ کو جاننے کا موقع ملا تو اگر میں ورطہ حیرت میں پڑ سکتا ہوں تو نوجوان قاری کیسے حیران و پریشان نہیں ہوگا۔ اس لیے اس حیرانی کو دور کرنے کے لیے میں نے یہ تفاصیل دی ہیں تاکہ قاری کی سمجھ میں یہ آجائے کہ جو دیو اس کی پشت پر سوار ہے وہ کوئی معمولی دیو نہیں ہے۔ ۵

میں نے یہ ساری سرکھپائی ایک اور مقصد کے لیے بھی کی ہے کہ میں اس امر کی نشاندہی کرسکوں کہ فوج کے افسر کو کپتانی میجری اور کرنیلی کے لیے کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں اور اس کو مختلف موضوعات پر کس قدر پڑھنا پڑتا ہے۔ اس کی زیادہ تفاصیل میں اگلی جلد میں جب پاکستانی فوج کے ارتقاء پر آؤں گا تو زیادہ روشنی ڈالوں گا لیکن اس موقع پر میں

Scanned with OKEN Scanner

صرف ان تفاصیل کے ذریعے ان امور کی نشاندہی کرنا چاہتا ہوں کیونکہ یہی وہ ورثہ ہے جو پاکستانی فوج کو ملا ہے اس لیے اس ورثے کو جانے بغیر آج کی پاکستانی فوج اور اس کی خواہشات اور نفسیات کا پوری طرح علم ہی نہیں ہو سکتا۔

یہاں اس بات کو پوری طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ یہ تبدیلیاں برطانوی حکومت کی خواہشوں اور ایما کے بغیر ظہور میں آئیں۔ کیونکہ برطانوی حکومت کی بنیادی طور پر تو یہی خواہش تھی اور اس نے سوچا بھی یونہی تھا کہ ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک لڑی جانے والی پہلی جنگِ عظیم کی طرح یہ جنگ بھی کوئی زیادہ تبدیلیوں کا موجب نہیں بنے گی۔ لیکن برطانوی سامراج کو پہلی جنگِ عظیم کے اثرات بھی بھول گئے کہ کیسے اس پہلی جنگ کی کوکھ سے سوشلسٹ انقلاب نے جنم لیا اور کس طرح اس جہانِ رنگ و بو کا چھٹا حصہ سامراجی دنیا سے کٹ کر سوشلسٹ نظام کی بنیاد بن گیا اور اس طرح سے سوویت یونین کی سوشلسٹ جمہوریہ وجود میں آ گئی اور پھر کیسے غلام ممالک میں آزادی کی تحریکوں کو مہمیز ملی تھی۔

۱۹۱۹ء سے لے کر ۱۹۳۹ء تک سامراجی دنیا نے یہ کوشش کی کہ نازی جرمنی کو کسی نہ کسی طرح سوویت یونین پر حملہ کرنے پر مجبور کر دیا جائے لیکن نتیجہ اُلٹ ہوا کہ سوویت یونین سے اُلجھنے کی بجائے نازی جرمنی برطانیہ اور فرانس سے اُلجھ پڑا اور دیکھتے دیکھتے اس نے پورے یورپ اور فرانس کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالا۔

جرمنی کی ان کامیابیوں اور کامرانیوں سے ایک عالم پر برطانوی سامراج جس کی مملکت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا کا بودا پن آشکارا ہو گیا۔ اس سے برطانوی اور فرانسیسی سامراج کے محکوم ممالک کی آزادی کی تحریکوں کو مہمیز ملی، ان کی ہمت بندھی اور پھر جب جون ۱۹۴۱ء میں جرمنی نے اچانک سوویت یونین پر حملہ کر دیا اور جرمنی فاتحانہ انداز سے ماسکو، لینن گراڈ تک بڑھتا چلا گیا اور جرمنی کا دعویٰ تھا کہ وہ دیکھتے دیکھتے پورے رُوس کو تاراج کر کے ہندوستان کی طرف بڑھنے لگے گا۔ اسی لیے جرمنی کے حلیف جاپان نے پرل ہاربر پر حملہ کر کے جنوب مشرقی ایشیا کو تاخت و تاراج کرنا شروع کر دیا اور دیکھتے دیکھتے برطانیہ کے تمام مقبوضات برما، ملایا، سنگاپور اور ہالینڈ کی نوآبادی انڈونیشیا کو

Scanned with OKEN Scanner

سرنگوں کرکے ہندوستان کی سرحدوں پر پہنچ گیا لیکن ہوا کیا کہ ایک طرف برطانوی سامراج کا کھوکھلا پن ایک عالم پر آشکارا ہو گیا تو دوسری طرف سوشلسٹ روس کی مزاحمت اور بہادری نے تاریخ عالم میں ایک نئے باب کا اضافہ کر دیا۔ جرمن فوجیں مہینوں کے محاصروں کے بعد نہ تو ماسکو کے اندر داخل ہو سکیں، نہ لینن گراڈ کے ۹ مہینے کے محاصرے کے بعد اس شہر کو فتح کر سکیں اور پھر اسٹالن گراڈ پر جب عظیم معرکہ ہوا تو سوویت یونین کی سرخ فوج نے جنگ کا پانسہ ہی پلٹ دیا اور جرمن فوجوں کی ایسی پسپائی شروع ہوئی کہ سرخ فوج ان کو دھکیلتی ہوئی برلن تک لے گئی جہاں جرمنی نے ہتھیار ڈال دیے۔

سرخ فوج کی برلن تک مارا ماری نے نئی تحریکوں کو جنم دیا۔ نئی سماج کی تخلیق کے خواب شرمندہ تعبیر ہوتے دکھائی دینے لگے۔ فسطائیت کی موت ہٹلر اور مسولینی کا خاتمہ، یہ ایک نئے جہانِ رنگ و بُو کی نوید تھا۔ یہ برطانوی شہنشاہیت کی شکست کی ابتدا تھی۔ غرضیکہ اس دوسری جنگِ عظیم نے کمزور و مقہور قوموں میں زبردست خود اعتمادی پیدا کی تھی اور اسٹالن گراڈ کے مقام پر سرخ فوج نے جس طرح ہٹلری افواج کی نہ رکنے والی یلغار کو نہ صرف روکا بلکہ ان کا منہ موڑ دیا۔ اس شہر نے اس کے کھنڈرات نے صرف نازیوں کی یلغار کو ہی نہیں روکا تھا صرف جنگ کا ہی پانسہ نہیں پلٹا تھا صرف سوویت روس کی سرحدوں کی حفاظت ہی نہیں کی تھی سوویت روس کے انقلاب کو ہی قائم دائم نہیں رکھا تھا بلکہ اس کے شہر نے اس کے محافظوں نے اس کے مردوزن نے تاریخ عالم کا رُخ موڑ دیا اور یہ وہ دور تھا جب اسٹالن گراڈ کمیونزم، بہادری اور جرأت کا مظہر بن گیا اور دیس دیس میں لوگ اسٹالن گراڈ کی قسم کھا کر اپنے حاکموں کے خلاف نبرد آزما ہونے لگے۔

اسٹالن گراڈ کا نام انسانوں کے اندر نئے عزم اور ولولے پیدا کرنے کے لیے کافی تھا اس شہر نے اس کی مزاحمت نے اس کے عزم نے برصغیر کے اَن گنت شاعروں کو ولولہ دیا، حوصلہ دیا ان سے شعر کہلوائے، ڈرامے لکھے گئے افسانے تحریر ہوئے غرضیکہ یہ شہر مزاحمت کے ایک نئے دور کا عنوان ٹھہرا۔ اسی دور میں ظہیر کاشمیری نے اس شہر کو اس مزاحمت کو خراج پیش کرتے ہوئے کہا تھا

Scanned with OKEN Scanner

بُجھ گئے کئی چراغ
شہر کی فصیل پہ
السلام ۔ اے سحر
آندھیوں کے درمیاں
ان کا رقص، رقصِ ناز،
ان کی لو جگر گداز
چشمکِ مراد میں
جل کے بُجھ گئے مگر

السلام ۔ اے سحر
جھلملا کے بُجھ گئے
تیری بات رہ گئی
کٹ کے رات رہ گئی
آچکا ہے کارواں
زندگی کے موڑ پہ
السلام ۔ اے سحر

چنانچہ جیسے جیسے سُرخ فوج نے یورپ کو آزاد کرانا شروع کیا ویسے ہی غلام ملکوں میں آزادی کی تحریک زور پکڑنے لگی اور جب فسطائی طاقتوں کو مکمل شکست ہوگئی تو غلام ملکوں میں بھی ایک مسلح جدّوجہد کا جذبہ ابھرنے لگا۔ کیونکہ جنوب مشرقی ایشیا میں اس جدوجہد کی فضا موجود تھی اور اس خطّے میں خود انگریز اور امریکی فوجوں نے جاپانیوں کے خلاف مزاحمت منظم کرانے کے لیے گوریلے تیار کیے تھے اور یہاں کے سیاسی عناصر کے ہاتھ میں جن کی قیادت کمیونسٹ کر رہے تھے اسلحہ آرہا تھا چنانچہ یہ انہی کی مزاحمت تھی جس کی وجہ سے اس خطّے کے اکثر علاقوں میں ابتدائی حکومتیں کمیونسٹوں کے تعاون سے ہی قائم ہوئیں اور بعد میں ان حکومتوں کو ختم کرنے کے لیے برطانیہ، فرانس اور امریکی سامراج کو مختلف اقدامات کرنا پڑے اور اس طرح یہاں ایک مسلسل جدوجہد کا آغاز ہوگیا جو آج بھی جاری ہے۔

یہ تاریخ کا ایک بالکل نیا سبق تھا۔ "راندہ درگاہ" سوشلزم کی برتری کی واضح مثال!

اس سبق کے بھی کئی پہلو تھے کہ اب برطانیہ، امریکہ، فرانس سوشلسٹ روس کے حلیف تھے ۱۹۴۱ جون کے بعد ان کی جنگ مشترکہ جنگ ٹھہری تھی، اُس مشترکہ جنگ کی وجہ سے ان سامراجی ممالک کو سوویت یونین اور سوشلزم کے خلاف اپنے تمام پُرانے پراپیگنڈے پر خطِ تنسیخ پھیرنا پڑا۔ صرف یہی نہیں بلکہ تعریفی کلمات استعمال ہونا شروع

ہوتے اور سچائی کا بول بالا ہونے لگا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ اپنی فوجوں کے دروازے کمیونسٹوں اور سوشلسٹ عناصر پہ کھولنے پڑے۔ یہی وہ دور تھا جب فیض احمد فیض مظہر علی خاں اور سینکڑوں دوسرے کمیونسٹ عناصر فوج میں بھرتی ہوئے۔ یہ عمل صرف اس برصغیر میں ہی دیکھنے میں نہیں آیا بلکہ خود برطانوی فوجوں میں بھی زبردست تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ میں نے برطانوی فوجوں میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کا تذکرہ اپنی کتاب "کمیونسٹ پارٹیاں، فوج اور فوجی شب خون" میں خاصی تفصیل سے کیا ہے۔

برطانوی فوج میں نفسیاتی تبدیلیاں

برطانوی فوج کے افسروں کا طبقاتی کردار تو واضح طور پر اوپری طبقے سے متعلق ہے لیکن جہاں تک عام فوجی جوان کا تعلق ہے وہ تو عام محنت کش خاندانوں کے چشم و چراغ ہوتے ہیں، اس لیے حکمران طبقے کو ہمیشہ یہ خطرہ لاحق رہتا ہے کہ فوج کو جب محنت کشوں کی تحریکوں کے خلاف استعمال کیا جائے گا تو کہیں عام فوجی جوانوں کی وفاداریاں ڈگمگا نہ جائیں۔ اس لیے برطانوی حکمران طبقے کے لیے پچھلے ڈیڑھ دو سال میں سب سے بڑا دردِ سر یہی رہا کہ فوج اور بالخصوص فوجی جوانوں میں مزدور طبقے کی سیاست اور ترقی پسند افکار در نہ آئیں۔ چنانچہ ان کے مسلسل تربیتی کورس کا اہتمام ہوتا ہے۔ ان میں ان کی برین واشنگ کی جاتی ہے۔ یہاں ان کو کمیونزم اور کمیونسٹ ممالک کے خلاف لرزہ خیز داستانیں سنائی اور ازبر کرائی جاتی ہیں لیکن پرانے زمانے میں جب ابھی کمیونزم کا ہوّا اتنا خوفناک نہ بنا تھا اور سوویت یونین بھی وجود میں نہیں آیا تھا، تو اس وقت ان جوانوں کے لیے سب سے بڑا تربیتی نکتہ سفید فام افواج کی برتری کا سبق تھا۔ ان کو بتایا جاتا کہ خدائے بزرگ و برتر نے ان کے ذمّے سیاہ فام اقوام کو تہذیب سکھانے کا فریضہ عائد کر رکھا ہے۔ اس لیے افریقہ ہو یا ایشیا ان پر چڑھ دوڑنا، ان کو غلام بنانا، یہاں ان ممالک میں ہر قسم کے مظالم روا رکھنا خدائے بزرگ و برتر کی مرضی کے عین مطابق ہے چنانچہ ان فوجوں کے ہمراہ پادری بھی ہوتے جو

ایک طرف فوجیوں کو ان مظالم کے لیے اکساتے تو دوسری طرف غلام بنائی جانے والی اقوام کو یسوع مسیح کا پیغامِ امن سنایا جاتا۔ چنانچہ دوسری جنگِ عظیم کے موقع پر فوج کے یہ تمام پرانے اقدار یکایک متزلزل ہونے لگے کیونکہ جو فوج نوآبادیات کو فتح کرنے کے جذبے پر پروان چڑھی ہو جس فوج کی گھٹی میں نسلی برتری کا عقیدہ پڑا ہو وہ کیسے جمہوریت کی جنگ لڑ سکتی ہے۔ چنانچہ دوسری جنگ کے دوران بڑے پیمانے پر فوجوں میں جمہوریت کا پرچار کیا جانے لگا اور فسطائی مظالم اور ان کی ہولناکیاں فوج کو بتائی جانے لگیں۔ چنانچہ اس صورتِ حال کا تذکرہ فیلڈ مارشل مانٹگمری نے کیا ہے:

" وہ دن لد گئے جب فوج کے جوانوں اور نچلے افسروں کو کسی مشین کا بے جان پرزہ تصور کیا جا سکتا تھا۔ اب ہر فرد کو متحرک کیا جانا چاہیے اور اسے احساس دلانا چاہیے کہ وہ ایک چلتی پھرتی ٹیم کا رکن ہے جو قومی تعمیر کے کاروبار میں مصروف ہے اور فوج کا سب سے اہم فریضہ یہی قومی تعمیر ہے اور اس میں عام فوجی اپنا فرض کس طرح ادا کر سکتا ہے۔ الامین کی لڑائی سے پہلے میں نے اس بات کا اطمینان کر لیا تھا کہ ہر فوجی جوان اور افسر کو اس لڑائی کی پوری اہمیت، اس کی جنگی چالوں اور ان میں اس کے پورے پورے حصے کے علم اور ہر فرد کی اس لڑائی میں کتنی اہمیت ہے کا پتہ ہو گا۔"

یہ صورتِ حال تھی جس میں دوسری جنگِ عظیم کے دوران فوجوں میں بحث و تمحیص کا رواج شروع ہوا۔ چنانچہ حالاتِ حاضرہ پر بحثوں کے لیے باقاعدہ ایک بیورو کا قیام عمل میں آیا۔ اس بیورو کی اور اس بحث و تمحیص کی چرچل کی طرف سے کس قدر مخالفت ہوئی اس کا اندازہ چرچل کے ایک خط سے لگایا جا سکتا ہے جو اس نے وزیرِ دفاع کو ۱۷ اکتوبر ۱۹۴۱ء کو لکھا تھا:

" میں فوج کے اندر سیاسی بحثوں کے اس سلسلے کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا۔ کوئی بحث ایسی نہیں ہو سکتی جو نظم و ضبط پر بالآخر اثر انداز نہ ہو بہترین اصول یہی ہے کہ فوج میں کسی قسم کی سیاست کے داخلے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔"

Scanned with OKEN Scanner

جس وقت چرچل فوج میں سیاست کو شجرِ ممنوعہ قرار دیتا ہے تو اس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ وہ واقعی سیاست کو فوج میں نہیں لے جانا چاہتا۔ دراصل یہ سیاست کو شجرِ ممنوعہ قرار دینا بھی تو بذاتِ خود ایک بہت بڑی سیاست ہے۔ یہ سیاست ہے کہ حکمران طبقے کے اعمال پر کسی قسم کی بحث کا دروازہ نہ کھلے اور حکمران طبقے بغیر کسی نکتہ چینی کے حکومت کر سکیں اور انھیں اپنے طبقاتی مفادات کو محفوظ رکھنے کی پوری پوری آزادی ہو مگر دوسری جنگِ عظیم کے بعد برطانوی سامراج زبردست تضادات کے بھنور میں پھنس گیا تھا۔ یہ تضادات نوآبادیات میں زبردست آزادی کی تحریکوں کا جذبہ تھے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دوسری جنگِ عظیم کے بعد برطانوی سلطنت کے ایک سرے سے لے کہ دوسرے سرے تک عوام آزادی کے حصول کے لیے تلوار بدست گلی کوچوں میں نکل آئے تھے چنانچہ ملایا، برما، کینیا، برٹش گنی، ہندوستان سبھی ملکوں میں یہ تحریکیں ابھر رہی تھیں اس لیے برطانوی سامراج کو ایک طرف آزادی کی ان تحریکوں کو دبانے کے لیے فوج کی اشد ضرورت تھی تو دوسری طرف برطانوی اور امریکی دونوں سامراجوں کو سوویت یونین کے اثر و رسوخ کو روکنے کے لیے بھی فوجوں کو چوکس رکھنا ضروری تھا لیکن عملاً فوجوں کے اندر واپس اپنے گھروں کو جانے کی بے تابی تھی۔ اس کے علاوہ ایک اور تضاد نمایاں ہونے لگا کہ اب تک برطانوی سامراج کے لیے ہندوستانی فوج بہت بڑا سہارا تھی۔ چنانچہ اب تک پچھلی پون صدی میں برطانوی سامراج نے نوآبادیات کی تسخیر کے لیے ہندوستانی فوج کو بڑے پیمانے پر استعمال کیا تھا لیکن اب ہندوستان کے اندر تحریکِ آزادی اور خود ہندوستانی فوج میں بغاوت کے آثار نے صورتِ حال بالکل بدل دی

اس ضمن میں آزاد ہند فوج کے قیام اور پھر جنگ کے بعد جہازیوں اور ہوائی فوج کی بغاوت نے برطانوی سامراج کے ہاتھ سے یہ زبردست ہتھیار چھین لیا تھا۔ اس لیے اب برطانیہ کے لیے لازمی ہو گیا کہ وہ اپنے ملک کے اندر سے ہی نوجوانوں کو مزید بھرتی کرے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جنگ کے بعد فوجی جوانوں کو ملک کی تعمیر کے لیے کارخانوں میں بھیجا اور ان کو "قومی ضرورت" کے نام پر مزید عرصے کے لیے فوج میں روکا

Scanned with OKEN Scanner

جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ مزید نوجوانوں کو فوج میں بھرتی کیا گیا۔ گو اس وقت اس عام بھرتی پر اعتراض بھی کیے گئے۔ کچھ اعتراض تو صرف ٹیکنیکل تھے کہ اس تھوڑے عرصے میں نئے نوجوانوں کو صحیح طریقے سے فوجی تربیت مہیا نہیں کی جا سکتی لیکن زیادہ اعتراض سیاسی بنیادوں پر تھے۔ چنانچہ کپتان لڈل ہارٹ نے اس زمانے میں اپنی کتاب "مغرب کا دفاع" میں لکھا تھا:

"عام جبری بھرتی فوج کی خوداعتمادی کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے اور اعتماد کو نقصان پہنچاتی ہے کیونکہ جو فوج جبر اور دباؤ کے تحت منظم کی جائے گی تو وہ خوش دلی سے نہیں لڑ سکتی اور اس طرح ایک غیر رضامند فوج پست ہمتی کے جراثیم پھیلانے کا باعث بن سکتی ہے اور یہ جراثیم بدترین قسم کے متعدی امراض کا موجب بن سکتے ہیں۔"

چنانچہ یہی "متعدی امراض" تھے جنھوں نے دوسری جنگ عظیم کے دوران "آزاد ہند فوج" کو جنم دیا۔ چنانچہ میں پہلی جلد میں "آزاد ہند فوج" کے قیام کا تفصیلی ذکر کر آیا ہوں اس فوج کے قیام نے ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد میں جس کی بنیاد عدم تشدد اور آئینی ذرائع پر رکھی گئی تھی پہلی بار ایک مسلح منظم فوج کے ذریعے ہندوستان کو آزاد کرانے کے بارے میں اقدام کیا تھا۔

یہ حقیقت ہے کہ پہلی جنگ عظیم کے دوران ہمارے بہت سے انقلابیوں نے جو اس برصغیر سے باہر رہ کر اس کی جدوجہد آزادی کو آگے بڑھانے میں مصروف تھے۔ مختلف اوقات میں جرمن اور ترکوں کے ذریعے برطانوی سامراج سے گلو خلاصی کے لیے ہندوستانی فوجی قیدیوں اور بیرون ممالک میں رہنے والے ہندوستانیوں پر مشتمل فوج منظم کرنے کی کوشش کی تھیں لیکن ان کو چنداں کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ مگر دوسری جنگ عظیم میں جاپانیوں کے ہاتھوں قید ہونے والے ہندوستانی فوجیوں اور جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک میں رہنے والے ہندوستانیوں پر مشتمل فوج کو منظم کرنے میں ایک حد تک کامیابی ہوئی۔ اس کامیابی کا پورا سہرا سبھاش چندر بوس کے سر بندھتا ہے لیکن جاپان کی شکست نے اس فوج کو بھی شکست سے

دو چار کر دیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ آزاد ہند فوج کے جوانوں نے شکست کھا کر بھی اس برصغیر کی آزادی کی تحریک کو ایک نئے دور میں داخل کر دیا اور اُس آزاد ہند فوج کے انجام نے اس برصغیر کی فوجوں میں بھی ایک نئی قسم کی انقلابی اور مزاحمتی فکر کو جنم دیا۔

اب ہمیں یہاں رُک کر آزاد ہند فوج کی شکست سے مرتب ہونے والے نتائج برصغیر کی آزادی اور یہاں کی افواج پر جو اثرات مرتب ہوئے اس کو دیکھ لینا چاہیے:

آزاد ہند فوج کی شکست اور اس کے اثرات

۱۵ / اگست ۱۹۴۵ء کو جاپان نے باقاعدہ طور پر اپنی شکست کا اعتراف کر لیا اور اس اعلانِ شکست کے تین دن بعد آزاد ہند فوج کے کمانڈر ان چیف سبھاش چندر بوس ۱۸ / اگست ۱۹۴۵ء کو ٹوکیو جاتے ہوئے انڈو چائنا کے علاقہ تائی ہو کے ہوائی اڈے پر ہوائی جہاز کو آگ لگ جانے کی وجہ سے بھسم ہو گئے۔ یہ درست ہے کہ ایک مدّت تک ہندوستان کے عوام کو اس موت کا یقین نہ آیا اور عجیب وغریب قسم کی دیو مالائی کہانیاں ان کے ارد گرد بُنی جانے لگیں۔ بعض لوگ تو صدقِ دل سے یہ گمان کرتے رہے کہ جنگ کا پانسہ پلٹ جانے کے باعث سبھاش بابو اتحادیوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئے ہیں۔ یہ تاثر دیر تک قائم رہا لیکن مسٹر حبیب الرحمٰن جو دوسری جنگِ عظیم کے دوران برلن ریڈیو سے انگریزوں کے خلاف اردو اور پنجابی میں تقریریں نشر کرتے تھے اور بعد میں آزاد ہند فوج میں شریک ہو گئے تھے، یہ بھی سبھاش بابو کے ساتھ اسی جہاز میں سفر کر رہے تھے مگر یہ زندہ بچ رہے اور اپنے وطن کشمیر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ انھوں نے سبھاش بابو کی موت کی تصدیق کر دی۔

ویسے جیسے جیسے جاپان کی میدانِ جنگ میں حالت مخدوش ہوتی گئی اور اتحادی فوجوں کی یلغار جنوب ایشیا کے ممالک میں فتح سے ہمکنار ہونے لگی ویسے ہی آزاد ہند فوج اور اس کے حامی اداروں کے مصائب میں اضافہ ہونے لگا۔

Scanned with OKEN Scanner

چنانچہ ۲۸ مئی ۱۹۴۵ء کو آزاد ہند لیگ ختم کر دی گئی تھی۔ حکومتِ آزاد ہند کی طرف سے برما میں قائم کردہ بنک پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ ایسے تمام افراد کی گرفتاریاں شروع ہو گئیں جن کا کسی طور بھی آزاد ہند فوج سے تعلق تھا۔ نیز فوجی تنظیم کو ختم کر کے ان میں سے کچھ تو فوری پھانسی دے دیئے گئے اور کچھ سپاہیوں کو قیدی بنا کر ان سے ایسا ناروا سلوک کیا گیا جس سے انگریز کے ذاتی انتقام کی بُو آ رہی تھی۔

ان تمام مظالم پر مہینوں پردہ پڑا رہا۔ اخبارات پر اس ضمن میں حکومت نے سخت قدغن لگا رکھی تھی۔ بالآخر کاٹھیاوار کے اخبار "جنم بھومی" کے ایڈیٹر امرت لعل سیٹھ نے بڑی جُرأت کی کہ وہ چھپتے چھپاتے برما اور سیام تک جا پہنچے۔ واپسی پر انھوں نے ہندوستان کی آزاد ہند فوج کے آفیسروں اور سپاہیوں کی مظلومیت اور انگریزوں کے ظلم و جور کی کہانی سُنائی۔ چنانچہ اس پر پہلی مرتبہ ۲۱ اگست ۱۹۴۵ء کو پنڈت جواہر لعل نہرو نے سری نگر میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"سبھاش بابو کے بیشتر سپاہی اور آفیسر قید کر کے ہندوستان لائے جا چکے ہیں ان میں سے بعض کو بغیر کسی عدالتی کارروائی کے پھانسی بھی دی جا چکی ہے۔

انگریزوں کی طرف سے کہا جا رہا ہے کہ ہندوستان میں بڑی اہم تبدیلیاں ہونے والی ہیں تو ایسے موقعہ پر آزاد ہند فوج کے ساتھ سخت سلوک کرنا عظیم غلطی ہو گی۔ ان کو سزا دینا تمام ہندوستان کو سزا دینے کے مترادف ہو گا۔ اس سے کروڑہا ہندوستانیوں کے دل زخمی ہو جائیں گے۔ ان کے شہید ہونے پر ہندوستان اور برطانیہ کے تعلقات میں مزید بگاڑ پیدا ہو جائے گا۔ لہٰذا حکومت اس سلسلہ میں اپنی پوزیشن واضح کرے۔

تقریباً پچیس ہزار ہندوستانی سپاہی جن میں بیشتر سکھ اور مسلمان تھے جو سنگاپور کے ہاتھ سے نکل جانے پر جاپانیوں سے مل گئے اور انھوں نے انڈین نیشنل آرمی بنائی۔ یہ لوگ غلط راستے پر تھے لیکن انھوں نے جو کچھ کیا حب الوطنی کے جذبے سے کیا۔ ان میں سے بیشتر گرفتار کر لیے گئے اور اب

ہندوستانی جیلوں میں بتائے جاتے ہیں۔

ہندوستانی یہ معلوم کرنے کے لیے بے چین ہیں کہ حکومت ہند ان سے کیا سلوک کریگی۔ ان سے سختی کا سلوک کیا گیا تو ہندوستان کے لیے ایک اہم مسئلہ پیدا ہو جائے گا۔"

حکومت ہند کا اعلان

۲۷ اگست ۱۹۴۵ء کو حکومت ہند نے پنڈت جواہر لعل نہرو کی تقریر کے جواب میں اپنی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے حسب ذیل اعلان کیا۔

" حکومت ہند نے یہ طے کیا ہے کہ جن سپاہیوں نے دباؤ میں آکر کام کیا اور جنھوں نے گمراہ ہو کر دشمن کی فوجوں میں شرکت کر لی ان کے ساتھ رحم اور فیاضی کا سلوک کیا جائے لیکن قانون کی راہ میں کوئی خلل نہیں ڈالا جا سکتا۔ ان کے لیڈروں اور ان لوگوں پر جو خاص طور سے بے رحمی کے جرائم کے مرتکب ہوئے ہیں کورٹ مارشل کے ذریعہ مقدمہ چلے گا۔ اس کا اعلان ایک سرکاری گزٹ میں کیا گیا ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ دشمن سے جا ملنا اور اپنے سابق ساتھیوں کے خلاف لڑنا ایک سپاہی کے لیے سخت ترین جرائم میں سے ہے۔ تقریباً ہر ملک میں قانوناً اس کی سزا موت ہے اور جو لوگ اس جرم کے مرتکب ہوتے ہیں اور پکڑے گئے ہیں وہ جنگی قیدیوں کے سے سلوک کا حق پیش نہیں کر سکتے لیکن حکومت ہند یہ محسوس کرتی ہے کہ دشمن کے ہاتھوں پکڑے جانے کے بعد یہ سپاہی جن حالات میں رہے ان کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ اس وقت سے انھیں جنگ کی ترقی کی رفتار کا کوئی علم نہیں ہوا۔ نہ انھوں نے جھوٹی جرمن اور جاپانی رپورٹوں کے علاوہ کوئی خبر سنی۔ ان میں سے کچھ پراپیگنڈا سے گمراہ ہوئے اور کچھ بہتر سلوک کی خواہش کے دباؤ میں آگئے اور محض اس اُمید میں دشمن کے شریک ہو گئے کہ ان کی زندگی کی حالت میں فوری بہتری ہو جائے گی، اس لیے جو لوگ محض گمراہ ہو گئے تھے (اور اکثریت ایسی ہی ہے) ان سے رحم کا سلوک کیا جائے گا۔ لیکن

بلاشبہ جس نے سپاہیوں کا قانون توڑا اور اپنے ساتھیوں سے غداری کی ایسے کسی شخص کو ہندوستانی فوج میں نہیں رکھا جا سکتا۔ اس لیے ان لوگوں کو فوج سے نکال دیا جائے گا۔ لیکن مہربانی کے طور پر انھیں ۲۸ دن کی تنخواہ مع رخصت دی جائے گی اور اس سے اس زمانہ کا الاؤنس جو ان کے خاندانوں کو دیا گیا تھا واپس نہ لیا جائے گا جب کہ یہ دشمن سے تنخواہ لے رہے تھے اور دشمن کے ہاتھوں میں تھے۔

یہ تو اس اکثریت سے سلوک ہوگا جو دشمنوں کے ساتھ شریک ہوگئی تھی لیکن ایک ایسی تعداد بھی ہے کہ اگر اس کے خلاف واقعات صحیح ثابت ہو جائیں تو اس کے ساتھ اس قسم کا رحم کرنا غلط ہوگا۔ ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے بارے میں یہ خبر ہے کہ انھوں نے پچھلے ساتھیوں کو مار ڈالا یا انھوں نے اتحادی سپاہیوں کو پکڑا، یا انھیں اذیتیں دیں اور کچھ ایسے لیڈر ہیں جنھوں نے جان بوجھ کر جاپانیوں کے یا جرمنوں کے مقاصد کو اپنایا۔ ان کے لیے اس کے سوا اور کوئی متبادل صورت نہیں ہوسکتی کہ ان پر کورٹ مارشل کے ذریعہ مقدمہ چلایا جائے۔ ان کو یہ موقع دیا جائے گا کہ اپنی نمائندگی کے لیے وکیلوں کو منتخب کریں۔ ان کے مقدموں کی سماعت بند کمروں میں ہوگی

ان دو قسموں کے علاوہ ایک بہت بڑی تعداد ایسی بھی ہے کہ جن کے معاملہ کی جانچ ضروری ہے اور یہ طے کرنا ہے کہ انہیں کس شمار میں رکھا جائے۔ اس جانچ کے مکمل ہونے تک انھیں فوجی حراست میں رکھا جائے گا۔ یہاں یہ بات بھی مدِ نظر رہنا چاہیئے کہ ان لوگوں کے مقابلہ میں ان بہادر سپاہیوں کی ہمت اور قوتِ برداشت کتنی زیادہ شاندار معلوم ہوتی ہے، جن کی زبردست اکثریت جنگ کے قیدی ہونے پر بھی حق نمک خواری ادا کرتی رہی اور جس نے دشمن کی ہر اس کوشش کو ٹھکرا دیا جو اس نے وفاداری کو متزلزل کرنے کے لیے کی۔"

پنڈت جواہر لال نہرو کا ردعمل

" مجھے خوشی ہے کہ حکومتِ ہند نے آزاد ہند فوج کے بارے میں بیان شائع کیا اور اب تک واقعات کے رُخ پر جو پردہ پڑا تھا، وہ اٹھا دیا گیا ہے میں یہ رائے دوں گا کہ تمام واقعات عوام کے نوٹس میں لانے چاہئیں یعنی یہ کہ مختلف ضلعوں میں ان افسروں اور سپاہیوں کی تعداد کیا ہے کیمپوں اور جیل خانوں میں کتنے ہیں اور ان کے بارے میں اب تک کیا کارروائی کی گئی ہے؟ وہ حالات کیا تھے جن کی بنا پر ۱۹۴۲ء میں ملایا میں یہ فوج گئی؟ مثلاً ابھی ہمیں یہ معلوم نہیں ہے کہ انھیں وہاں اپنے حال پر کیوں چھوڑ دیا گیا تھا؟ بہرحال آئینی طریقہ پر ان قیدیوں کو جنگی قیدی قرار دینا چاہیے۔ اگرچہ میں آئینی امور پر رائے دینے کا ماہر نہیں ہوں لیکن یہ معاملہ قانون کے ماہروں کے لیے قابلِ غور ہے۔ لیکن اصل سوال یہ ہے کہ اس مسئلہ کو انگریزوں کی نظر سے دیکھنا ہے یا ہندوستانیوں کی نظر سے۔ خوش قسمتی سے جنگ کا زمانہ ختم ہو چکا ہے اور اب یہ ہم سب کے لیے جنگ کا نہیں، بلکہ صلح کا زمانہ ہے۔ اس بات کا بھی لحاظ رکھنا چاہیے کہ کسی سخت گیری کا سیاسی نتیجہ کیا ہو سکتا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ . . . . اس کے جو نتیجے نکلیں گے وہ بہت دور رس ثابت ہوں گے۔ اس سلسلے میں فرانس کے مارکوئس کی مثال ہمارے سامنے ہے جنھیں ہٹلر کی حکومت کا باغی سمجھا گیا تھا جنھیں بالآخر جنگی قیدی قرار دیا گیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آزاد ہند فوج باقاعدہ فوج کی حیثیت سے کام کر رہی تھی وہ ایک منظم اور باوردی فوج کا درجہ رکھتی تھی۔ اس سلسلہ میں کسی غلطی کا امکان نہیں ہے۔ یہ بدقسمتی تھی کہ ان میں سے بہت سے گمراہ ہو گئے اور انھوں نے ایک غلط کاز کی حمایت کی لیکن یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ جاپان کے کاز کی حمایت نہیں کر رہے تھے بلکہ ان کے اندر وہ ہندوستان کی آزادی کا جذبہ

موجزن تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ہندوستان کے افسروں اور سپاہیوں کی بہت بڑی تعداد برطانوی فوج میں ہے، اپنے پرانے ساتھیوں سے اس فیاضانہ سلوک کی قدر کرے گی۔"

صدر کانگریس کا مُطالبہ

انڈین نیشنل کانگریس کے صدر مولانا آزاد نے حکومت ہند کے اعلان پر تبصرہ کرتے ہوئے مُطالبہ کیا کہ آزاد ہند فوج کے سپاہیوں اور افسروں پر ذرا بھی سختی نہ کی جائے۔ موصوف نے کہا کہ :-

" آزاد ہند فوج میں سپاہیوں کے بارے میں عام خیال یہ ہے کہ انھوں نے اس راستہ پر چل کر اگرچہ غلطی کا ارتکاب کیا تھا لیکن محوری کاز کو اپنا یا نہیں وہ جذبہ حب الوطنی کے ماتحت کام کر رہے تھے۔

سب کو معلوم ہے کہ جن حالات میں انھوں نے کام کیا وہ بہت پیچیدہ تھے۔ اب لڑائی ختم ہو چکی ہے۔ رائے عامہ کسی حالت میں انھیں انتہائی بین الاقوامی سزا دی جانا پسند نہ کرے گی۔ میں بین الاقوامی قانون کی پیچیدگیوں میں جانا نہیں چاہتا لیکن قانونی رائے کے بموجب ان کے برطانوی ہندوستانی رعایا ہونے کا معاملہ اتنا سیدھا نہیں ہے اور اس کا جواز ثابت کرنا مشکل ہے ایسے معاملہ میں ان کی ذمہ داری بین الاقوامی قانون سے تولنے کے لیے اخلاقی اصولوں سے کام لینا ہوگا۔ بہر حال یہ بات نہ بھولنا چاہیے کہ آزاد ہند فوج کے بارے میں ہندوستان کے جذبات و احساسات کسی حالت میں بھی یہ برداشت نہ کریں گے کہ اس کے سپاہیوں کو انتہائی سزا دی جائے یہ وقت اور حالات کا شکار ہو گئے تھے اور ان کی نیت حب وطن کے علاوہ کچھ اور نہ تھی۔ اگر دشمن سپاہی بین الاقوامی قانون اور رواج کا فائدہ پا سکتے ہیں تو ایسے ملک کے باشندے جہاں غیر ملکی حکومت ہے اس سے کم حقدار نہیں ہیں۔"

یہ تھی فضا جس میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے اپنے ستمبر ۱۹۴۵ کے اجلاس میں

انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کیا اور اسی ضمن میں انھوں نے ایک قرار داد آزاد ہند فوج کے بارے میں بھی منظور کی۔ قرار داد میں کہا گیا تھا :

"کانگریس کمیٹی نے وقت کے اہم تقاضے کو سامنے رکھ کر ۲۲ ستمبر کو اپنے تاریخی اجلاس منعقدہ پونا میں ایک تجویز پاس کی، جس میں حکومت ہند کو خبردار کیا گیا کہ وہ آزاد ہند فوج پر کسی قسم کی سختی نہ کرے اور اس سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ اس فوج کے تمام سپاہی اور افسر رہا کر دیے جائیں۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے اس احتمال کے پیش نظر کہ شاید حکومت کانگریس کے مطالبہ کو نہ مانے اور بضد رہ کر آزاد ہند فوج کے افسروں پر مقدمہ کی کارروائی شروع کر دے ایک ڈیفنس کمیٹی بھی بنادی تاکہ ہندوستان کی رائے عامہ کی طرف سے ان تاریخی مقدموں کی پیروی کی جا سکے۔"

اس دفاعی کمیٹی میں پنڈت جواہر لال نہرو، مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی مسٹر آصف علی اور مسٹر رگھو نندن سرن کو شامل کیا گیا۔

آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی قرارداد

آل انڈیا کانگریس کمیٹی کو یہ معلوم کر کے تشویش ہوئی ہے کہ ہندوستان میں اور غیر ملکی جیلوں میں بہت سے افسر مرد اور عورتیں جو ملایا اور برما میں آزاد ہند فوج میں شامل تھے۔ ان میں کچھ ہندوستانی سپاہی بھی ہیں جو مغربی علاقوں میں بھیجے گئے تھے۔ یہ لوگ افسروں کے فیصلوں کے منتظر رکھے گئے ہیں اس زمانہ میں ہندوستان، ملایا، برما وغیرہ میں جو حالات تھے اور اس فوج نے جو اپنا مقصد ظاہر کیا ہے، اس کے پیش نظر ان کے ساتھ جنگی قیدیوں کا سا سلوک کیا جائے اور اب جنگ ختم ہو چکی ہے اس لیے انھیں رہا ہو جانا چاہیے تھا۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی مستحکم رائے ہے۔ اس کے علاوہ دُور رس نتیجوں والے واقعات ہیں۔ یہ ایک المناک سانحہ ہوگا اگر وہ افسر مرد اور عورت سزایاب ہوئے جنھوں نے ملک کی آزادی کے لیے چاہے

غلطی سے ہی یہ دی مشقت اٹھائی تھی۔ وہ ایک نیا اور آزاد ہندوستان بنانے کے عظیم کام میں بہت مفید ہو سکتے ہیں۔ اب تک انھیں بہت دکھ پہنچ چکا ہے۔ اگر انھیں مزید سزا دی گئی تو یہ غیر منصفانہ ہی نہ ہوگی بلکہ اس سے ہندوستان کے بے شمار گھروں میں اور بالعموم ہندوستان میں صفِ ماتم بچھ جائے گی اور ہندوستان اور انگلستان کے درمیان خلیج اور وسیع ہو جائے گی۔ اس لیے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کو پُرخلوص یقین ہے کہ اس فوج کے افسر اور عورتیں رہا کر دی جائیں گی۔

آل انڈیا کانگریس کمیٹی یہ بھی یقین کرتی ہے کہ ملایا، برما اور دوسرے مقامات کے ہندوستانی جو انڈین انڈیپنڈنٹ آزادی ہند لیگ میں شریک تھے انھیں کسی قسم کی سزا نہ دی جائے گی۔

آل انڈیا کانگریس کمیٹی یہ بھی امید کرتی ہے کہ جن ہندوستانی فوجوں یا سویلین کو جنگ کی سرگرمیوں کے سلسلہ میں کوئی سزا دے رکھی ہو تو اس پر عمل درآمد نہ کیا جائے۔"

پنڈت جواہر لال نہرو نے اس قرارداد کو پیش کرتے ہوئے خاصے واشگاف الفاظ میں کہا کہ جب انگریزوں نے سنگاپور، ملایا اور برما کو خالی کیا تو انھوں نے وہاں کی ہندوستانی فوجوں کو ہدایت کر دی کہ وہ ایسے کام پر عمل کریں جو ان کے نزدیک ان کے بہترین مفاد میں ہو جب برما میں برطانیہ پر قبضہ ہو گیا تو ان فوجوں میں سے چند ایک نے ہندوستانی قومی فوج میں شرکت کر لی۔ اب جبکہ انگریز سنگاپور، ملایا اور برما میں واپس پہنچ گئے ہیں تو ان ہندوستانیوں سے مجرموں جیسا سلوک ہو رہا ہے۔ ہمارا یہ مطالبہ ہے کہ بغاوت کا الزام لگا کر ان سے منتقمانہ سلوک نہ کیا جائے۔ برمی قومی فوج اور آزاد ہند فوج میں کوئی فرق نہیں ہے، پھر آزاد ہند فوج کے ساتھ جو سلوک کیا جا رہا ہے وہ برمی فوج سے کیوں مختلف ہے۔ میں برطانوی حکومت کو تنبیہہ کرتا ہوں کہ وہ ان نوجوان ہندوستانیوں سے منتقمانہ سلوک نہ کرے۔ جن کا جرم صرف یہ ہے کہ انھوں نے وطن کی آزادی کے لیے

اپنی جانوں کی بازی لگا دی تھی۔ اس سلوک سے ہندوستانی عوام میں بے اطمینانی و اضطراب کی لہر خطرناک حد تک دوڑ جائے گی اور حکومتِ برطانیہ کو یہ بھی یاد رہنا چاہیے، کہ "انہی مجرموں" کے عزیز و اقارب برطانوی ہندوستانی فوج میں موجود ہیں اور انھوں نے مختلف محاذوں پر دادِ شجاعت بھی دی ہے۔

مقدمات آزاد ہند فوج

ہندوستانی عوام کے زبردست احتجاجات کے باوجود برطانوی حکومت نے آزاد ہند فوج کے اہم کرداروں کے خلاف مقدمات قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ دراصل برطانوی حکومت کی بھی ایک مجبوری تھی کہ اگر وہ ان آزاد ہند فوج کے افسروں اور جوانوں کو بغیر کسی باز پُرس کے جانے دیتی تو اس سے ان کے سب سے اہم اور مستند ادارے برطانوی ہندوستانی فوج کے نظم و نسق کے متاثر ہونے کا ڈر تھا لیکن برطانوی اور اس کی قائم کردہ ہندوستانی حکومت اور وائسرائے اس پورے مسئلے کے ایک اہم پہلو کو بالکل ہی فراموش کر گئے کہ فوج میں غالب اکثریت ان سپاہیوں کی تھی، جنھیں انگریز نے اپنی ضرورت کے لیے بھرتی کیا تھا مگر برما، جاوا اور سماٹرا پر جاپانیوں کے حملوں نے انگریزوں کے قدم اکھاڑ دیے تو اپنی ہندوستانی فوج کو لاوارث چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ فرنگی کی یہ بے وفائی دیکھ کر ہندوستانی فوجیوں نے سبھاش چندر بوس کی فوج میں شامل ہو کر ہندوستان کو آزاد کرانے کا عزم کر لیا۔ اس طرح وہ جاپانی افواج اور اتحادی عسکریت کا مقابلہ کرتے رہے بنا بریں وہ انگریز کے فوجی مجرم کیسے سمجھے جا سکتے ہیں۔ بلکہ ایسے فوجی سپاہیوں کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ بین الاقوامی عدالت میں تاجِ برطانیہ پر دعویٰ دائر کرتے کہ ان کے فوجی جرنیل انھیں تنہا دشمن کے حوالے کر کے خود جان بچا کر بھاگ نکلے۔ لیکن اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ فرنگی نے ان محبِ وطن فوجی آفیسروں کو مجرموں کے کٹہرے میں لا کر کھڑا کیا۔ اس پر ہندوستان میں ہنگامہ اُٹھ کھڑا ہُوا۔ کانگریس، جمعیت علمائے ہند، مجلس احرار اور دیگر محبِ وطن جماعتوں نے آزاد ہند فوج کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا۔ مسلم لیگ اور خاکسار جماعت نے بھی اس سے پہلو تہی نہیں کی۔

Scanned with OKEN Scanner

لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مسلم لیگ نے اس پورے معاملے کو اس شدت سے نہیں اٹھایا جو کہ اسے اصولی طور پر اٹھانا چاہیئے تھا۔ حالانکہ وہ اس موقع پر کانگرس سے ہمنوائی کرتی تو وہ ہزاروں لاکھوں غیر مسلموں کے دلوں میں اپنے لیے ایک نرم گوشہ پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاتی ۔ جو اس کے سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے فائدے مند ہوتی لیکن مسلم لیگ نے اور بالخصوص قائد اعظم نے ان تمام راہوں کو اپنانے سے ہمیشہ گریز کیا جس سے "ہندو مسلم اتحاد" کی ذرا سی بُو بھی آتی ہو۔ اس دور میں کمیونسٹ پارٹی ہی واحد وہ طاقت تھی جو کانگریس کے سامنے مسلم لیگ کے موقف کا وہ پہلو رکھ رہی تھی جو مبنی بر انصاف تھا اور مسلم لیگیوں کے سامنے کانگرس کے سامراج دشمن رویے کو پیش کرکے مسلم لیگیوں کو سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی کہ کانگریسیوں سے اتحاد کے بغیر نہ تو ہندوستان آزاد ہو سکتا ہے اور نہ ہی ان کو صحیح معنوں میں حق خود ارادیت حاصل ہو سکتی ہے اور یہی وجہ تھی کہ کمیونسٹ پارٹی دونوں جماعتوں کے لیڈروں کی نگاہوں میں معتوب ٹھہری ۔ کیونکہ دونوں جماعتوں کے لیڈر یہ محسوس کر رہے تھے کہ کمیونسٹ ان کے ماننے والوں کو ورغلا رہے تھے ۔

بہر حال اس دور نے ہی نہیں بلکہ اگر ہم کانگرس اور مسلم لیگ دونوں کی تاریخوں کا ذرا گہرائی کے ساتھ مطالعہ اور تجزیہ کریں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ کانگرس ایک ترقی پذیر سرمایہ دار طبقے کی نمائندے کی حیثیت سے برطانوی سامراج کے خلاف عوامی دباؤ منظم کرنے اور اس میں اضافہ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی اس کے مقابلے میں مسلم لیگ اپنے ماننے والوں کو منظم کرنے اور ان کے دباؤ میں اضافہ کرنے کے لیے صرف اور صرف کانگرس اور ہندو دشمنی کو ہی استعمال کرتی رہی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کانگرس اور ہندو اور سکھوں کی اکثریت میں بھی مسلم لیگ اور مسلمانوں کے خلاف نفرت اور غیض و غضب میں اضافہ ہوتا گیا۔ چنانچہ کانگرس نے آزاد ہند فوج کے افسروں کے مقدمات کو بھی پوری چابکدستی کے ساتھ سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کیا اور اس طرح سے برطانوی حکومت پر اپنا دباؤ بڑھانے میں اور عامۃ الناس میں اپنی ساکھ اور مقبولیت میں اضافہ کرنے میں کامیاب ہو گئی چنانچہ . . . .

Scanned with OKEN Scanner

ان دنوں جب ہندوستان میں الیکشن کی ہمہ ہمی تھی۔ کانگریس کو موقعہ ملا اور اس نے آزاد ہند فوج کے مقدمات کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور ایک ڈیفنس کمیٹی بنا کر حکومت سے حسب ذیل درخواست کی کہ:

" ہر ہندوستانی کو معلوم ہے کہ آزاد ہند فوج کا قیام کن حالات کا نتیجہ تھا اس لیے یہ کہنا ہرگز مبالغہ نہیں ہے (چاہے کچھ لوگ اب بھی شبہ کریں) کہ جن حالات نے آزاد ہند فوج کے قیام میں مدد دی تھی ان کی معقولیت یقیناً شبہ سے بالاتر ہے۔ ہندوستان کے تمام فرقے اور مختلف سیاسی عقائد رکھنے والے آزاد ہند فوج کے ان دلیروں کے متعلق (جن کا کورٹ مارشل ہو رہا ہے) یہی سمجھتے ہیں کہ انھوں نے بے غرض حب الوطنی ہی کے جذبہ سے متاثر ہو کر اس تحریک میں حصہ لیا تھا۔ وہ ان کے اس جذبہ کو قابل تعریف اور محب وطن تسلیم کرتے ہیں۔ جب جاپان نے فرانسیسی اور ڈچ علاقوں پر ....

..... قبضہ کر لیا اور برما دشمن کے ہاتھ میں چلا گیا۔ ملایا اور سنگاپور کا بھی وہی حشر ہوا جو برما کا ہوا تھا تو وہاں کے بسنے والے ہندوستانیوں کی بھاری تعداد کے دل میں زبردست خواہش پیدا ہوئی کہ وہ ان خراب اور غیر یقینی حالات میں اپنے آپ کو منظم کریں نہ صرف اپنے ڈیفنس اور حفاظت کے لیے بلکہ اس لیے بھی کہ وہ اپنے ملک کو غیر ملکی حکومت کے پنجہ سے آزاد کرانے کے لیے سرگرم جدوجہد میں مصروف ہو جائیں۔ دُنیا بھر میں نہایت تیزی کے ساتھ بدلتے ہوئے حالات کے ماتحت اپنے فیصلہ کو عملی جامہ پہنائیں۔ فیصلہ کے مطابق وہ اپنی تجاویز کو ٹھوس بنانے اور اپنے پیارے ملک کی آزادی حاصل کرنے کے کام میں لگ گئے۔ انڈی پینڈنس لیگ (آزاد لیگ) نے جوان ممالک کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی تھی۔ آزاد ہندوستان کے لیے ایک عارضی حکومت قائم کی۔ اس حکومت کے زیر سایہ آزاد ہند فوج اپنی تربیت اور تنظیم پر بھروسہ کر کے میدانِ عمل میں نکل آئی۔

Scanned with OKEN Scanner

حالات کا صحیح جائزہ لینے کے بعد یہ بات صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ یہ محض کٹھ پتلی حکومت نہیں تھی، بلکہ وہ ایک آزاد گورنمنٹ تھی جس کو بین الاقوامی برابری کا درجہ حاصل تھا۔

اس فوج میں وہ ہندوستانی جو مشرقی ایشیا میں آباد تھے اور ہندوستانی فوج کے وہ سپاہی جو انگریزوں کے حق میں لڑتے ہوئے دشمن کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے تھے، بہت بھاری تعداد میں ہندوستانی فوج میں شامل ہو گئے۔

ہم یہاں کسی ایسی بحث میں پڑنا نہیں چاہتے جو آزاد ہند فوج کے قانونی درجہ کے متعلق ہو اور یہ بھی نامناسب ہوگا کہ ہم یہاں اس سوال پر بحث کریں کہ کیا آزاد ہند فوج کے یہ لوگ کسی جرم کے قصوروار ہوئے یا نہیں بلکہ سوال تو یہ ہے کہ کیا یہ پبلک مفاد کے خلاف نہ ہوگا کہ ان کے مقدمات کی سماعت کی جائے۔ اور اگر فرض کر لیا جائے کہ ایسا نہیں ہے تو سوال یہ ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جو یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ یہ پبلک مفاد کے خلاف نہیں ہے۔ پبلک کی رائے ظاہر ہو چکی ہے کہ وہ ان لوگوں کو بے غرض محبِ وطن سمجھتی ہے۔ آزاد ہند فوج کے خلاف یہ الزام ہے کہ انھوں نے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر ہندوستان کی سرزمین میں برطانوی حکومت کے پنجہ سے اپنے ملک کو آزاد کرانے کی کوشش کی ہے۔ اس فوج کے افسروں کے خلاف جو الزام ہے اس کا ابتدائی تعلق ہندوستانی عوام اور برٹش گورنمنٹ سے ہے اور برطانوی حکومت کھلے طور پر یہ اعلان کر چکی ہے کہ ہندوستان کو حق ہے کہ اگر ہندوستانی عوام چاہیں دولت متحدہ برطانیہ سے علیحدہ ہو سکتے ہیں۔ ہز میجسٹی کی گورنمنٹ کی طرف سے مسٹر ویجوڈ بین سیکرٹری آف اسٹیٹ نے ہاؤس آف کامنز میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا: "نظری اعتبار سے ہندوستان کے درجۂ نو آبادیات کے حصول میں چاہے کچھ کمی ہو۔ لیکن عملی اعتبار سے یہ اسے حاصل ہے۔ اس

Scanned with OKEN Scanner

حیثیت کا پہلا حق یہ ہوتا ہے کہ ایک ایسے معاملہ میں جس سے بہت سے ایسے ہندوستانیوں کی زندگی اور آزادی کا تعلق ہے جو مختلف پارٹیوں اور خاص خاص فرقوں سے تعلق رکھتے ہیں، ہندوستان کی رائے عامہ معلوم کی جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔ اس لیے ملک کی رائے عامہ کا لحاظ رکھے۔ بغیر آزاد ہند فوج کے آدمیوں کے خلاف مقدمہ کی کارروائی آگے نہ چلانی چاہیے۔

آج ہندوستان اس مرحلہ پر ہے جب سنٹرل اسمبلی اور پراونشل لیجسلیٹو اسمبلیاں توڑ دی گئی ہیں۔ دسمبر ۱۹۴۵ء کے وسط تک مرکزی اسمبلی کا پھر چناؤ ہو جائے گا اور مارچ ۱۹۴۶ء تک برطانوی ہند کے تمام صوبوں میں عام انتخابات ہو چکیں گے اور حکومت برطانیہ کو امید ہے کہ اس کے بعد بہت جلد صوبوں میں وزارتیں بن جائیں گی اور وہ اپنے اپنے صوبوں میں حکومت کا کام سنبھال لیں گی۔ گورنر جنرل نے بھی عام چناؤ کے بعد جلد ہی اپنی ایگزیکٹو کونسل کو دوبارہ ترتیب دینے کا ارادہ ظاہر کیا ہے تاکہ وہ ملک کی رائے عامہ کی نمائندگی کر سکے۔ یہ تمام آئینی واقعات آئندہ چند ماہ میں پیش آنے والے ہیں۔

ڈیفنس کمیٹی کو یقین ہے کہ گورنر جنرل اس وقت اپنی نئی ایگزیکٹو کونسل کے مشورہ سے اس معاملہ میں رائے عامہ کا زیادہ اچھی طرح اندازہ لگا سکیں گے۔ نئی مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں میں عوام کے نمائندوں کو بھی اس بارے میں اپنی رائے ظاہر کرنے کا موقع مل سکے گا۔ آزاد ہند فوج میں عوام دلچسپی لے رہے ہیں کیونکہ ہر صوبے کے لوگ اس میں شامل ہیں۔ نئی حکومت اس بارے میں صحیح فیصلہ کر سکے گی کہ آیا آزاد ہند فوج کے افسروں اور سپاہیوں کے خلاف مجوزہ مقدمہ چلانا بھی چاہیے اور اگر چلانا چاہیے تو کب اور کس طرح۔

اس لیے ڈیفنس کمیٹی پُرزور مطالبہ کرتی ہے کہ ۴ نومبر ۱۹۴۵ کے لیے جس مقدمہ کی سماعت مقرر ہوتی ہے وہ اور نیز وہ تمام مقدمات جن کے چلانے کا خیال ہے اگر ترک نہ کیے جائیں تو کم از کم ملتوی ضرور کر دیے جائیں اور اس

Scanned with OKEN Scanner

مسئلہ پر گورنر جنرل کی نئی ایگزیکٹو کونسل بننے اور صوبوں میں نئی وزارتیں قائم ہونے کے بعد از سرِ نو غور کیا جائے۔ ڈیفنس کمیٹی کو یقین ہے کہ اگر اس معاملہ کو تنگ نظری اور قانونی نقطہ نظر سے دیکھ کر فیصلہ کیا گیا تو یہ بہت بڑا سانحہ ہوگا۔ اس نوعیت کے مسائل کو جن کی پہلے کوئی مثال نہیں ایک وسیع اور مدبرانہ سپرٹ میں طے کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ ان کے بہت سے پہلو ہیں جو عوام کے مفاد کے لحاظ سے زبردست اہمیت رکھتے ہیں اور اگر جلد بازی میں ایسے فیصلے کیے جو عوام کی مرضی اور جذبہ کے موافق نہ ہوئے تو ان کا ہندوستان کے طول و عرض میں دُور رس اثر ہوگا۔

ڈیفنس کمیٹی درخواست کرتی ہے کہ آزاد ہند فوج کے افسران اور سپاہیوں کے خلاف مقدمات واپس لے لیے جائیں یا کسی کورٹ مارشل کے رُوبرو کسی مقدمہ کی اس وقت تک سماعت شروع نہ کی جائے جب تک مرکز میں عارضی حکومت نہ بن جائے اور صوبوں میں نئی وزارتیں کام نہ کرنے لگیں اور تا وقتیکہ حکّام متعلقہ کو ضروری ہدایتیں جاری نہ کر دی جائیں۔

اس عرضداشت کی ایک نقل کمانڈر انچیف کے پاس بھیج دی گئی اور ان سے درخواست کی گئی کہ مقدمہ کو اس وقت تک کے لیے ملتوی کر دیا جائے جب تک نئی حکومت برسرِ اقتدار نہ آجائے جیسا کہ نمائندہ اسمبلی کے بارے میں برطانوی حکومت کے تازہ ترین اعلان سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جلد یا بدیر ہندوستان میں اپنی آزاد حکومت قائم ہو جائے گی۔ ڈیفنس کمیٹی کے اس موقف کی مزید وضاحت کرتے ہوئے صدر کانگریس نے اپنے ایک بیان میں کہا:

"جہاں تک بین الاقوامی ٹربیونل کا تعلق ہے صرف انہی جرائم کے متعلق مقدموں کی سماعت بین الاقوامی قوانین کے ماتحت ہو سکتی ہے جو جنگی جرائم ہوں اور یہاں تو صورتِ حال یہ ہے کہ ایک ریاست باقاعدہ دوسری ریاست سے لڑ رہی تھی اور جنگی قیدیوں سے فتح یاب ریاست یہ کہتی ہے کہ بتاؤ تم قیدی ہو یا

نہیں۔ یہ بین الاقوامی قانون کے خلاف ہے۔ اس وقت مجھے اور جرائم سے غرض نہیں میں تو صرف جنگ کا ذکر کر رہا ہوں اور مجھے یہ قبل از وقت اندازہ بھی نہ کرنا چاہئے کہ مقدمہ میں کیا ہوگا۔ اس لیے اس معاملہ میں کچھ اور زیادہ نہیں کہنا چاہتا۔

البتہ مجھے پہلے اس سوال کا جواب دینا ہے جو مختلف گوشوں سے بار بار کیا جا رہا ہے کہ کانگریس ان سپاہیوں کے بچاؤ کا مقدمہ کیسے لڑ سکتی ہے جو محوری قوتوں کی طرف سے اتحادیوں کے خلاف لڑائی لڑے۔ اس سلسلہ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جب ان قیدیوں کے لیے کانگریس نے ڈیفنس کمیٹی بنائی تو اس کے بعد اور بھی انجمنوں کی ڈیفنس کمیٹیاں بننے کی خبر آئی ہے۔ یہ انجمنیں مختلف فرقوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آزاد ہند فوج کے بارے میں ملک کے احساسات کیا ہیں۔ دوسرے تمام واقعات سے جو اب تک علم میں آئے ہیں یہ بات ظاہر ہے کہ آزاد ہند فوج کو جاپانی غلبہ کے خلاف زبردست جدوجہد کرنی پڑی تھی اور وہ جنگ میں جاپانیوں کے اوزار بن کر نہیں بلکہ آزاد ریاست کی فوج بن کر گئے تھے۔ ان کا مقصد اپنے ملک کو غیر ملکی حکومت سے آزاد کرانا تھا۔ کوئی خوددار ہندوستانی اپنے اہل ملک کے جذبۂ آزادی کی قدر کیے بغیر نہیں رہ سکتا خواہ وہ کسی جماعت اور فرقہ سے تعلق رکھتا ہو۔"

ڈیفنس کمیٹی کا مطالبہ رد کر دیا گیا

حکومت ہند نے ڈیفنس کمیٹی کے اس معقول مطالبہ کو ماننے سے انکار کر دیا سیکرٹری محکمہ جنگ نے مسٹر ڈیسائی اور مسٹر آصف علی کو ان کے خط کے جواب میں لکھا کہ

" مجھے ہدایت ہوئی ہے کہ آپ کی اس عرضداشت کا جواب جو آپ نے ۱۵ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو انڈین نیشنل آرمی ڈیفنس کمیٹی کی طرف سے بھیجی ہے جس میں آپ نے درخواست کی ہے کہ انڈین نیشنل آرمی کے تمام افسروں اور سپاہیوں کے خلاف مقدمات واپس لے لیے جائیں یا کم سے کم ان کو اس وقت تک کے لیے ملتوی کر دیا جائے جب تک کہ گورنر جنرل کی نئی ایگزیکٹو کونسل بنے اور مرکز میں نئی اسمبلی وجود میں آئے اور

صوبوں میں چناؤ کے بعد نئی وزارتیں قائم ہوں۔

آپ کی کمیٹی کو یاد ہوگا۔ حکومت ہند نے اس بارے میں ۲۷/۲۸/۲۹ ستمبر کو پریس کمیونک شائع کیے تھے جن میں اپنی پالیسی کا اظہار کیا تھا۔ ان کی نقل ہمراہ بھیجی جارہی ہے۔ ۲۷/ اگست کے پریس نوٹ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ دشمن کے ساتھ جو لوگ مل گئے تھے ان میں بہت کم تعداد ایسے لوگوں کی ہے کہ ان کے خلاف جو الزامات لگائے گئے ہیں اگر وہ صحیح ثابت ہو گئے تو ان پر وہ رحم کرنا غلطی ہوگا جو اکثریت پر کیا گیا ہے۔ ان لوگوں کے خلاف ضرور مقدمہ چلایا جائے گا مجھے ہدایت ہوئی ہے کہ میں آپ کو مطلع کردوں کہ حکومت ہند کو اپنے اس فیصلے کو بدلنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

آپ کی کمیٹی نے التوا کی جو درخواست کی ہے، اس کے بارے میں مجھے ہدایت ہوئی ہے کہ میں آپ کو مطلع کردوں کہ حکومت ہند کو افسوس ہے کہ وہ یہ طریقہ اختیار نہیں کرسکتی۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ بہت سے ایسے اشخاص کے خلاف جن کی تعداد ابھی طے نہیں ہوئی، انصاف کی کارروائی کئی ماہ تک ملتوی رہے۔

ذخیرہ کتب
انیس نقوی
03142893816
Scanned with OKEN Scanner

باب ۳

آزاد ہند فوج کے مُقدّمات

سامراج ہمیشہ یک رُخا ہوتا ہے اس کو تاریخ کی جدلیات کا قطعاً ادراک نہیں ہوتا سامراج اپنے تمام اقدام صرف اپنے ایک بنیادی فلسفہ کے تحت اٹھائے جارہا تھا کہ محکوم کو رعایت بھی دو تو ایسے انداز میں دو کہ وہ اس کو خیرات اور حاکم کی رحم دلی سمجھے وگرنہ نظم و نسق اور ڈسپلن کے نام پر تشدّد روا رکھا جائے، یہ تھا وہ فلسفہ جو برطانوی سامراج کو آزاد ہند فوج کے مسئلے پر پسپا ہونے سے روکے ہُوئے تھا۔ حالانکہ پورا ملک اس مسئلے پر شعلہ بداماں تھا اور احتجاجی تحریک اس برصغیر کے چار دانگ عالم میں پھیل رہی تھی، لطف یہ ہے کہ اس پوری تحریک میں مسلم لیگ اور جناح صاحب کے صرف ایک دو بیانات ہی دیکھنے میں آتے ہیں اور وہ نیم دلی سے اس تحریک کی حمایت کر رہے تھے۔ حالانکہ آزاد ہند فوج میں مسلمان بھی اسی طرح ملوث تھے جس طرح کہ دوسرے فرقے کے لوگ شامل تھے۔ بہرحال جب کانگریس کی قراردادیں، ڈیفنس کمیٹی کی یادداشتیں اور عوامی اجتماعات حکومت کے قدم نہ روک سکی تو پھر ڈیفنس کمیٹی نے اپنی قانونی موشگافیوں سے اس معاملے کو طوالت دینے کا فیصلہ کیا تاکہ اس دوران عوام کے دباؤ میں مزید اضافہ کیا جا سکے کیونکہ کانگریس کو یقین تھا کہ جیسے جیسے عوامی دباؤ بڑھے گا، اس کا اثر ایک طرف کانگریس کی انتخابی مہم میں خاصا فیصلہ کن ثابت ہوگا۔ دوسری طرف برطانوی حکومت کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دے گا۔

مُقدّمہ چلانے کا قانونی حق

ہوا یوں کہ جب حکومت نے اپنے اس مصمم ارادہ کا اظہار کر دیا کہ وہ آزاد ہند فوج کے افسروں اور سپاہیوں پر ضرور مقدمہ چلائے گی اور اس سلسلہ میں اس نے کچھ ملزموں کے ناموں

Scanned with OKEN Scanner

کا بھی اعلان کر دیا تو ڈیفنس کمیٹی نے یہ سوال اٹھایا کہ آیا حکومت ان لوگوں پر مقدمہ چلا بھی سکتی ہے یا نہیں۔ ڈیفنس کمیٹی نے اپنے اس خیال کا اظہار شروع کر دیا کہ حکومت ان لوگوں پر مقدمہ چلانے کا کسی طرح حق نہیں رکھتی۔ ڈیفنس کمیٹی کی طرف سے مسٹر آصف علی نے آزاد ہند فوج کے قیام کا پس منظر بیان کرتے ہوئے بتایا :

"موجودہ آزاد ہند فوج جس کے افسروں کے خلاف مقدمات قائم کیے جا رہے ہیں وہ پہلی آزاد ہند فوج نہ تھی بلکہ یہ دوسری آزاد ہند فوج تھی جس کو عبوری آزاد ہند حکومت کے تحت قائم کیا گیا تھا کیونکہ پہلی آزاد ہند فوج کپتان موہن سنگھ کے ماتحت بنی تھی۔ لیکن جب اس فوج کے افسروں نے یہ محسوس کیا کہ جاپانی اسے اپنے مقصد کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں تو اسے توڑ دیا گیا دوسری آزاد ہند فوج میں ہندوستان کے گرفتار کیے ہوئے سپاہی اور شہری تھے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس سلسلہ میں بعض اخبارات کے خاص نامہ نگاروں کے ذریعہ بہت کچھ متعصبانہ پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے۔ اس لیے ملزموں کو خدشہ ہے کہ ان کے مقدمہ کی سماعت منصفانہ نہیں ہوتی۔ کیونکہ ان کے خلاف زہر آلود فضا پیدا کی جا رہی ہے۔

ملزموں کے خلاف خاص الزام یہ ہے کہ انھوں نے ملک معظم کے خلاف جنگ چھیڑی۔ اس مقدمہ پر اثر انداز ہوئے بغیر اور ملزموں کی صفائی کے پہلو پر روشنی ڈالے بغیر جس کا انھیں پورا حق ہے۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ دیکھنا انتہائی مشکل ہے کہ آزاد حکومت کی آزاد فوج چاہے وہ اسی طرح کی عارضی کیوں نہ ہو۔ جیسے بہت سی حکومتیں انگلستان میں عارضی طور پر بن گئی تھیں۔۔ تعزیرات ہند کے تحت کیونکر مقدمہ چلایا جا سکتا ہے۔ اگر ایسے لوگوں پر کسی کو مقدمہ چلانے کا حق ہو سکتا ہے تو وہ آزاد ہندوستان کی حکومت ہو گی۔"

اس کے جواب میں حکومت نے اعلان کیا :

" آزاد ہند فوج میں تقریباً ۴۳ ہزار آدمی تھے جن میں ۲۳ ہزار شہری تھے اور

Scanned with OKEN Scanner

بیس ہزار انڈین آرمی کے سپاہی تھے۔ ان بیس ہزار میں سے تین ہزار سپاہی لاپتہ ہیں اور جو تین ہزار دوران جنگ میں پکڑے گئے تھے وہ ابھی تک ہندوستان نہیں آئے ہیں۔ باقی ماندہ چودہ ہزار سپاہیوں میں سے تقریباً ڈھائی ہزار نے اپنی صفائی دے دی ہے۔ باقی رہے گیارہ ہزار پانچ سو۔ ان میں سے چھ ہزار بسلسلہ رحم خسروانہ بیالیس دن کے حق رخصت کے ساتھ چھوڑ دیے گئے ہیں۔ تقریباً ساڑھے پانچ ہزار ایسے بچے ہیں، جن کے متعلق تحقیقات ہو رہی ہے تحقیقات ختم ہونے کے بعد ان پر مقدمہ چلایا جائے گا۔ اس وقت یہ کہنا ناممکن ہے کہ کن پر مقدمہ چلے گا لیکن مقدمہ چلنے والوں کی تعداد بہت کم ہوگی۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے، یہ تعداد چار سو سے زیادہ نہ ہوگی۔"

مندرجہ بالا سرکاری اعلان کے بعد ۵ نومبر ۱۹۴۵ء سے دہلی کے لال قلعہ میں کورٹ مارشل کے سامنے آزاد ہند فوج کے تین بڑے آفیسروں کے خلاف مقدمہ پیش کیا گیا۔

۱۔ کپتان شاہنواز خان $\frac{1}{14}$ پنجاب رجمنٹ

۲۔ کپتان پی کے سہگل $\frac{5}{10}$ بلوچ رجمنٹ

۳۔ لیفٹیننٹ جی ایس ڈھلوں $\frac{1}{14}$ پنجاب رجمنٹ

مندرجہ بالا تینوں افسران کی زندگی کے مختصر حالات عدالت میں پڑھ کر سنائے گئے۔

کپتان شاہ نواز

ان کی عمر اس وقت تقریباً ۳۰ سال تھی، شادی شدہ تھے اور ایک بچے کے باپ۔ یہ اپنے بچے کو ایک سال کا چھوڑ کر گئے تھے۔ اب اس کی عمر پانچ سال تھی۔ راولپنڈی کے فوجی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے ساتھ سے زیادہ رشتہ دار فوج میں ملازم تھے جن میں سے کئی اصحاب اچھے اونچے عہدوں پر فائز تھے۔ حقیقی بھائی انڈین آرمی میں کمیشن یافتہ افسر تھا اور ان کے چچا پنجاب اسمبلی کے ممبر تھے۔

کپتان شاہ نواز کو فوجی تعلیم کے زمانے ہی میں اعلیٰ قابلیت کا افسر مانا گیا تھا ان

کی بہادری کا ریکارڈ ابتدا ہی سے بہت شاندار رہا تھا۔ ملایا کی لڑائی میں کپتان شاہنواز کو اعلیٰ افسروں کی خاص سفارش پر بھیجا گیا تھا۔

آزاد ہند فوج میں انھیں یکم ستمبر ۱۹۴۲ء کو سیکنڈ لفٹیننٹ کا عہدہ دیا گیا۔ اس کے بعد لفٹیننٹ کرنل بنا دیا گیا۔ تین چار ماہ تک لفٹیننٹ کرنل شاہ نواز نے آزاد ہند فوج ہیڈ کوارٹر کے ٹریننگ اسکول کے افسر کی حیثیت سے کام کیا اور ۱۷ اپریل کو انھیں چیف آف جنرل اسٹاف مقرر کر دیا گیا اور فروری ۱۹۴۵ء کو کرنل کے درجہ تک ترقی دی گئی۔

کپتان سہگل

عمر ۲۸ سال۔ لاہور کے جسٹس سر دارا چھر و رام کے صاحبزادے تھے زمانہ تعلیم میں ان کی قابلیت کا ستارہ چمکنا شروع ہو گیا تھا۔ فوج میں بھی ان کا ریکارڈ شاندار رہا۔ کپتان سہگل نے انگریزوں کے ہتھیار ڈالنے سے قبل کوٹا بادا اور بعد کی لڑائیوں میں بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا۔ فوجی حلقوں میں ان کی رجمنٹ اور خود ان کا نام بڑی تعریف کے ساتھ لیا جاتا تھا۔

آزاد ہند فوج میں مسٹر سہگل کپتان سے سیکنڈ لفٹیننٹ بنائے گئے اور ۱۵ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو انھیں لفٹیننٹ کرنل کا درجہ دیا گیا اور ۱۷ اپریل ۱۹۴۴ء کو وہ ملٹری سکریٹری بنا دیے گئے۔

لفٹیننٹ ڈھلوں

عمر تقریباً ۳۴ سال، شادی شدہ ہیں۔ آپ کے دو بھائی ہیں ان میں سے ایک فوجی افسر ہیں اور دوسرے ڈپٹی۔ ابتدائی زندگی بڑی تنگی میں گزاری۔ ذاتی قابلیت ہی تھی جس کی وجہ سے وہ فوج میں افسر کے درجہ تک پہنچ گئے وہ ایک فوجی خاندان کے فرد ہیں، جس کے ۲۲ افراد فوج میں شامل ہیں۔ کپتان ڈھلوں کے ایک بھائی جو فوج میں اچھے عہدے پر مامور تھے، مقدمہ کی پیروی میں امداد دینے کے لیے ملازمت سے مستعفی ہو گئے ہیں۔ عجیب اتفاق ہے کہ ان دونوں بھائیوں کا اپنھال کے مورچہ پر مقابلہ ہو گیا تھا۔ ایک بھائی آزاد ہند فوج کے دستوں کی کمان کر رہا تھا اور دوسرا برطانوی فوج میں شامل تھا۔

آزاد ہند فوج میں کپتان ڈھلوں پہلے آئی سی سپلائی اور ٹرانسپورٹ کے عہدے

Scanned with OKEN Scanner

پر مامور تھے ۱۹۴۳ء میں انھیں سیکنڈ آئی سی بنادیا گیا۔ ۱۹۴۴ء میں وہ چوتھی گوریلا رجمنٹ (نہرو بریگیڈ) کے کمانڈنگ افسر مقرر کیے گئے۔

کورٹ مارشل کے اراکین

آزاد ہند فوج کے ان افسران پر مقدمہ چلانے کے لیے حکومت ہند نے جو فوجی عدالت مقرر کی تھی، اس کے صدر میجر جنرل اے بی الگزینڈر تھے۔ باقی چھ ارکان کے نام جن میں تین انگریز اور تین ہندوستانی افسر تھے۔

۱ : بریگیڈیر اے جے ایچ بورک (انڈین آرمی)
۲ : لفٹیننٹ کرنل سی آر اسٹوارٹ (انڈین ریگولر ریزرو آفیسر)
۳ : لفٹیننٹ کرنل ٹی آئی اسٹونسن (رائل گڑھوال رائفلز)
۴ : لفٹیننٹ کرنل ناصر علی خاں (راجپوت رجمنٹ)
۵ : میجر جی پریتم سنگھ (آئی۔ اے۔ وی)
۶ : میجر بنواری لال (پنجاب رجمنٹ)

تین اور افسر جن میں سے دو ہندوستانی اور ایک انگریز تھے مقرر کردیے گئے تھے تاکہ عدالت کے کسی ممبر کی اتفاقیہ غیر حاضری میں اس کی جگہ پر کی جا سکے۔ ان کے نام یہ ہیں۔

۱ : لفٹیننٹ کرنل سی ایچ اکسن۔
۲ : میجر ایس ایس پنڈت۔ فرسٹ پنجاب رجمنٹ
۳ : کپتان گوردیال سنگھ وندھو۔ ۱۳ ڈی۔ سی او۔ لانسرس

کرنل ایف۔ سی۔ اے، کیرن ڈپٹی جج ایڈووکیٹ جنرل (سنٹرل کمانڈ) سے فوجی قانون کے متعلق عدالت کے ممبر استغاثہ اور صفائی کے وکیل بشرط ضرورت مشورہ کرسکیں گے۔

صفائی کے وکیل

کانگریس کی ڈیفنس کمیٹی نے آزاد ہند فوج کے مقدموں میں صفائی کی پیروی کے لیے ملک کے ۹ مشہور قانون داں مقرر کیے۔ ان کے نام یہ ہیں۔

۱ : پنڈت جواہر لال نہرو　　　　۲ : سر تیج بہادر سپرو

Scanned with OKEN Scanner

۳ : مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی — ۴ : ڈاکٹر کیلاش ناتھ کاٹجو
۵ : رائے بہادر بدری داس — ۶ : مسٹر آصف علی
۷ : کنور سر دلیپ سنگھ — ۸ : بخشی سر ٹیک چند
۹ : مسٹر پی۔ کے۔ این

ان کے علاوہ اور بھی جونیئر وکیل صفائی کی پیروی کر رہے تھے۔
استغاثہ کی پیروی سر نوشیرواں پی انجینئر ایڈووکیٹ جنرل آف انڈیا ملٹری اور پراسیکیوٹر لفٹیننٹ کرنل پی واش کر رہے تھے۔

فردِ جرم

۱۔ تاج برطانیہ کے خلاف جنگ میں شرکت۔
سنگاپور، ملایا، رنگون اور برما کے متعدد مقامات پر تینوں ملزموں نے ستمبر ۱۹۴۳ء سے ۲۶ اپریل ۱۹۴۵ء تک تاجِ برطانیہ کے خلاف جنگ میں شرکت کی۔

۲ : جرم قتل۔
مجرم لفٹیننٹ ڈھلوں برما میں پوپا کی پہاڑی کے قریب ۶ مارچ ۱۹۴۵ء کے قریب ہری سنگھ کے قتل کا مرتکب ہوا۔

۳۔ امدادِ قتل۔
مجرم کپتان سہگل مندرجہ بالا قتل میں امداد کا مرتکب ہوا۔

۴۔ جرم قتل۔
مجرم لفٹیننٹ ڈھلوں برما میں پوپا پہاڑی کے قریب ۶ مارچ ۱۹۴۵ء کو دُرگی چند کے قتل کا مرتکب ہوا۔

۵ : امدادِ قتل
مجرم کپتان سہگل مندرجہ بالا قتل میں امداد کا مرتکب ہوا۔

۶ : جرم قتل۔
مجرم لفٹیننٹ ڈھلوں برما میں پوپا پہاڑی کے نزدیک ۶ مارچ ۱۹۴۵ء کو دریاؤ سنگھ کے قتل کا مرتکب ہوا۔

Scanned with OKEN Scanner

۷ : امدادِ قتل۔

مجرم کپتان سہگل مندرجہ بالا قتل میں امداد کا مرتکب ہُوا۔

۸ : جرمِ قتل۔

مجرم لفٹیننٹ ڈھلوں برما میں پوپا پہاڑی کے نزدیک ۶ مارچ ۱۹۴۵ء کو دھرم سنگھ کے قتل کا مرتکب ہُوا۔

۹ : امدادِ قتل۔

مجرم کپتان سہگل مندرجہ بالا قتل میں امداد کا مرتکب ہُوا۔

۱۰ : امدادِ قتل۔

مجرم کپتان شاہ نواز برما میں پوپا پہاڑی کے قریب توپچی محمد حسین کے قتل میں امداد کا مرتکب ہوا۔ اس قتل میں خزین شاہ اور آیا سنگھ بھی امداد کے مرتکب ہُوئے تھے۔

ملزموں کے بیانات

ملزموں نے فوجی عدالت کے سامنے بیان دیتے ہُوئے انتہائی جرأت اور دلیری کے ساتھ اس امر کا اقرار کیا کہ انھوں نے تاج برطانیہ کے خلاف جنگ میں شرکت کی تھی۔ انھوں نے بتایا کہ وہ ملک کی محبت کی خاطر آزاد ہند فوج میں بھرتی ہوُئے اور ان کی شکست کے بعد برطانوی حکومت نے انھیں جنگی قیدی کی حیثیت سے پکڑ لیا تھا۔ اس لیے ہم پر جو مقدمہ چلایا گیا وہ قطعاً ناجائز ہے۔

کپتان شاہ نواز نے اپنے بیان میں کہا :

"میں نے ایسا کوئی جرم نہیں کیا ہے، جس کی بنا پر فوجی یا دوسری عدالت میں مجھ پر مقدمہ چلایا جا سکے۔ میں اس سے انکار نہیں کرتا کہ میں نے تاج برطانیہ کے خلاف جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا لیکن ایسا میں نے آزاد ہندوستان کی عارضی حکومت کے ممبر ہونے کی حیثیت سے کیا ہے۔ اس حکومت نے مادرِ وطن کو آزاد کرانے کے لیے تاج برطانیہ سے اعلان جنگ کیا تھا اور جو جنگ لڑی گئی وہ مہذب دنیا کے جنگی قوانین کے ماتحت لڑی گئی تھی۔ برطانوی فوج

نے اس قانون کے مطابق ہمیں مدِمقابل تسلیم کرلیا تھا۔"

کپتان شاہ نواز نے برطانیہ سے اپنے خاندانی تعلقات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔

" میرے والد نے تیس سال سے زیادہ عرصہ تک فوجی خدمت انجام دی ہے۔ میرے خاندان کا ہر فرد جو فوجی خدمت کے قابل تھا۔ پہلی اور دوسری دونوں جنگوں میں فوج میں بھرتی ہوتا رہا ہے۔ اس وقت انڈین آرمی میں ہمارے خاندان کے تقریباً ۸۰ افراد مختلف عہدوں پر فائز ہیں۔ میں ایسے خاندان سے تعلق رکھتا ہوں جس کی تاج سے وفاداری ایک مشہور روایت ہے۔

میں نے آزاد ہند فوج میں شرکت کا انتہائی غور و فکر کے بعد فیصلہ کیا تھا جس وقت ہم جاپانیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئے تو میں نے سوچا کہ اگر جاپانی، آزاد ہند فوج سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو اس کا سدّباب فوج میں شریک ہو کر ہی کیا جا سکتا ہے۔ میں یہ محسوس کرتا تھا کہ ہم چاہیں یا نہ چاہیں جاپانی ضرور ہندوستان میں داخل ہوں گے۔ میرا خیال تھا کہ جنگ ہر حالت میں ہندوستان کی سرزمین پر ہوگی۔ میں نہ سمجھتا تھا کہ برطانوی فوجیں جاپانی فوجی پیش قدمی کو روک سکیں گی۔

سبھاش چندر بوس کی تقریریں سننے کے بعد میں آزاد ہند فوج کی تحریک سے متفق ہو گیا۔ میری ان سے ہندوستان میں کبھی ملاقات نہ ہوئی تھی اور نہ مجھے ان کی پچھلی عملی سرگرمیوں کے متعلق کچھ علم تھا۔ ملایا میں میں نے ان کی جو تقریریں سنیں ان کا مجھ پر بہت اثر ہوا۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مجھ پر ان کی شخصیت اور تقریروں نے جادو کر دیا تھا۔ انھوں نے اپنی تقریروں کے ذریعہ میرے سامنے ہندوستان کی اصل تصویر رکھ دی اور میں نے اپنی زندگی میں پہلی بار ان کی مدد سے ہندوستان کو ایک ہندوستانی کی نظر سے دیکھا۔ مجھ پر ان کی بے غرضی، ملک سے سچی محبت اور جاپانی دباؤ کے سامنے جھکنے سے انکار کا بے حد اثر پڑا۔ میں نے ملایا کا حملہ دیکھا تھا۔ میں نہ چاہتا تھا کہ ہندوستان پر بھی اس قسم کا

حملہ ہوا اور میں ایک مجبور و مقہور قیدی بنا پڑا رہوں۔ میں نے تہیہ کر لیا کہ ہاتھ میں رائفل لے کر اپنے ملک کی عزت و آبرو اور جان و مال کی حفاظت بہتر طریقہ پر انجام دوں گا۔

میں نے آزاد ہند فوج میں شرکت کرتے وقت یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اپنی زندگی گھر بار، خاندان اور اس کی روایات (تاج سے وفاداری) سب کچھ قربان کر دوں گا۔ میں نے یہ بھی تہیہ کر لیا تھا کہ اگر میرا بھائی بھی میری راہ میں حائل ہوگا، تو اس سے بھی لڑوں گا۔ ۱۹۴۴ء کی لڑائی میں ہم سچ مچ ایک دوسرے کے خلاف لڑے۔ میرا بھائی زخمی ہو گیا۔ میرا چچیرا بھائی اور میں چن کی پہاڑیوں میں روزانہ دو ماہ تک ایک دوسرے کے خلاف لڑتے رہے۔ ہمارے سامنے بادشاہ یا ملک کی وفاداری میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کا سوال تھا۔ میں نے یہ طے کر لیا کہ میں اپنے ملک کا وفادار رہوں گا۔ میں نے "نیتا جی" کے سامنے حلف اٹھایا کہ میں ملک کی آزادی کی خاطر اپنی جان بھی قربان کر دوں گا۔

موصوف نے یہ بھی بتایا کہ مشرق بعید میں رہنے والے ہندوستانیوں نے کس طرح آزاد ہند فوج کے لیے سب کچھ قربان کر دیا تھا۔ پورے خاندان کے خاندان آزاد ہند فوج میں داخل ہو گئے اور اپنے ملک کے لیے فقیر بن گئے۔ موصوف نے یہ بھی بتایا کہ آزاد ہند فوج میں بھرتی ہونے کے لیے جنگی قیدیوں پر کسی قسم کا دباؤ نہیں ڈالا گیا۔ انھوں نے بتایا کہ افسروں کو سخت تنبیہ کر دی گئی تھی کہ کسی شخص کو آزاد ہند فوج کی شرکت پر مجبور نہ کیا جائے۔ نیتا جی نے ہر شخص کو عام اجازت دے دی تھی کہ اگر وہ بڑی قربانیاں نہیں دے سکتا تو آزاد ہند فوج سے علیحدہ ہو سکتا ہے۔"

کپتان شاہ نواز نے امدادِ قتل کے جرم سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ:

"محمد حسین کو موت کی سزا نہیں دی گئی اور نہ میں نے اس کے قتل کا کبھی کوئی حکم دیا تھا۔ اصل میں قصہ یہ تھا کہ محمد حسین آزاد ہند فوج میں رضا کارانہ طور پر

بھرتی ہوا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ انتہائی نازک موقع پہ بھاگنے کی کوشش کی۔ اگر وہ اس کوشش میں کامیاب ہوجاتا اور برطانوی افواج سے مل جاتا تو ہمیں زبردست تباہی کا مُنہ دیکھنا پڑتا۔ اس کا یہ فعل آزاد ہند فوج کے ایکٹ کی رُو سے موت کی سزا کا مستوجب تھا۔ میں نے اس کو ڈانٹ کر صرف یہ بتایا کہ اس کے اس جُرم کی سزا پھانسی ہے لیکن یہ چونکہ اس کی پہلی لغزش تھی اس لیے میں نے اسے چھوڑ دیا اور حکم دیا کہ اگر وہ دوبارہ اس قسم کا جُرم کرے تو میرے سامنے دوبارہ پیش کیا جائے۔ لیکن بعد میں نہ اس قسم کا واقعہ پیش آیا اور نہ یہ معاملہ دوبارہ پیش ہُوا۔

کپتان شاہ نواز نے نہایت پرخلوص انداز میں کہا:

"ہمیں سبھاش چندر بوس کی ہستی میں ایک حقیقی لیڈر مل گیا تھا۔ اس نے جب ہندوستان کے کروڑوں مفلس خستہ حال، نہتے مجبور و بے کس اور فاقہ زدہ انسانوں کی طرف سے اپیل کی کہ ہم آگے بڑھیں اور اپنے ملک کی آزادی کے لیے اپنی جان و مال کی قربانی [illegible] تو ہم میں سے ایک باعزت ہندوستانی بھی اس اپیل پر لبیک کہنے میں پس و پیش نہیں کرسکتا تھا۔"

کپتان شاہ نواز نے کہا کہ:

"مجھے سبھاش چندر بوس جیسا لیڈر مل گیا تھا۔ میں نے اس کے پیچھے چلنے کا فیصلہ کر لیا اور یہ میری زندگی میں سب سے بڑا فیصلہ تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس سلسلہ میں مجھے اپنے قریبی عزیز و اقارب سے جو برطانیہ کی ہندوستانی فوج سے تعلق رکھتے ہیں لڑنا پڑے گا۔ لیکن میں نے یہ بھی گوارا کر لیا۔"

وکیل صفائی کی تقریر

ملزموں کی صفائی میں مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی نے جو تقریر کی تھی اس کی اہمیت اس لیے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ وہ دنیا کی تاریخ میں اپنی نوعیت کی پہلی تقریر تھی، جو کسی فوجی عدالت کے سامنے کی گئی ہے اس میں موصوف نے فوجی عدالت کے سامنے پہلی مرتبہ یہ سوال رکھا کہ محکوم ممالک کے باشندوں کو

اپنے ملک کی آزادی حاصل کرنے کے لیے غیر ملکی حکومت کے مقابلے میں ہتھیار اٹھانے کا حق پہنچتا ہے یا نہیں ؟ مسٹر ڈیسائی نے تاریخی اور قانونی حقائق کی روشنی میں یہ ثابت کر دکھایا کہ محکوم باشندوں کو ملک کی آزادی کے لیے غیر ملکی حکومت سے جنگ کرنے کا ہر طرح حق حاصل ہے انھوں نے برطانوی مقبوضات سے متعلق پارلیمنٹ کے ایک اہم بیان کا اقتباس پڑھ کر سنایا جس میں یہ کہا گیا تھا کہ تمام انسان برابر کا درجہ رکھتے ہیں اور انھیں اس بات کا حق ہے کہ وہ مکمل آزادی حاصل کریں اور اپنے ملک میں آزاد حکومت قائم کریں۔ موصوف نے امریکہ کی جنگ آزادی کا بھی حوالہ دیا اور بتایا کہ امریکہ کے باشندے بادشاہ کے وفادار تھے لیکن اس کے باوجود انھوں نے بادشاہ سے وفاداری پر ملک کی محبت پر ترجیح دی اور یہ اس بہادری اور دُوراندیشی کا نتیجہ ہے کہ آج نہ صرف امریکہ خود آزاد ہے بلکہ اسی امریکہ نے (جس نے انگلستان کے بادشاہ سے بغاوت کی تھی)، آج انگلستان اور سارے یورپ کو محوری طاقتوں کی غلامی سے بچایا ہے۔

مسٹر ڈیسائی نے آزاد ہند فوج کے قیام کی تاریخ اور آزاد ہند حکومت سے وفاداری کا حلف اٹھانے کی تفصیلات بیان کیں اور یہ کہا کہ امریکہ کے خود دار باشندوں نے بغاوت کا جو جھنڈا لہرایا تھا اس میں اور آزاد ہند حکومت کے اعلانِ آزادی میں کیا فرق ہے ؟ جب دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے تو پھر آزاد ہند فوج کے سپاہیوں پر ملک کی غداری کا الزام کیوں لگایا جا رہا ہے۔

آزاد ہند فوج کے سپاہیوں کی غداری کے افسانے کو ثابت کرنے کے لیے یہ بات کہی جاتی ہے کہ وہ جاپانی حکومت کا آلۂ کار بنی ہوئی تھی اور اس کی اپنی کوئی مستقل حیثیت نہ تھی۔ مسٹر ڈیسائی نے اس سلسلہ میں بتایا کہ آزاد ہند فوج کو قائم کرنے اور اس کے کام کو چلانے والوں کی نہ نیت پر شبہ کیا جا سکتا ہے اور نہ ان کے طرزِ عمل پر کسی قسم کا کوئی اعتراض ہو سکتا ہے۔ آزاد ہند فوج کا یہ فیصلہ تھا کہ وہ جاپانیوں کے آگے سر نہ جھکائیں گے اور اگر کبھی جاپانی ہندوستان کی آزادی کے راستے میں رکاوٹ ثابت ہوئے تو وہ ان سے بھی لڑیں گے۔ وکیل صفائی نے مزید کہا کہ اس امر کا استغاثہ کے گواہوں نے بھی اعتراف کیا

ہے۔ اس سلسلہ میں موصوف نے لفٹیننٹ کرنل شاہ نواز کی تقریر کا بھی حوالہ دیا، جس میں انھوں نے اپنے سپاہیوں سے کہا تھا:

"اگر جاپانی تمھارے ایک تھپڑ مارے تو تم اس کے دو تھپڑ مارو۔ اگر جاپانی ہندوستان کی سرزمین میں کسی عورت کی بے حرمتی کریں تو پہلے انھیں سمجھاؤ اور اگر وہ نہ سمجھیں تو انھیں گولی سے اڑا دو۔"

مسٹر ڈیسائی نے دریافت کیا کہ مندرجہ بالا واضح اعلان کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ آزاد ہند فوج جاپانیوں کے ماتحت تھی، یا ان کی کٹھ پُتلی تھی۔ آزاد ہند فوج کے سپاہیوں سے لیکر کمانڈنگ آفیسر تک مکمل طور پر ہندوستانیوں پر مشتمل تھی۔ یہ فوج ہندوستانیوں کے سرمایہ سے چلتی تھی، ان کا جھنڈا ہندوستان کا قومی جھنڈا تھا۔ انھوں نے بھوک، پیاس، بیماری، موت غرضیکہ ہر مصیبت کا خوشی سے سامنا کیا۔ ہفتوں جنگلوں میں بسر کرتے رہے نمک اور کھانڈ بھی ان کے لیے عیاشی کا درجہ رکھتے تھے۔ جن لوگوں نے اس قدر تکالیف اٹھا کر جنگ میں حصہ لیا۔ ان پر یہ جُرم نہیں لگایا جا سکتا کہ وہ جاپانیوں کے آلہ کار بن کر آزاد ہند فوج میں شامل ہوئے تھے۔ آزاد ہند فوج کے بہادروں نے اپنے ہندوستان میں رہنے والے رشتہ داروں کی روایت، عزت اور راحت کی پرواہ نہ کرکے دلیرانہ اقدام اٹھایا، ایسے بہادروں پر کسی قسم کا الزام لگانا اپنی تنگ نظری کا ثبوت دینا ہے۔

آزاد ہند فوج کو جاپانیوں کا آلہ کار ثابت کرنے کے لیے استغاثہ کے چند گواہوں نے یہ کہا تھا کہ آزاد ہند فوج کی بھرتی جنگی قیدیوں میں سے جبری طور پر کی جاتی تھی۔ اس امر پر زور دے کر آزاد ہند فوج کے سپاہیوں کی حب الوطنی کو بدنام کرنا مقصود ہے۔ مسٹر ڈیسائی نے اس امر کا اقبال کیا ہے کہ لفٹیننٹ کرنل شاہنواز، سہگل اور خود مسٹر سبھاش چندر بوس نے اپنی تقریروں میں یہ کہا تھا کہ جو آدمی اپنے آپ کو قربان کرنے کے قابل نہیں سمجھتا، وہ آزاد ہند فوج چھوڑ سکتا ہے۔ آزاد ہند فوج کی بھرتی اتنی رضاکارانہ تھی کہ کئی ہزار والنٹیرز کیلیے ہتھیار بھی مہیا نہ کیے جا سکے۔ مسٹر ڈیسائی نے بتایا کہ جنگی قیدیوں کو اس لیے نہیں مارا پیٹا گیا کہ وہ آزاد ہند فوج

یں بھرتی ہوں بلکہ یہ سزا اس لیے دی گئی تھی کہ یا تو وہ مخبر تھے یا ان کے دوسرے کرتوت اس سزا کے مستحق تھے۔ اس معاملہ میں استغاثہ کی شہادت قطعاً ناقابلِ قبول ہے جن لوگوں نے اس قسم کی شہادتیں دی ہیں انھیں مذکورہ بالا کرتوتوں کی وجہ سے سزا دی گئی تھی مگر وہ انگریزی حکومت کے سامنے شہید کا درجہ حاصل کرنے کے لیے یہ جھوٹی کہانی گھڑ کر سناتے ہیں کہ انھیں آزاد ہند فوج میں شامل ہونے سے انکار کرنے پر سزائیں دی گئی تھیں استغاثے کی شہادتوں کے تضاد سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔ مسٹر ڈیسائی نے ان تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ اس لیے میں عدالت سے کہوں گا کہ وہ ان شہادتوں کو نظرانداز کر دے۔

دوسرے الزامات آزاد ہند فوج کے ان تین افسروں پر یہ لگائے گئے تھے کہ وہ قتل کے مرتکب ہوتے ہیں۔ مسٹر ڈیسائی نے بتایا کہ اس سلسلہ میں جو شہادتیں پیش کی گئی ہیں وہ قابلِ اعتبار نہیں ہیں۔

چار لوگوں کے قتل کے متعلق ایک رپورٹ ضرور پیش کی گئی ہے جس میں ان کے قتل کا حکم موجود ہے۔ لیکن جب تک اس بات کی قطعی شہادت موجود نہ ہو وہ چار آدمی جن کے قتل کا حکم موجود ہے شناخت کر لیے گئے ہوں۔ عدالت یہ فیصلہ نہیں کر سکتی کہ انھیں گولی کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہا گیا ہے کہ ان آدمیوں کو ہلاک کرنے کا حکم لفٹیننٹ ڈھلوں نے دیا تھا۔ لیکن صاف شہادت موجود ہے کہ بیان کردہ تاریخوں میں لفٹیننٹ ڈھلوں بیان کردہ مقام پر نہیں تھے۔ استغاثہ کے دو گواہوں نے تو یہ کہا ہے کہ وہ گولی مارنے کے وقت موجود تھے اور ایک کا بیان ہے کہ وہاں لفٹیننٹ ڈھلوں نہیں بلکہ وہاں ایک اور افسر موجود تھا۔

کپتان شاہ نواز پر امدادِ قتل کا جرم لگایا گیا تھا۔ مسٹر ڈیسائی نے کہا اس کے متعلق نہ کوئی رپورٹ موجود ہے اور نہ گولی مارنے کے بارے میں کوئی شہادت۔

اس طرح مسٹر ڈیسائی نے قوی دلائل سے یہ ثابت کر دیا کہ قرارداد ملزموں پر جو جرم عائد کیے گئے ہیں وہ سر تا پا غلط ہیں۔

Scanned with OKEN Scanner

مُلزموں کی حُبّ الوطنی کا اعتراف

مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی کی معرکۃ الآرا تقریر کے بعد استغاثہ کے وکیل سر نوشیرواں نے اپنی تقریر میں ملزموں کی حبّ الوطنی کا اعتراف کیا۔ لیکن اس کے ساتھ انھوں نے یہ کہا کہ ان کے خلاف جو الزامات لگائے گئے تھے وہ ثابت ہو گئے ہیں اور ان کا قانونی طور پر کوئی دفاع نہیں کر سکتا۔ موصوف نے اپنی تقریر میں اس بات پر زور دیا کہ آزاد ہند کی عارضی حکومت صرف کاغذوں پر تھی۔ اس کے پاس نہ ایک انچ زمین تھی اور نہ اس کا کوئی مالیاتی نظام تھا۔ جاپان نے اسے محض اس لیے تسلیم کر لیا تھا تاکہ وہ عارضی حکومت کو اپنا آلہ کار بنا سکے ملزمین کے بیان کے مطابق آزاد ہند فوج اس غرض سے قائم کی گئی تھی کہ ہندوستان سے برطانوی حکومت کو بے دخل کر دے لیکن دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہی نکلتا ہے کہ وہ ہندوستان فتح کرنے میں جاپانیوں کی مدد کرنے کے لیے قائم کی گئی تھی۔ قتل و اعانت قتل کے متعلق سر نوشیرواں نے یہ کہا کہ ان کے ثبوت کے لیے استغاثہ کی شہادتیں کافی ہیں۔ قتل کا حکم دیے جانے کا ثبوت ہو چکا ہے۔ اس کے بعد یہ کہا کہ ان کے احکامات کی تعمیل نہیں کی گئی قابلِ قبول نہیں ہے۔

ایڈووکیٹ جنرل نے اپنی تقریر کے آخر میں کہا کہ تمام الزامات ثابت ہو چکے ہیں البتہ ایسی شہادتیں کافی نہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ملزموں نے یہ کام ذاتی اغراض کے لیے نہیں بلکہ اپنے خیال میں ملک و قوم کی فلاح و بہبود کا ذریعہ سمجھ کر کیے تھے۔ مگر اس سے وہ قانون کی نگاہ میں بے قصور ثابت نہیں ہوتے۔ اتنا ضرور ہے کہ ان کی سزا تجویز کرتے وقت ان کی نیک نیتی اور جذبہ حب الوطنی پر غور کیا جا سکتا ہے۔ سزا کے معاملہ میں عدالت کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ عدالت انہیں کم سے کم جو سزا دے سکتی ہے وہ حبسِ دوام کی سزا ہے اگر عدالت یہ سمجھتی ہے کہ انھیں کم سے کم سزا ملنا چاہیے تو وہ اس کی سفارش اس افسر سے کر سکتی ہے جو اس سزا کی تصدیق کا مجاز ہے۔

رہائی کا اعلان

تینوں افسروں کی رہائی کے سلسلہ میں نئی دہلی سے ۳ جنوری ۴۶ئہ کو سرکاری اعلان میں کہا گیا:

"کپتان شاہ نواز خاں، کپتان سہگل اور لفٹیننٹ ڈھلوں تینوں کے خلاف کورٹ مارشل میں اس الزام کی سماعت ہوئی کہ انھوں نے ملک معظم کے خلاف جنگ کی یہ لفٹیننٹ ڈھلوں پر قتل کا بھی الزام ہے اور باقی دونوں پر اعانت قتل کا الزام تھا کورٹ مارشل کا یہ فیصلہ ہے کہ تینوں ملزم ملک معظم کے خلاف جنگ کرنے کے مجرم کے مرتکب ہوئے ہیں۔کپتان شاہ نواز کے خلاف اعانت قتل کا جرم بھی ثابت ہے۔لفٹیننٹ ڈھلوں قتل اور کپتان سہگل اعانت قتل کے الزام سے بری کر دیے گئے۔"

اس طرح حکومت نے عوامی دباؤ کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے۔عوامی دباؤ کی یہ سب سے بڑی فتح تھی اور ساتھ ہی برطانوی سامراج کی کمزوری کا واضح مظہر۔۔۔چنانچہ کورٹ مارشل کے فیصلہ میں کہا گیا۔

"ملک معظم کے خلاف جنگ کرنے کے جرم کا مرتکب گردانے کے بعد عدالت پر یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ ملزمان کو موت یا عمر قید کی سزا دے۔ قانون کے ماتحت اس سے کم کی سزا نہیں دی جا سکتی۔کورٹ مارشل نے تینوں ملزموں کو عمر قید کی سزا دی اور ان کی برخاستگی اور ان کی بقایا تنخواہ الاؤنس کی ضبطی کا حکم دیا۔کورٹ مارشل کا کوئی فیصلہ مکمل نہیں سمجھا جا سکتا، تا وقتیکہ اس کی تصدیق نہ ہو جائے۔اس معاملہ میں تصدیق کنندہ افسر یعنی کمانڈر انچیف نے یہ اطمینان کر لیا ہے کہ ہر ملزم کے متعلق کورٹ مارشل کا فیصلہ شہادت اور ثبوت کے مطابق ہے۔اس لیے اس نے حکم سزا کی تصدیق کر دی۔لیکن تصدیق کنندہ افسروں کو سزاؤں میں کمی کرنے یا سزائیں معاف کر دینے کا اختیار ہے۔جیسا کہ اخباروں میں اعلان کیا جا چکا ہے۔حکومت ہند کی یہ پالیسی ہے کہ آئندہ صرف ایسے اشخاص کے خلاف سماعت کی جائے جن پر حکومت کے خلاف جنگ کرنے کے علاوہ وحشیانہ مظالم کرنے کا الزام ہو۔البتہ یہ اعلان کیا جا چکا ہے کہ سزاؤں کے احکام پر نظر ثانی کرتے وقت تصدیق کنندہ افسر یہ دیکھے گا کہ ملزموں کے خلاف جو افعال ثابت ہوتے ہیں وہ مہذبانہ رویہ کے اصولوں کے

Scanned with OKEN Scanner

کہاں تک منافی ہیں لیفٹیننٹ ڈھلوں اور کپتان سہگل کو قتل اور اعانت قتل کے الزام سے بری کر دیا گیا اور یہ الزام نہیں لگایا گیا کہ وہ دوسرے وحشیانہ فعلوں کے مرتکب ہوئے ۔ اگرچہ کپتان شاہ نواز پر اعانت قتل کا الزام ثابت ہے اور ان کے خلاف جو واقعات ثابت ہیں، سنگین ہیں تاہم تصدیق کنندہ افسر نے ان حالات کالحاظ رکھا ہے جو اس وقت طاری ہیں ۔ اس لیے کمانڈر انچیف نے فیصلہ کیا ہے کہ تینوں ملزموں سے سزاؤں کے معاملہ میں یکساں سلوک کیا جائے اور تینوں کی عمر قید کی سزا معاف کر دی جائے مگر تصدیق کنندہ افسر نے ملزموں کی برخاستگی اور بقایا تنخواہ اور ضبطی کے حکم کی تصدیق کر دی ہے ۔ کیونکہ ہر حالت میں ایک افسر یا سپاہی کے لیے یہ بہت سنگین جرم ہے کہ وہ اپنے عہد وفاداری سے انحراف کرے اور حکومت کے خلاف جنگ کرے ۔ یہ ایسا اصول ہے جس کی پابندی قانون کی رو سے قائم شدہ حکومت کے حق میں خواہ وہ موجود ہو یا آئندہ لازمی ہے ۔

جشن فتح

چنانچہ ۴ جنوری ۱۹۴۶ء کو آزاد ہند فوج کے افسران کی رہائی پر لال قلعہ کی گراؤنڈ میں عظیم اجتماع ہوا ۔ جس میں قریباً دو لاکھ سے زائد عوام نے شرکت کی ۔ اس اجتماع میں آزاد ہند فوج کے ہرسہ آفیسروں نے اعلان کیا کہ :-

" آزاد ہند فوج کے سپاہی ہندوستان سے باہر رہ کر تشدد اور گولا بارود کے ذریعے آزادی کی جنگ لڑتے رہے ۔ لیکن ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی ان کا یہ طریق بدل گیا ہے ۔ اب ان کی جنگ آزادی کے ہتھیار گولہ بارود نہیں رہے، بلکہ ان کی جگہ عدم تعاون اور سول نافرمانی کے پرامن ہتھیار نے لے لی ہے ۔ اس لیے ہندوستان میں آکر آزاد ہند فوج کے ہر سپاہی پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ کانگریس کے جھنڈے تلے عدم تشدد کی جنگ لڑنا شروع کر دے ۔ یہ جنگ ابھی ختم نہیں ہوئی، جب تک ہندوستان غیر ملکی حکمرانوں سے آزاد نہ ہو جائے۔"

کیپٹن شاہنواز نے اس جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا :

Scanned with OKEN Scanner

صاحب صدر اور میرے دیش کے بھائیو اور بہنو! جے ہند

ہم تینوں آزاد ہند فوج کے افسران آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ کا شکریہ ادا کر سکیں۔ ہندوستان کے لوگوں کو مبارک باد دے سکیں اس لیے نہیں کہ ہماری جانیں بچ گئیں۔ جب وقت کوئی سپاہی وطن کے لیے لڑنے کو کھڑا ہوتا ہے تو اس کو اپنی جان کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ میں اس بات کی مبارک باد دیتا ہوں کہ ہندوستان کی رائے عامہ کے سامنے برطانوی سامراج نے سر جھکا دیا اور اس کو تسلیم کر لیا کہ ہر غلام قوم کو حق حاصل ہے کہ اپنی آزادی کے لیے جنگ لڑے۔ آپ نے ہمارے ساتھ جس محبت اور ہمدردی کا سلوک کیا ہے اس کے لیے آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں، یہ عزت افزائی ہماری نہیں بلکہ ہمارے نیتاجی سبھاش چندر بوس کی ہے۔ ہمارے دشمنوں نے افواہیں اڑائیں کہ ہمارے نیتاجی جاپانیوں کو اس ملک میں حاکم بنانا چاہتے ہیں۔ لیکن کورٹ مارشل نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ میں نیتاجی کا ایک ادنیٰ سپاہی ہونے کی حیثیت سے بتلانا چاہتا ہوں کہ اگر جاپانی ہمارے ساتھ بے ایمانی کرتے تو آزاد ہند کا ایک ایک سپاہی کٹ مرتا، مگر ان کا مقصد پورا نہ ہونے دیتا۔ جس چیز نے ہمیں جنگ لڑنے کے لیے مجبور کیا وہ یہ تھی کہ ہر ہندوستانی سپاہی جہاں بھی جاتا تھا، دوسری قومیں اسے نفرت کی نظر سے دیکھتی تھیں۔ وہ کہتے تھے کہ تم خود ہی غلام نہیں ہو بلکہ ایشیا کی دوسری قوموں کو بھی غلام بنا رہے ہو۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ہندوستانی سپاہی بہادری اور دوسرے اوصاف میں انگریزی اور امریکن فوج سے کسی طرح کم نہ تھا۔

جب نیتاجی سبھاش چندر بوس نے ہندوستان کی آزادی کے لیے ترنگا جھنڈا بلند کیا تو بہت سے جوان اس جھنڈے کے نیچے مرنے کو تیار ہو گئے۔ دوسری چیز یہ تھی کہ انگریز ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ انڈین آرمی دنیا کی آزادی قائم رکھنے کے لیے لڑ رہی ہے۔ جب نیتاجی نے ہم سے کہا کہ آپ کو بھی حق ہے کہ اپنی آزادی کے لیے

Scanned with OKEN Scanner

لڑیں تو ہم تیار ہو گئے۔ جب نیتا جی کی فوج نے ہندوستان کی پاک سرزمین کی طرف قدم بڑھایا تو اس کے پاس کوئی سامان نہیں تھا، راشن نہ تھا، کپڑا نہ تھا۔ ہوائی جہاز نہ تھے۔ اگر کوئی چیز تھی تو وطن کی محبت، اسی جذبہ کو لے کر یہ فوج دنیا کی زبردست طاقت سے ٹکر لینے کے لیے فرنٹ پر چلی گئی اور ڈیڑھ سال تک لڑتی رہی۔

میں ایک واقعہ بتلاتا ہوں۔ ہماری فوج امپھال کی پہاڑیوں میں لڑ رہی تھی کھانے پینے کو کچھ نہیں تھا۔ ہمارے جوان جنگل کی گھاس پھوس کھا کر گزارا کر رہے تھے۔ ایک دن انگریزی فوج کی طرف سے ایک چٹھی آئی، جس میں لکھا تھا کہ آزاد ہند کے گمراہ سپاہیو! تمہارے بچے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ تم بھوکے مر رہے ہو۔ ادھر آؤ، تم کو اچھا کھانا ملے گا اور گھر پہنچا دیا جائے گا۔ لیکن آزاد ہند فوج نے جواب دیا کہ ہم آزادی کی گھاس کھا سکتے ہیں۔ لیکن غلامی کی ڈبل روٹی اور بسکٹ کھانے کو تیار نہیں ہیں۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ہماری فوج کوہیما سے راشن کی کمی کی وجہ سے واپس جا رہی تھی کہ ایک زخمی سپاہی راستے میں پڑا تھا۔ جس کے زخم میں ہزاروں کیڑے پڑے ہوتے تھے اور وہ بھوکا مر رہا تھا۔ اس نے مجھے بلایا اور کہا میرا ایک سندیسہ لیتے جاؤ۔ آپ نیتاجی کو میرا یہ سندیسہ پہنچا دینا اور کہنا کہ وہ وطن کی خاطر پڑا سڑ سڑ کر بھوکا پیاسا مر رہا ہے۔ مگر اسے بڑی خوشی ہے کہ وہ ساری تکلیف مادرِ وطن کے لیے اٹھا رہا ہے۔

اس فوج میں ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی وغیرہ سب قوموں کے لوگ تھے ان میں کوئی تفرقہ نہ تھا۔ مگر انھوں نے اکٹھا ہو کر مادرِ وطن کے لیے ایک ہی میدان میں خون بہایا۔ ہم ان بہادروں کے لیے جو مادرِ وطن کے لیے قربان ہو گئے آپ سے مل کر درخواست کرتے ہیں کہ ہم سب مل کر ملک کو آزاد کرائیں۔ ہماری ہتھیار بند لڑائی کا ایک حصہ ختم ہو گیا۔ اب ہم سخت ڈسپلن میں رہ کر کانگریس کے

Scanned with OKEN Scanner

جھنڈے کے نیچے بغیر ہتھیاروں کے لڑائی لڑیں گے۔ ہمیں اُمید ہے ہمارے دوسرے بھائی جو لال قلعہ میں بند ہیں حکومت ان کو جلد رہا کر دے گی"۔

اس جلسہ سے قبل کیپٹن شاہ نواز نے نماز جمعہ کے بعد جامع مسجد دہلی میں ۲۰ ہزار مسلمانوں کے مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے ایک تقریر کی تھی، جس میں مذکورہ بالا خیالات کے علاوہ چند باتیں اور کہی تھیں، جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

کیپٹن شاہ نواز نے رنگون کے ایک اجتماع کا جو شاہانِ مغلیہ کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کے مقبرہ کے پاس ہوا، ذکر کرتے ہوئے کہا۔ اس اجتماع میں نیتا جی سبھاش چندر بوس نے ایک پر جوش تقریر کی تھی۔ نیتا جی بول رہے تھے اور زار و قطار روتے جا رہے تھے۔ نیتا جی نے مقبرے کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا:

"اے ہندوستان کے شہنشاہ میرا نام سبھاش چندر بوس ہے۔ ایک زمانہ تھا تو ہمارا شہنشاہ تھا لیکن آج ہم تجھے بیکسی ولاچارگی کی حالت میں آرام کرتے دیکھ رہے ہیں۔ میں تمھاری قسم کھا کر وعدہ کرتا ہوں کہ میں تیری تلوار کو لندن تک چلاؤں گا۔ کیونکہ ہم میں ایمان کی بُو اب تک باقی ہے اور تو نے خود کہا تھا۔ ؎

غازیوں میں بُو رہے گی جب تلک ایمان کی
تب تلک چلتی رہے گی تیغ ہندوستان کی

بہرحال یہ حقیقت تھی کہ ان تقریروں نے اور ان کے اندازِ بیان نے آگ لگا دی اور اس سے خود حکومت لرزہ بر اندام ہو گئی۔

ذخیرہ کتب
انیس نقوی
03142893816 Scanned with OKEN Scanner

باب ۴

جنگ کا خاتمہ اور فوج پر اس کے اثرات

آزاد ہند فوج کے افسران کے خلاف مقدمات کے دوران جو احتجاجی تحریک اُبھری اس پر میں نے سابقہ ابواب میں تفصیل سے روشنی ڈال دی ہے۔ دراصل دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد جو حالات پیدا ہوئے ان میں نئی صفیں ترتیب پانے لگیں، سماجی تبدیلی چاہنے والوں کو بھی اس دوسری جنگِ عظیم کے نتائج نے نئے حوصلے اور نئے ولولے عطا کیے تھے کیونکہ غلام ملکوں میں ۱۹۱۷ کے سوویت انقلاب کے بعد سے ہی سوویت یونین کے لیے ایک محبت اور پیار کا رشتہ استوار ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اور غلام ممالک کے مجبور و مقہور انسان سوویت یونین کو آزادی اور انقلاب کا قلعہ تصور کرنے لگے اور اب اسی سوویت یونین کی سُرخ فوج نے اپنی بہادری و جرأت سے اپنے کو ان غلام ممالک میں آزادی کے لیے لڑنے والے مجاہدوں کی محبت اور پیار کا اہل ثابت کر دیا تھا۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ جیسے جیسے سُرخ فوج نے یورپ کو آزاد کرانا شروع کر دیا ایسے ہی غلام ملکوں میں آزادی کی تحریک زور پکڑنے لگی اور جب فسطائی طاقتوں کو مکمل شکست ہو گئی تو غلام ملکوں میں بھی مسلح جدوجہد کا جذبہ اُبھرنے لگا اور بالخصوص جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک میں تو مسلح جدوجہد کے لیے نہ صرف فضا موجود تھی بلکہ حالات بھی کافی حد تک سازگار تھے کیونکہ اس خطے میں جاپان کے خلاف لڑائی کے دوران جب انگریز اور امریکی شکست کھا گئے تھے تو انھوں نے ان خطوں میں جاپانیوں کے خلاف مزاحمت کرنے والے عناصر جن کی قیادت وہاں کی کمیونسٹ پارٹیاں کر رہی تھیں، کو اسلحہ مہیا کیا تھا، اور گوریلا جنگ میں ان کی امداد کی تھی، چنانچہ یہ انہی کی مزاحمتی تحریک تھی جس کی وجہ سے جاپان کی شکست کے بعد ان علاقوں میں جو ابتدائی حکومتیں قائم ہوئیں وہ سب کمیونسٹوں کی

امداد و اعانت سے ہی قائم ہوئی تھیں، اس لیے کہ اس وقت امریکی اور انگریزوں کے لیے کوئی اور راستہ ہی نہ تھا جیسے ہی جاپان کی شکست مکمل ہوگئی اور اب برطانیہ اور امریکہ کو کوئی ڈر نہ رہا تو انھوں نے جنوب مشرقی ایشیا کے ملکوں میں آزادی کی تحریکوں کو کچلنے اور دوبارہ ان کو سامراجی پنجۂ استبداد میں جکڑنے کا فیصلہ کیا اور اس مقصد کے لیے ہندوستانی فوجوں کو انڈونیشیا بھیجنے کا حکم صادر کر دیا گیا تاکہ وہاں کی آزادی کی تحریک کو جس نے پورے انڈونیشیا کو آزاد کرا کے اپنی حکومت قائم کر لی تھی کو فوجوں کے ذریعے کچلا جا سکے۔

جیسے ہی یہ احکام صادر ہوئے تو ہندوستان کے گوشے گوشے سے احتجاج شروع ہوگیا چنانچہ کانگریس، مسلم لیگ اور کمیونسٹ پارٹی کی اپیلوں پر ۲۵ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو "یوم انڈونیشیا" منانے کا فیصلہ کیا گیا اور اس دن تمام بڑے شہروں میں زبردست احتجاجی جلاس ہوئے۔ حتیٰ کہ گودی کے مزدوروں نے انڈونیشیا بھیجنے والے اسلحہ اور دیگر سامان کو جہازوں پر لادنے سے انکار کر دیا اور پھر اس کے بعد آزاد ہند فوج کی حمایت میں اُبھرنے والی تحریک نے جب شہر شہر، قریہ قریہ شدت اختیار کر لی تو مختلف جگہوں پہ فوج کو طلب کر لیا گیا۔ اب اس زبردست قومی بیداری اور اُبھار کے زمانے میں ہندوستانی فوج کو عوام پر گولی چلانے کے احکام صادر ہونے لگے، اس نے ان فوجیوں پہ خاصے گہرے اثرات مرتب کیے۔ فوج اور مظاہرین کے درمیان تصادم نے فوج کے جذبہ حب الوطنی کو بیدار کرنا شروع کر دیا اور ان میں ایک قسم کی شدید بددلی جنم لینے لگی اور اسی بددلی نے ہندوستانی فوجیوں میں اپنے حقوق کے لیے جدوجہد کا جذبہ بیدار کیا۔ چنانچہ جنوری ۱۹۴۶ء میں سب سے پہلے بمبئی میں مقیم ہندوستانی فضائیہ کے جوانوں نے ہڑتال کر دی اور ان کا مطالبہ تھا کہ ان کے ساتھ انگریز ہوابازوں کا سا سلوک کیا جائے۔ ان کی تنخواہوں اور بھتّہ میں اضافہ کیا جائے، اس ہڑتال میں تقریباً پندرہ سو ہوابازوں نے شرکت کی، اس ہڑتال نے فوج کے دوسرے حصوں کو بھی متاثر کیا اور بحریہ کی ہڑتال نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، آج ان تحریکوں ہڑتالوں اور بغاوتوں کا کوئی ذکر نہیں کرتا۔ حالانکہ اگر ان تمام عوامل پر قدرے تفصیل کے ساتھ غور کیا جائے تو وہ وجوہات سمجھ آجائیں گی کہ کیوں برطانوی سامراج نے

Scanned with OKEN Scanner

یکایک ہندوستان کو تقسیم کرنے اور عنانِ اقتدار کانگرس اور لیگ کے سپرد کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

بحریہ کی صُورت حال

ہندوستانی بیڑہ کی بندرگاہوں اور ساحلی اداروں میں اُس وقت ۳۰ ہزار ہندوستانی کام کر رہے تھے جو بمبئی، کراچی کوچین، کلکتہ، وزینگاپٹم اور بعض اور چھوٹی بندرگاہوں میں تعینات تھے ان لوگوں میں بنگالی بھی تھے، پنجابی بھی تھے، جنوبی ہند کے نوجوان بھی تھے اور ملک کے کئی دوسرے حصوں کے بھی۔ ان میں ہندو، مسلمان، عیسائی، اچھوت ہر مذہب و ملت کے لوگ اور ہر صوبے کے باشندے شامل تھے۔ لیکن یہ سب ہندوستانی تھے۔ اپنے دلوں میں وطن کی آزادی کی تڑپ رکھتے تھے اور انگریزوں کے غیر ملکی راج کا خاتمہ کرنے کے لیے بے چین تھے۔

یہ نوجوان جرأت و ہمت کے دھنی تھے اور دوسری عالمگیر جنگ میں اپنے جوہر دکھا چکے تھے ان میں زیادہ تر ہمارے نچلے متوسط طبقے کے نوجوان اور کسان گھرانوں کے فرزند تھے جنھوں نے جاپانیوں اور نازیوں کے خلاف سینکڑوں معرکوں میں امتیاز حاصل کیے تھے۔ انھوں نے دنیا میں ہندوستان کا نام روشن کیا تھا۔ حالانکہ ان کو چھوٹے چھوٹے فرسودہ جہاز اور کشتیاں دی جاتی تھیں لیکن اپنے ناقص اسلحوں سے بھی انھوں نے یہ اچھی طرح دکھا دیا تھا کہ ہندوستانی لڑ سکتا ہے، بخوبی اور ہوشمندی سے لڑ سکتا ہے اور مغرب کی "اونچی" قوموں سے بہتر نہیں تو کم از کم ان کے برابر ضرور لڑ سکتا ہے۔

چنانچہ ان میں خود اعتمادی پیدا ہوئی اور اپنے حقوق کا احساس اور اسی احساس نے ان کو اپنے انگریز افسروں کے خلاف لڑنے اور ہڑتال کرنے پر مجبور کر دیا۔

یہ ہڑتال ۱۸ فروری کو بمبئی کے "تلوار" نامی ایک ساحلی ادارہ اور سگنل اسکول میں شروع ہوئی اور پھر ایک بڑھتے ہوئے سیلاب کی طرح بغاوت بن کر سارے ہندوستانی بیڑہ میں پھیل گئی اور کوئی ایسا ملاح باقی نہیں رہا جو کھنچ کر اس کے دھارے میں نہ آگیا ہو۔ کوئی ایسا جہاز یا ساحلی ادارہ نہیں تھا جو اس کی زد سے بچا ہو۔

Scanned with OKEN Scanner

پانچ دن تک یہ جوان لگاتار لڑتے رہے۔ انگریز فوجی حکام چلّاتے رہے کہ "ہم تمھیں تہس نہس کر ڈالیں گے۔ صفحۂ ہستی سے تمھارا نام و نشان مٹا دیں گے۔" لیکن ان تیس ہزار جوانوں کے قدم ذرا بھی نہیں ڈگمگائے۔ پہاڑ کی چٹان کی طرح وہ پوری ثابت قدمی سے ڈٹے رہے اور جب اُن پر مسلح حملہ کیا گیا تو انھوں نے اپنا بچاؤ کیا۔ کراچی اور بمبئی میں انھیں جہاں کہیں جیسے بھی ہتھیار ملے انھیں سے مسلّح حملے کا ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ اور پھر بالآخر جب انھوں نے ہتھیار ڈالے تو ان چیخنے اور شیخی بگھارنے والے انگریزوں کے سامنے نہیں بلکہ ہندوستان کے سامنے سرنگوں ہوتے اور ہندوستانی لیڈروں کے کہنے پر ہتھیار ڈالے۔

اس عظیم جدوجہد کی مکمل داستان خود ایک ہڑتالی نے اس زمانے میں یعنی اکتالیس برس پہلے قلم بند کی تھی اور میں آج پھر اس کو اپنے قاری کے سامنے پیش کر رہا ہوں تاکہ اس دور اور زمانے کی مکمل تصویر کو وہ دیکھ سکیں اور اس کی پوری ماہیت کو سمجھ سکیں۔

ہڑتال کی ابتدا

بیڑہ کی اصل ہڑتال سب سے پہلے "تلوار" نامی "جہاز" میں شروع ہوئی۔ یہ اصل میں بحری جہاز نہیں بلکہ ایک ساحلی ادارہ ہے جہاں سگنل دینے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس وقت یہاں ۱۱۰۰ ہندوستانی ملاح تعینات تھے یہ اپنے کام میں بڑے ماہر تھے، چنانچہ آج تک تسلیم کیا جاتا ہے کہ رسل و رسائل کا ہندوستانی عملہ دنیا میں اعلیٰ ترین معیار پر تھا۔

۱۱ فروری ۱۹۴۶ء کو ایک انگریز کمانڈر "کنگ" نامی افسر نے کچھ ملّاحوں کو گالیاں دیں اور انہیں "کتیوں کے پلّے" اور "قلیوں کے جنے" کہا۔ غصے کا پیمانہ جو پہلے ہی لبریز تھا، اس بات پر چھلک اٹھا۔ ملاح پانچ برس سے یہ بدسلوکیاں چپ چاپ برداشت کیے جا رہے تھے۔ پانچ برس سے ان کو بدسلوکی، نسلی امتیاز اور کھانے پینے اور رہنے میں طرح طرح کی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا لیکن جنگ کے خاتمہ تک ہندوستان بدل چکا تھا۔ لوگوں کا غصہ جو اندر ہی اندر اسی رفتار سے اُبھرتا جا رہا تھا جس رفتار سے انگریزوں کے سامراجی مظالم بڑھ رہے تھے، جنگ کے دوران دبا رہا لیکن ۱۹۴۵ء میں جنگ کے ختم ہوتے ہوتے ہر طرف سے بند توڑ کر اُبھرنے لگا۔ ہر طرف سے بغاوت کے شعلے بلند ہونے لگے۔

Scanned with OKEN Scanner

اگست ۱۹۴۲ء میں لیڈروں کی گرفتاری اور اس کے بعد کا سامراج کا وحشیانہ تشدد، دہشت انگیزی، بنگال کا قحط اور عوام کی بھلائی کے سلسلہ میں انگریز کے قطعی ناکارہ پن نے ہندوستان کی آنکھ کھول دی تھی اور انھوں نے انگریزی راج کے دیوالیہ پن کو اس کے جبر و تشدد کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ انہی چیزوں نے ہندوستانی ملاحوں کی آنکھ بھی کھول دی تھی۔ چنانچہ اس بیداری کا نتیجہ تھا کہ آزاد ہند فوج بنانے والوں پر جب غیر منصفانہ مقدمے چلائے گئے تو سامراج کے خلاف ہر جگہ زبردست مظاہرے ہوئے اور ہندوستان کے شہروں میں کئی کئی لاکھ انسان سڑکوں پر نکل آئے اور انگریز کی گولیاں بھی انھیں منتشر نہیں کر سکیں۔

اسی بیداری کی بدولت ہمارے ملک کی تاریخ میں صنعتی ہڑتالوں کی سب سے بڑی لہر شروع ہوئی۔ انگریزی راج میں آدھے پیٹ کی مزدوریوں اور . . . . بڑھتی ہوئی قیمتوں سے تنگ آکر مزدور اپنی حالت کو اور ہندوستان کی حالت کو سدھارنے کے لیے باہر نکل آئے۔ اور یہی بیداری کی لہر ہندوستانی بیڑہ میں پہنچی۔ نوجوان "جدوجہد" کی باتیں کرنے لگے۔ پورے بیس ہزار ہندوستانی ملاحوں میں بے چینی کی لہر پھیلی ہوئی تھی کہ یکایک "کمانڈر کنگ" نے ہندوستانیوں کو "کتوں کے پلّے" اور "قلیوں کے جنے" کہہ دیا تو بس پھر کیا تھا۔ ایک چنگاری نے آگ لگا دی۔

پہلے نوان ملاحوں نے جنھیں گالیاں دی گئی تھیں احتجاج کیا، شکایتیں کیں، عرضیاں لکھیں اور بیڑہ کے قاعدوں کے اندر سب کچھ کر کے دیکھ لیا۔ پھر ستم پر ستم یہ ہوا کہ ۱۸ فروری کی صبح کو "تلوار" میں جو ناشتہ دیا گیا بالکل سڑا ہوا تھا۔ ملاح جو پہلے ہی غصّے سے بھرے بیٹھے تھے، اب بغاوت پر تُل گئے۔ "تلوار" کے تمام ۱۱۰۰ ملاح باہر نکل آئے اور انھوں نے ہڑتال کر دی۔ انھوں نے کام کرنے سے قطعاً انکار کر دیا اور افسروں کی "تعمیلِ حکم" کے لیے ہلے بھی نہیں۔ کمانڈر کنگ نے دھمکی دی کہ تمھیں بہت ہولناک سزا دی جائے گی لیکن ملاحوں کا ارادہ اس سے اور پختہ ہو گیا۔ شام کو انھوں نے جلسہ کیا اور اپنی مانگیں مرتب کیں۔ یہ بہت ہی اہم اور بڑے معنی خیز مطالبات تھے۔

پہلے نوان کے اپنے مطالبات کی فہرست تھی، کھانا اچھا ہو، راشن کافی ملے،

Scanned with OKEN Scanner

کمانڈر کنگ کو سزا دی جائے، ہندوستانی ملاحوں کو انگریز ملاحوں کے برابر تنخواہ ملے، فوج سے سبکدوشی زیادہ تیزی سے ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔

لیکن یہ سلسلہ یہیں ختم نہیں ہو گیا۔ انھوں نے اپنے ہی نہیں بلکہ عوام کے مطالبات بھی پیش کیے۔ وہ مطالبات جو اس وقت ہندوستان کے ہر سچے فرزند کی زبان پر تھے۔ وہ مطالبات یہ تھے:

۱: تمام سیاسی قیدیوں کو فوراً رہا کیا جائے اور آزاد ہند فوج کے قیدیوں کو بھی۔

۲: انڈونیشیا سے ہندوستانی فوجیں فوراً واپس بلائی جائیں۔

اس کی خبر ہر طرف بڑی تیزی سے سارے ہندوستانی بیڑہ میں پھیل گئی۔ ۱۸ تاریخ کو اور پھر ۱۹ تاریخ کو ہر جگہ کام رک گیا۔ اگرچہ باقاعدہ ہڑتال نہیں ہوئی مگر ہر جہاز اور ساحلی ادارے پر یہی بات ہو رہی تھی کہ تلوار کے لڑکے ہڑتال پر ہیں۔ ہمیں بھی ہڑتال شروع کر دینی چاہیے۔ سارا دن یہی بحث رہی اور بات چیت ہوتی رہی۔ اور کام رکتا رہا۔

بمبئی کے تمام بیڑہ کی ہڑتال

دوسرے دن بحث ختم ہو چکی تھی۔ ہڑتال سارے بمبئی میں پھیل گئی۔ فورٹ، بارک کے آٹھ سو ملاح کاسل بارک اڑھائی ہزار ملاح، بندرگاہ کے پاس ضلع تھانہ میں اکبر نامی ساحلی ادارہ "چیتا" نامی ایک اور ساحلی ادارہ، کولابا اور محل کے وائرلیس کے مرکز، اندھیری میں "ککری" اور "مچھلی مار" نامی ساحلی ادارے اور "حملہ" نامی جہاز سب میں یہ لہر پھیل گئی۔ بارہ ساحلی اداروں اور بیس سے زائد بڑے جہازوں اور قریباً سو چھوٹے جہازوں کے ۲۰ ہزار ملاح مکمل ہڑتال پر تھے۔

جہازوں پر افسروں سے اسلحے چھین لیے گئے اور زیادہ تر کو جہازوں سے نکال دیا گیا۔ ملاحوں نے بڑے اطمینان سے جہازوں کا پورا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ جہاں ضرورت تھی وہاں گارڈ تعینات کر دیے گئے۔ "میگزین" اسلحہ اور کھانے کے ذخیروں پر قبضہ کر لیا گیا۔ بہت سے جہازوں پر انگریز کا جھنڈا یونین جیک اتار لیا گیا اور اس کی جگہ ترنگے اور مسلم لیگ کے سبز اور لال جھنڈے فخر سے لہرا دیے گئے۔

Scanned with OKEN Scanner

تمام جہازوں سے "تلوار" بیں رسل ورسائل کے مرکزوں سے اور ساحلی اداروں سے پورے ہندوستانی بیڑہ اور تمام دوسرے جہازوں کے وائرلیس پر برابر یہی پیام بھیجے جانے لگے کہ "ہم ہڑتال پر ہیں۔ ہم نے اپنی لڑائی شروع کر دی۔ تم بھی ساتھ آجاؤ۔" اور اب، دوسری جگہوں پر بھی، کراچی میں کوچین، کولمبو، وزنیگاپٹم، سنگاپور اور کلکتہ میں، غرض ہر جگہ یہی ہڑتال کا ذکر چھڑا ہوا تھا۔ اور کوئی دوسری بات سننے ہی میں نہ آتی تھی۔

بمبئی میں ہڑتالی ملاحوں کے لیے یہ تاریخ ایک زبردست تاریخ تھی۔ صبح نو بجے آزاد میدان میں تمام ہڑتالی ملاحوں کا جلسہ ہوا۔ جس میں مطالبات کا اعلان کر دیا گیا اور سب جلوس کی شکل میں وہی نعرے لگاتے ہوئے چلے جو سارے ہندوستان کی زبان پر تھے۔ " انقلاب زندہ باد"۔ "جے ہند"۔ "ہندو مسلم ایک ہو"۔ "آزاد ہند فوج کے قیدیوں کو رہا کرو"۔ ان کے یہ جلوس اور موٹریں، ترنگے، ہرے اور لال جھنڈوں میں نہائی ہوئی شہر میں ہر طرف پھر رہی تھیں۔ یہ ملاح عوام میں پھیل گئے تھے اور ان کے حوصلے بڑھا رہے تھے۔ بمبئی میں ہندوستان کی تاریخ کا ایک نیا باب شروع ہو رہا تھا۔

انگریز اپنی موجودگی کا ثبوت دینے سے کہاں باز آتے ہیں۔ چنانچہ اس روز لاٹھی چارج بھی کیا گیا لیکن ملاحوں نے اس کا مزا چکھا دیا۔ پولیس کے ایک ظالم انگریز افسر زخمی ہو گئے اور ہسپتال کی ہوا کھانے کے لیے بھیج دیے گئے۔

انگریزوں کی دھمکیاں اور وعدے

اب انگریز آقاؤں کو احساس ہوا کہ یہ تو کوئی نئی بات ہو رہی ہے۔ بمبئی کا فلیگ آفیسر کمانڈنگ۔ یعنی بمبئی کے ہندوستانی بیڑے کے لیے انگریزوں کا مقرر کیا ہوا "خدا" اور نائب امیر البحر "راٹرے" شام کو "تلوار" میں آیا جو ہڑتالی سرگرمیوں کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ اس نے شکایتوں کی فہرست طلب کی لیکن ملاحوں نے اس سے بات کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ پہلے ہمیں یہ یقین دلاؤ کہ ہم مطالبات پیش کرنے اور بات چیت کرنے کے لیے اپنے جو لیڈر مقرر کریں گے ان کو گرفتار نہیں کیا جائے گا۔ ہڑتالیوں کی جوشیلی اور تیز ہوتی

ہوئی آوازوں میں گھر جانے کی وجہ سے راٹھرے کو یہ وعدہ کرنا پڑا۔ مطالبات کی فہرست اسے دے دی گئی اور وہ یہ وعدہ کر کے چلا گیا کہ ساڑھے چار بجے تک ان کا جواب دے دوں گا لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ "تلہ اور اُلٹے پنجے نکالے اور "حملہ" کے تین سو ملاحوں کو گرفتار کر لیا۔

رات کو تمام جہازوں اور ساحلی اداروں میں ملاحوں نے اپنے اپنے جلسے کیے اور اپنی اپنی ہڑتال کمیٹیاں منتخب کیں تاکہ وہ اپنے ادارہ یا جہاز میں ہڑتال چلائیں اور مرکزی ہڑتال کمیٹی کے لیے جو ہڑتال کو مجموعی طور سے چلانے کے لیے بنائی جا رہی تھی۔ اپنے یہاں سے ایک ایک نمائندہ چنا۔

دوسرے روز بڑھ کو دونوں طرف معرکہ کی تیاریاں ہونے لگیں۔

سامراجیوں نے وہی دوہری چال چلی۔ پہلے تو تمام ساحلی اداروں میں فوج تعینات کر دی گئی۔ البتہ انھیں مسلح جہازوں پر اپنی فوج بھیجنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ دوسری طرف ملاحوں کا جوش ٹھنڈا کرنے کے لیے خوب اچھا کھانا بھیجا گیا جو بقول سرکاری بیان "ہڑتالی لیڈروں کے دیے ہوئے مینو کے مطابق تھا"۔

لیکن ملاحوں کو اتنے سستے اور بھدے طریقہ سے نہیں خریدا جا سکتا۔ انھوں نے "اودل" نامی میدان میں جلسہ کیا اور پھر اپنے اس ارادہ کا اعادہ کیا کہ جب تک ان کے مطالبات پورے نہ ہوں گے اور فوج ہٹائی نہیں جائیگی اس وقت تک ہڑتال جاری رہے گی۔ اس جلسہ کے بعد پھر شہر کے جنوبی حصہ میں جلوس نکلے اور ہڑتالیوں کے مظاہرے ہوئے۔ "راٹھرے" نے ایک اور چال چلی اور حکم جاری کیا کہ تمام ملاح ساڑھے تین بجے تک اپنے اپنے بارک میں جمع ہو جائیں۔ ملاحوں نے اس حکم کو فریب قریب ٹھکرا دیا۔

کراچی میں بھی ہڑتال کی تیاری

اسی دوران میں کراچی کے دور دراز شہر میں بھی بمبئی کے ملاحوں کا پیام پہنچ چکا تھا۔ تمام جہازوں اور ساحلی اداروں نے اسے اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ اس سے ایک روز پہلے ہی "راہدار"

Scanned with OKEN Scanner

پر چلانے کی تعلیم دینے والے اسکول "چمک" میں ملاحوں نے خفیہ جلسے کیے تھے۔ اور طے کیا تھا کہ انھیں بھی ہڑتال میں شریک ہو جانا چاہیے۔ چنانچہ ۲۰ تاریخ کی صبح تک "ہندوستان" اور "ٹراونکور" نامی دو جہازوں میں ہڑتال ہو گئی تھی۔ اور ساحلی اداروں "چمک" "بہادر" اور "ہمالیہ" میں ہڑتال کا زوروں سے چرچا ہو رہا تھا۔ ہڑتال کسی وقت بھی شروع ہو سکتی تھی۔

کلکتہ میں بہالہ کے مقام پر "ہگلی" نامی ساحلی ادارہ اور "راجپوتانہ" نامی جہاز کے ملاحوں نے ہڑتال کر دی تھی۔ جنوب کی طرف کوچین کے علاقہ میں وندوردھنی کے مقام پر جو تارپیڈو کی تربیت دینے والا ادارہ تھا، وہاں بھی ہڑتال شروع ہو گئی تھی لیکن ان سب میں بمبئی سرگرمیوں کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ رائٹرے کے "بارک کو واپس جاؤ" والے حکم سے سارے شہر میں بڑی سنسنی پھیل گئی تھی۔ اور ہر شخص محسوس کر رہا تھا کہ معرکہ کا وقت بس آنے ہی والا ہے۔

گولی کا جواب گولی

جمعرات ۲۱ فروری اور جمعہ ۲۲ فروری ۱۹۴۶ء ہندوستان کی آزادی کی لڑائی کے تاریخی دن بن گئے۔ ۲۱ تاریخ کو ملاحوں اور سامراجی سپاہیوں میں پہلی بار بمبئی اور کراچی دونوں جگہ مسلح جنگ ہوئی۔ بمبئی میں معرکہ بالکل سویرے ہی شروع ہو گیا۔ ویسے تو اس سے ایک روز پہلے ہی شام کے وقت مراٹھا سپاہیوں کو تعینات کر کے سامراجیوں نے ملاحوں کے مرکزوں کو گھیر لیا تھا لیکن رات کو جب ملاحوں نے ان مراٹھا سپاہیوں سے اپیل کی: "تم بھی تو ہندوستانی ہو اور ہم بھی ہندوستانی ہیں۔ پھر آخر تم ہمارے اوپر گولیاں چلانے کیوں آئے ہو؟" تو سپاہیوں نے جواب دیا: "ہم تمہارے اوپر گولیاں نہیں چلا سکتے ہماری بندوقیں بھی خالی ہیں۔"

۲۱ تاریخ کی صبح کو قریباً پونے ۹ بجے ان سپاہیوں میں سے بعض کو "کاسل بارک" پر خالی وار کرنے کا حکم دیا گیا۔ مراٹھا سپاہیوں نے خالی فائر کیے۔ یہ دیکھ کر گوروں کی اور ہمت بڑھی اور انھوں نے مراٹھا سپاہیوں کو حکم دیا کہ بارک کے اندر گھس جاؤ۔ وہ سمجھتے تھے کہ اس طرح ملاحوں کو ڈرا کر زیر کر لیا جائے گا لیکن ملاح اتنی آسانی سے ڈرنے والے نہیں تھے۔ فوراً

Scanned with OKEN Scanner

انھوں نے اپنے بارک کے گارڈ روم (جہاں بندوقیں رکھی جاتی ہیں) کا تالا توڑا اور قریب ۳۰ رائفلیں بارہ ریوالور اور ان کی گولیاں نکال کر چند ہی منٹ کے اندر خاص خاص ملاحوں میں تقسیم کر دیں اور ان کو پھاٹکوں پر تعینات کر دیا گیا۔ مراٹھا سپاہیوں نے جب دیکھا کہ ان کی امید کے خلاف ملاح مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے ہیں تو وہ پیچھے ہٹ گئے۔

دو گھنٹے بعد دونوں طرف سے پھر گولیاں چلیں۔ اس بار ایک میگزین (بڑے اسلحہ خانہ) کا تالا توڑ کر قریب ۱۵۰ رائفلیں، چند ایک ریوالور، تین مشین گنیں اور ان سب کی گولیاں کافی مقدار میں لائی گئیں۔ مشین گن سب سے زیادہ مفید اور کارگر اسلحہ تھا اور انھیں ایسی جگہ لگا دیا گیا کہ جس طرف سے حملہ کا سب سے زیادہ خطرہ تھا۔ اُدھر فوراً آتش باری شروع کی جا سکے تھوڑی ہی دیر بعد باقاعدہ جنگ شروع ہو گئی۔ سامنے ذرا فاصلے پر گورے سپاہیوں کی بارک نظر آ رہی تھی جن سے ہندوستانیوں کو سب سے زیادہ خطرہ تھا۔ اس کے سامنے ملاحوں نے گولیوں کی سب سے زیادہ باڑھ لگا دی مشین گنیں بھی اسی کا رُخ کر کے تڑ تڑانے لگیں۔ کئی دستی بم بھی پھینکے گئے۔ کئی گورے زخمی ہوئے۔ مرنے والوں کی تعداد معلوم نہیں ہو سکی ہندوستانی ملاح بھی گھائل ہوئے اور ایک نوجوان ملاح شہید ہو گیا۔ اس کی لاش بڑے احترام سے بارک کے سامنے والے احاطہ میں لائی گئی۔ اور وہاں اُسے ایک کپڑے میں لپیٹ کر اس پر خون کا ایک نشان بنا دیا گیا تاکہ سارے ہندوستانی اس لڑائی میں جو ابھی باقی تھی، اس خون کو یاد رکھیں۔

جہازوں سے گولہ باری

جیسے ہی کاسل بارک میں ہندوستانیوں اور انگریزوں کے اس معرکہ کی خبر پھیلی، سمندر کے اندر جہاز بھی لڑائی کے لیے تیار ہو گئے۔ ہندوستانی بیڑے کے "حاکم جہاز، نربدا" نے ہر طرف حکم دے دیا گیا کہ "تیار ہو جاؤ"۔ "آسام" اور "پنجاب" نامی جہازوں نے جب دیکھا کہ کچھ گورے سپاہی ایک اونچی جگہ پر جمع ہو کر کاسل بارک کے ہندوستانی ملاحوں پر آتشباری کی تیاری کر رہے ہیں تو انھوں نے اسی مقام پر آتش باری کر دی اور انگریز تتر بتر ہو کر بھاگ

Scanned with OKEN Scanner

گئے۔ اس طرح یہ لڑائی دیر تک چلتی رہی۔

ملاحوں میں ذرا بھی گھبراہٹ کے آثار نہیں تھے بلکہ بلا کا اطمینان نظر آرہا تھا۔ وہ اپنی لڑائی بڑی تنظیم کے ساتھ سوچ سمجھ کر اور پکے ارادے سے لڑ رہے تھے۔ دوسرے ساحلی اداروں سے برابر ان کے پاس دل بڑھانے والے پیغام آرہے تھے۔ "فورٹ بارک" "تلوار" اور "اکبر" وغیرہ سب وائرلیس سے منٹ منٹ پر کاسل بارک کی جنگ کی خبریں پوچھ رہے تھے اور کہہ رہے تھے "زندہ باد ساتھیو! ڈٹے رہو" ان کی ہمت افزائی سے کاسل بارک کے بہادروں کا ارادہ اور پکا ہو گیا تھا۔

پھر دوپہر کے بعد دو بج کر بیس منٹ پر ہندوستانی بیڑہ کے سب سے بڑے افسر امیرالبحر "گوڈفرے" نے ریڈیو پر اپنی گونج گرج والی تقریر کی اور کہا کہ ہمارے پاس کہیں زیادہ طاقت موجود ہے اور اگر ملاحوں نے ہتھیار نہ ڈالے اور ہار نہ مانی تو میں پورا ہندوستانی بیڑہ تباہ کر کے رکھ دوں گا۔ ان گیدڑ بھبکیوں نے ملاحوں کا ارادہ اور پختہ کر دیا۔ "گوڈفرے" صاحب اس تقریر سے پہلے بھی ملاحوں میں دہشت پھیلانے کے لیے انگریزی طیاروں کی بندرگاہ کے علاقہ میں اڑان کرا چکے تھے اور اب چند بڑے بڑے انگریزی جنگی جہاز اس جنگ میں حصہ لینے کے لیے پہنچ چکے تھے۔

ادھر شہر میں عوام کا غصہ دو دن پہلے سے بڑھ رہا تھا منگل اور بدھ کے روز ملاحوں کی ہڑتال کی خبر پا کر لوگ اپولو بندر اور گیٹ وے آف انڈیا پر جوق در جوق جمع ہوتے تھے اور ملاحوں کو مبارک باد دیتے تھے۔ شام کو یہاں کا منظر قابل دید بن جاتا تھا۔ جہازوں سے ساحل تک جب ہندوستانی ملاح موٹر کشتیوں میں بیٹھ کر آتے تھے تو شہر کے لوگ ان پر سگریٹ، اور کھانے کے ڈبوں، پھلوں اور ہر طرح کے تحفے تحائف کی بارش کر دیتے تھے۔ لیکن آج جمعرات کی صبح سے شہر کے لوگوں کا رویہ بدلا ہوا تھا۔ کاسل بارک سے گولیوں کی پہلی بوچھاڑ کے بعد ہی ہر طرف یہی بات ہو رہی تھی کہ انگریز ہمارے لڑکوں پر گولیاں چلا رہے ہیں ہر طرف شہر میں ہڑتال اور کارخانوں میں جنرل اسٹرائک کے چرچے ہو رہے تھے۔ جیسے جیسے دن گزر رہا تھا واقعات بڑی تیزی سے نازک تر ہوتے جا رہے تھے۔

Scanned with OKEN Scanner

اس وقت مرکزی ہڑتال کمیٹی نے ہندوستانی عوام کے نام اور ہندوستانی سیاسی جماعتوں کے لیڈروں کے نام اپنی پہلی تاریخی اپیل جاری کی۔ اس اپیل میں انھوں نے اپنی ہڑتال کی وجوہ بتائی تھیں اور بتایا کہ "راٹرے اور گوڈ فرے" قسم کے انگریز کس طرح انھیں تباہی اور بربادی کی دھمکیاں دے رہے تھے۔ آخر میں کمیٹی نے عوام سے اور "کانگرس، لیگ، اور کمیونسٹ پارٹی کے لیڈروں سے اپیل کی تھی کہ وہ پُرامن ہڑتال کی اپیل کریں اور ان ہڑتالوں کے ذریعے ملک کے عوام کو ہماری حمایت میں مجتمع کریں۔

اسی شام کو کمیونسٹ پارٹی نے بمبئی کے عوام سے اپیل کی کہ گوڈ فرے کے " ہار مانو یا تباہ ہو جاؤ" کی دھمکی کے جواب میں مکمل ہڑتال کریں اور مطالبہ کریں کہ تشدد فوراً ختم کیا جائے، سمجھوتہ کی بات چیت پھر سے شروع ہو اور ہڑتالیوں کی جائز مانگیں پوری کی جائیں۔

کراچی کا معرکہ

۲۱ فروری کو کراچی میں بھی ہندوستانی بیڑہ کے ہڑتالیوں نے ہندوستان کے بدیسی آقاؤں کے خلاف پہلی بار مسلح لڑائی لڑی۔ کراچی کے تمام ساحلی اداروں "ہمالیہ"، "بہادر" اور "چپک" کے ملاح "ہندوستان" کے ادارہ میں جمع ہو گئے تھے جو کراچی میں اسی طرح ہڑتالی سرگرمیوں کا مرکز بنا ہوا تھا جیسے بمبئی میں "تلوار"۔ دوپہر تک، یہاں چھ سو (۶۰۰) ملّاح آچکے تھے حالانکہ اس ادارہ میں عام طور پر قریباً سو (۱۰۰) ملاح رہتے تھے۔ انگریزوں نے بھی پہلے ہی سے تیاری شروع کر دی تھی اور "بلوچ رجمنٹ" کے دو پلاٹونوں (قریب ساٹھ سپاہیوں) کو حکم دیا تھا کہ جا کر "ہندوستان" پر قبضہ کر لو۔ لیکن یہ سپاہی ہندوستانی تھے۔ اس لیے انھوں نے اپنے بھائیوں کے خلاف قدم بڑھانے سے انکار کر دیا۔ اس پر گورے سپاہیوں کو بڑھنے کا حکم دیا گیا۔ اُدھر ہندوستانی ملاحوں نے اپنے مرکز "ہندوستان" کے انگریز کمانڈنگ آفیسر کو حکم دیا کہ وہ فوراً وہاں سے نکل جائے۔ اس افسر نے جاتے جاتے اپنے پستول سے فائر کر دیا۔ اسے دیکھ کر گورے سپاہی "ہندوستان" کے ملاحوں پر گولیاں چلاتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ لیکن بمبئی کے کاسل پارک کی طرح کراچی کے "ہندوستان" میں بھی ہندوستانی جوان اس حملہ سے ذرا نہیں گھبرائے۔ انھوں نے آڑ لے کر "ادیہ بیگن"

Scanned with OKEN Scanner

نامی چھوٹی توپوں کے دہانے گوروں کی طرف کر کے کھول دیے۔ گوروں نے جب دیکھا کہ یہ ٹیڑھی کھیر ہے تو پیچھے بھاگ گئے۔ لیکن تھوڑی ہی دیر میں گوروں نے پھر آتش باری شروع کی، جس سے دو ملاح شہید ہو گئے۔ ملاحوں نے دیکھا کہ چھوٹی توپوں کا اثر نہیں ہوتا تو انھوں نے چار انچ کے دہانوں والی بڑی توپوں سے گولہ باری شروع کر دی۔ گورے پھر تتر بتر ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ "چمک"، "بہادر" اور "ہمالیہ" میں جو ہندوستانی ملاح رہ گئے تھے۔ انھوں نے اپنے اپنے الگ جلسے کیے اور ہر جلسہ میں مطالبہ کیا گیا کہ انگریز فوجیں فوراً واپس ہٹائی جائیں۔

دوسرے دن ۲۲ تاریخ کی صبح کو کراچی کی لڑائی اپنے شباب پر پہنچ گئی۔ اس وقت تک سمندر میں جوار بھاٹے کی واپسی لہر شروع ہو چکی تھی۔ پانی کی سطح گر گئی تھی اور اس کے ساتھ ملاحوں کا خاص جنگجو جہاز "ہندوستان" کل کے مقابلہ میں بہت نیچا ہو گیا تھا اور اس کی توپوں کی زد ٹھیک نہیں پڑتی تھی۔ اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر انگریزوں نے دس بجے صبح پھر "ہندوستان" پر حملہ کیا۔ ملاح پچیس منٹ تک کھڑے رہے اور موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر لڑتے رہے۔ چھ شہید ہو گئے پچیس زخمی ہوئے لیکن دشمن کی طاقت بہت زیادہ تھی۔ "ہندوستان" کو سپر ڈالنی پڑی، ساڑھے تین سو ہندوستانی ملاح اسی وقت گرفتار کر لیے گئے۔

"ہندوستان" کراچی میں ہڑتال کا سب سے بڑا اڈا تھا۔ اس کا معرکہ ختم ہو جانے کے بعد دوسرے اداروں کے ملاحوں نے بھی سپر ڈال دی اور ملاحوں کی ہڑتال ختم ہو گئی۔

لیکن کراچی کے عوام نے جدوجہد جاری رکھی۔ ۲۳ تاریخ کو تمام کارخانوں اور کاروبار میں عام ہڑتال ہوئی۔ کمیونسٹ پارٹی کی طرف سے تیس ہزار آدمیوں کا زبردست مظاہرہ ہوا پولیس اور فوج نے مظاہرہ کرنے والوں پر گولیاں چلائیں۔

جہاز "آزادی" کا پہلا سفر

دوسری جگہوں پر بھی ۲۱ اور ۲۲ فروری کو ہندوستانی بیڑہ میں زبردست ہڑتالیں ہوئیں۔

Scanned with OKEN Scanner

کلکتہ کے پورے سترہ سو (۱۷۰۰) ملاح باہر نکل آئے۔ کوچین میں سات سو ملاحوں نے ہڑتال کی۔ وزیگا پٹم میں تیرہ سو ملاحوں نے ۲۱ تاریخ کو ہڑتال شروع کی۔ لیکن ۲۲ فروری کو اسے بڑی سختی سے دبا دیا گیا اور قریباً تین سو آدمی گرفتار کر لیے گئے۔ جام نگر جیسی جگہ میں بھی جو کاٹھیاواڑ کی ایک پس ماندہ ریاست ہے اور ہڑتال کے اس دھارے سے بالکل الگ تھی۔ "دلسورا" نامی ساحلی ادارہ میں ادارہ کے تمام تین سو ملاحوں نے ہڑتال کی اور سخت مقابلہ کے باوجود ۲۳ تاریخ تک ڈٹے رہے اور جب بمبئی کی ہڑتال ختم ہو گئی تب واپس آ گئے۔

لیکن ان میں سب سے زیادہ حوصلہ خیز اور دلیرانہ واقعہ "کاٹھیاواڑ" کا ہے۔ کاٹھیاواڑ ایک چھوٹے سے جہاز کا نام تھا۔ جس پر صرف ۱۲۰ ملاحوں کا عملہ کام کرتا تھا۔ جب ہڑتال شروع ہوئی تو یہ جہاز گجرات کے "موردی" نامی بندرگاہ میں لنگر ڈالے ہوئے تھا۔ اس دور دراز بندرگاہ میں ان بچارے ہندوستانی ملاحوں کو اسی روز یعنی ۲۱ تاریخ کو کاسل بارک کے معرکہ کی بس اڑتی ہوئی خبریں ملی تھیں۔ لیکن ان کے لیے یہ دھندلا خاکہ ہی اس معرکہ کی انقلابی اہمیت سمجھنے کے لیے کافی تھا۔ انھوں نے بھی ہڑتال کا فیصلہ کر لیا۔ اس وقت صبح ہو چکی تھی۔ جہاز تھوڑی دیر میں لنگر اٹھا کر سفر پر روانہ ہونے والا تھا۔ چنانچہ انھوں نے طے کیا کہ جیسے ہی جہاز سمندر میں پہنچے گا، ان کی ہڑتال شروع ہو جائے گی بلکہ وہ جہاز کے افسروں کو بے دخل کر کے خود قبضہ کر لیں گے اور جہاں جہاز جا رہا ہے اس کے بجائے اُسے بمبئی لے جائیں گے اور وہاں ہندوستانی بیڑہ کے بڑے معرکہ میں شریک ہوں گے۔

دس بجے صبح جہاز بندرگاہ سے چل پڑا۔ ملاحوں نے اپنا جلسہ کیا اور عین اسی وقت کراچی میں "ہندوستان" نے انھیں وائرلیس پر پیغام بھیجا کہ ہماری مدد کو آؤ۔ انھوں نے طے کر لیا کہ بمبئی کے بجائے اب انھیں کراچی جانا ہے اور فوراً جہاز کے کپتان کو زبردستی جہاز کے "پل" پر سے گھسیٹ لے گئے اُسے اور دوسرے افسروں کو گرفتار کر کے بند کر دیا اور جہاز کا رُخ کراچی کی طرف موڑ دیا۔ ایک بجے کے قریب انھوں نے ایک سرکاری وائرلیس کے مراسلہ کو اپنے ریڈیو پر پکڑا جو نئی دہلی میں جنرل ہیڈکوارٹر سے بمبئی کے انگریز افسروں کو بھیجا جا رہا تھا۔ اس میں اطلاع دی گئی تھی کہ اسی کراچی کے "ہندوستان" نے جس کی مدد کو وہ جا رہے تھے۔ ہتھیار ڈال دیے ہیں۔

Scanned with OKEN Scanner

اب انھوں نے ایک اور جلسہ کرکے پھر بمبئی جانے کا فیصلہ کیا۔ کپتان کو نکال کر اس سے کہا کہ اگر تم بمبئی کی طرف چلو تو تمھیں جہاز چلانے کی اجازت دیدی جائے گی۔ کپتان کو یہ ڈر تھا کہ "ناتجربہ کار" ملاح اگر کہیں کوئی گڑبڑ ہی گڑبڑ ہی کردیں اور جہاز کو کوئی حادثہ پیش آجائے تو اس کی اپنی بھی جان جائے گی (حالانکہ تین گھنٹے تک ملاح اس کے تجربہ اور ہدایت کے بغیر پوری کامیابی سے جہاز چلاتے رہے تھے) اس لیے وہ فوراً تیار ہوگیا لیکن اس اجازت کے باوجود جہاز کی کمان اور پورا اختیار ملاحوں نے اپنے ہی ہاتھ میں رکھا اور راستہ بھر وہ گاتے رہے اور جوش ملیح آبادی کا یہ شعر سمندر کی وسعتوں میں گونجتا رہا۔

کام ہے میرا تغیر، نام ہے میرا شباب　　　میرا نعرہ انقلاب و انقلاب و انقلاب

" کاٹھیاواڑ اپنے ملاحوں کی کمان میں بمبئی پہنچا لیکن ۲۲ تاریخ کو جب یہاں ہڑتال ختم ہو چکی تھی۔ اس لیے اور جہازوں کے ساتھ کاٹھیاواڑ کو بھی ہتھیار ڈالنے پڑے۔ اس طرح ہندوستان کے اس سفینۂ آزادی کا جس کے ناخدا گورے افسر نہیں بلکہ صرف محب وطن ہندوستانی سورما تھے، پہلا اور ہماری تاریخ کا بے نظیر سفر ختم ہوگیا۔

بمبئی کی زبردست ہڑتال

۲۲ تاریخ کی صبح تک سارے ہندوستانی بیڑہ کی ہڑتال پورے شباب پر پہنچ چکی تھی، اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ بمبئی کے شہر میں بھی عام اور مکمل ہڑتال ہوگئی جہازیوں کو مرکزی ہڑتال کمیٹی اور "کمیونسٹ پارٹی" کی آواز پر سارے شہر نے لبیک کہی۔ سردار پٹیل، کانگریس اور لیگ کے لیڈروں نے اس ہڑتال کو روکنے کی کوشش کی لیکن عوام تُلے بیٹھے تھے اور اب انھیں کوئی طاقت نہیں روک سکتی تھی۔

دس بجے صبح تک پوری حالت بالکل صاف ہوکر سامنے آگئی، ۳ لاکھ سے زیادہ مزدور اور تیس ہزار سے زائد طلبا ہڑتال پر تھے۔ ان کے علاوہ بمبئی کے لاکھوں شہری بمبئی کی سڑکوں پر مظاہرے کررہے تھے۔ ترنگے، ہرے اور لال جھنڈے بمبئی میں ہر طرف ایک ساتھ لہرا رہے تھے۔ گلی گلی اور کوچہ کوچہ انقلابی نعروں سے گونج رہا تھا۔ بمبئی جیسے انقلابی شہر

نے بھی اتنی بڑی ہڑتال کبھی نہیں دیکھی تھی۔

دس بجے کے قریب بمبئی کے عوام پر انگریزوں کا حملہ شروع ہوا۔ اس وقت تک حکمرانوں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ اب بات صرف جہازیوں کی ہڑتال کی نہیں رہی ہے ۔۔۔۔ انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ کانگرسی لیڈر جہازی جوانوں کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر رہے تھے اور اس لیے جہاں تک جہازیوں کا تعلق ہے ان سے بھگتنے کا کام کانگرس پر چھوڑ دیا جا ہے۔ اس لیے اب ہمارا خاص کام یہ ہے کہ اس بغاوت کی حمایت میں شہر میں جو نئی بغاوت شروع ہو گئی ہے اُسے کچلا جائے اور اس غرض سے وہ جنرل لاک ہارٹ کو بمبئی پر حملہ کی کارروائیوں کو منظم کرنے کے لیے لے آئے۔ یہ جہازی افسر نہیں بلکہ فوجی افسر اور جنوبی فوج کا کمانڈر تھا۔

موٹر دل اس شخص نے گورے سپاہیوں کو لاریوں، توپ گاڑیوں ٹینکوں اور بکتر بند میں بٹھا کر اور ہر طرح کے اسلحوں سے لیس ہو کر سارے شہر میں گھمانا شروع کیا۔ اُن کی گاڑیاں زناٹے سے گزرتی تھیں اور سڑکوں کے دونوں طرف تڑتڑ گولیاں برستی جاتی تھیں۔ ہر طرف ایک قتل عام کا منظر تھا۔ لوگ اندھا دھند مارے جا رہے تھے لیکن ان گورے قاتلوں کے ہمراہ ایک بھی ہندوستانی سپاہی نہیں رکھا گیا تھا۔ انگریز کو ہندوستانی سپاہی پر بالکل بھروسہ نہیں رہا تھا۔

اس روز بمبئی کی سڑکوں اور گھروں میں سینکڑوں آدمی مارے گئے اور بے شمار زخمی ہوئے محض مرنے والوں کی تعداد ۲۷۰ بتائی جاتی ہے لیکن عوام انگریز کے حملے سے بھاگے نہیں بلکہ بہادری سے لڑتے رہے۔ ڈیلائل روڈ پر پورے تین گھنٹے تک مسلح جنگ ہوتی رہی۔ ڈونگن روڈ پر "آنکھ مچولی" جنگ کا سلسلہ گھنٹوں چلتا رہا۔ بدیسی فوج ہندوستانیوں کے دل میں ہیبت بٹھانے آئی تھی لیکن سینکڑوں کو قتل کرنے کے باوجود وہ اپنے اصل مقصد میں رتی بھر کامیاب نہیں ہوئی۔

سردار پٹیل کا فرمان

ادھر نہتے لوگ سڑکوں پر لڑ رہے تھے۔ ہندوستانی بیڑے کے جوانوں کی حمایت میں پانی کی طرح اپنا خون بہا رہے

تھے۔ گوری فوجوں اس کے ٹینکوں، بکتر بند گاڑیوں اور مشین گنوں کو نیچا دکھا رہے تھے۔ ادھر کانگریسی لیڈر اس جدوجہد کے آگے آکر اس کی قیادت کرنے کے بجائے اسے دبانے کی کوشش میں مصروف تھے۔ سردار پٹیل سے مرکزی ہڑتال کمیٹی کے نمائندوں کا اصرار تھا کہ ہتھیار دلوانے سے پہلے حکومت کی طرف سے سرکاری طور پر اس کا وعدہ کیا جائے کہ ہڑتالیوں کو کسی قسم کی سزا نہیں دی جائے گی اور ان کی شکائتیں دور کی جائیں گی۔ اور کانگرس اور لیگ دونوں حکومت کے وعدہ کی ضمانت حاصل کریں۔

سردار صاحب نے صرف یہ یقین دلایا کہ کانگرس انتہائی کوشش کرے گی کہ کسی قسم کی بھی سزا نہ دی جائے اور ملاحوں کی جائز شکائتیں جس قدر جلد ممکن ہو دُور کی جائیں۔ انھوں نے ہڑتال کمیٹی کے صدر سے یہ بھی کہا کہ "کانگرس کا مشورہ یہ ہے کہ ہتھیار ڈال دیے جائیں اور اطاعت قبول کرنے کی رسم ادا کر دی جائے۔ سردار پٹیل سے ہڑتال کمیٹی کے صدر کو اس "وعدے" اور "مشورہ" کے علاوہ اور کچھ حاصل نہیں ہوا۔

اور جب وہ ہڑتالی ملاحوں کو یہ پیغام سنانے گئے تو ان کے غصے کی کوئی انتہا نہ تھی۔ وہ طیش میں آآ کر کہتے تھے "کیا ہم نے ساری قربانیاں اسی انجام کے لیے کی ہیں؟ اور یہ جو بمبئی کی سڑکوں پر ہمارے سینکڑوں ہم وطن جانیں دے رہے ہیں اور لڑ رہے ہیں کیا وہ سب اسی کے لیے"؟

ہڑتال کمیٹی کا آخری جلسہ

مرکزی ہڑتال کمیٹی نے اس "مشورہ" پر غور کرنے اور فیصلہ کرنے کے لیے اپنا جلسہ کیا۔ جلسہ دو بجے رات کو شروع ہوا اور ساڑھے پانچ بجے صبح تک چلتا رہا۔ یہ اس کا آخری جلسہ ثابت ہوا شروع میں زبردست اکثریت یعنی ۳۶ میں سے ۲۹ ممبر سردار پٹیل کے مشورہ پر عمل کرنے اور ہتھیار ڈالنے کے مخالف تھے لیکن بحث جتنی طول پکڑتی گئی اتنے ہی وہ لوگ بددل ہونے لگے اور ان کے حوصلے کچھ پست پڑنے لگے۔ سو سوالوں کا ایک سوال ان کے سامنے بار بار یہی اٹھتا تھا کہ جب ہمارے لیڈر ہی آگے آنے سے انکار کر رہے ہیں تو ہم کیا کر سکتے ہیں؟ بحث میں اب "غداری" کی قسم کے تلخ اور سخت الفاظ بھی استعمال ہونے لگے۔

Scanned with OKEN Scanner

ایک گروہ کی رائے تھی کہ صرف پٹیل کا وعدہ کافی نہیں ہے بلکہ انھیں لیگ سے بھی وعدہ کرانا چاہیے۔ پانچ بجے کے قریب جب سب لوگ بالکل تھک کر خستہ ہو چکے تھے انہیں خبر ملی کہ جناح صاحب نے بھی یہی مشورہ دیا ہے اور سردار پٹیل ہی کی طرح گول مول وعدہ کیا ہے۔ اس خبر نے کمیٹی میں فیصلہ کرادیا۔ اب ۳۰ ممبر سردار پٹیل کا مشورہ قبول کر لینے کے حق میں اور چھ مخالف تھے چنانچہ چھ کی مخالفت اور تیس کی موافقت سے ہڑتال واپس لینے کا فیصلہ ہوا۔

ہڑتال کمیٹی کے ہر ممبر نے اس فیصلہ پر پوری دیانتداری سے عمل کیا۔ دلوں میں ناامیدی اور تلخی کا ایک طوفان دبائے وہ اپنے اپنے جہازوں کو واپس چلے گئے۔ زیادہ تر ملاح اس فیصلہ پر بے حد خفا تھے اور اعلانیہ کہہ رہے تھے کہ یہ غداری ہے۔ ان کا حوصلہ اور جوش اپنے شباب پر تھا اور زیادہ تر یہی محسوس کر رہے تھے کہ سردار پٹیل اور جناح صاحب نے ان سے منہ پھیر لیا ہے۔ جام نگر میں تو غصہ اس قدر بڑھا کہ ملاحوں نے جھلا کر جہاز کے مستول سے کانگرس اور لیگ کے جھنڈے اتار لیے اور صرف لال جھنڈا لہراتا رہنے دیا جو تین گھنٹے بعد تک جب انھوں نے بھی ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کیا، لہراتا رہا۔ لیکن آخر میں سب کو ہڑتال کمیٹی کی رائے ماننی پڑی وہ کہہ رہے تھے کہ اس کے علاوہ ہم اور آپ کر بھی کیا سکتے ہیں چنانچہ ایک کے بعد ایک جہازوں پر ہتھیار ڈالنے کی نشانیاں، سیاہ جھنڈے بلند ہونے لگے۔ گورے افسر بڑی شان سے دوبارہ جہاز میں داخل ہوتے۔ ہندوستانی ملاح دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ ان کے چہروں پر حسرت برس رہی تھی۔ جنگ اور ذہنی کشمکش نے انھیں تھکا کر چور کر دیا تھا۔

سنیچر کی دوپہر تک "ہندوستانی" بیڑہ پر پھر انگریز کا راج قائم ہوگیا۔ بارکوں میں ڈاک یارڈ میں جہازوں پر اور ہر ساحلی ادارہ میں گورے سپاہی تعینات کر دیے گئے۔ رائفلیں اور ریوالور چھین لیے گئے، جہاز کی ہر توپ سے توپ چھڑانے والا پرزہ نکال لیا گیا اور یہ تاریخی ہڑتال ختم ہوگئی۔

Scanned with OKEN Scanner

عوامی جدّوجہد کی لہر

لیکن شہر میں عوام کی حمایت کا جوش ختم نہیں ہوا اسی روز سنیچر کو بمبئی میں فوج اور عوام کے بڑے بڑے معرکے ہوئے۔ یہاں سے بہت دور کلکتہ میں عام ہڑتال اور زبردست مظاہرہ ہوا۔ ترچناپلی اور مدراس میں جہازیوں کی حمایت میں ۲۷ تاریخ کو زبردست مظاہرے اور ہڑتالیں ہوئیں۔ ترچناپلی میں پورے ایک لاکھ افراد کا زبردست جلسہ ہوا اور مدراس میں قریباً ۵۰ ہزار کا۔ مجرا میں بھی ۲۷ تاریخ کو ۵۰ ہزار کا زبردست جلسہ ہوا۔ بہت سے اور دوسرے شہروں میں بھی ملاحوں کی حمایت میں اور فوج کی دہشت انگیزی کے خلاف اسی طرح زبردست مظاہرے اور ہڑتالیں چلتی رہیں۔

ہوائی بیڑہ اور فوج کے ہندوستانیوں نے بھی فوراً ہڑتالی ملاحوں کی حمایت میں قدم اٹھایا بمبئی، پونا، جیسور، الہ آباد اور دوسرے مرکزوں پر ہوائی بیڑہ کے ہندوستانیوں نے ہڑتال کی۔ جبل پور میں فوج کے انڈین آرمی سروس کور کے پورے ہندوستانی دستہ نے ہڑتال کر دی جس میں انھیں گورے سپاہیوں کے سخت مظالم سہنے پڑے لیکن ہڑتال نہیں ٹوٹی۔ اسی طرح بمبئی کے قریب کُرلا میں بھی انڈین آرمی سروس کور کے دستہ نے ہڑتال کی۔ کراچی میں ساری چھاؤنی میں سنسنی پھیلی ہوئی تھی۔ چوتھی ہندوستانی ڈویژن میں جسے "سُرخ عقاب" کا خطاب ملا تھا۔ بحث ہو رہی تھی کہ کیا صورت اختیار کی جائے۔ اس طرح دسویں ڈویژن میں بھی جو اسی زمانہ میں اٹلی اور یونان سے واپس آئی تھی، لوگ سوچ رہے تھے کہ ان کی باری کب آئے گی۔

لیکن سردار پٹیل اور مسٹر جناح کا مشورہ اپنا کام کر چکا تھا۔ بمبئی کی جہازی ہڑتال ختم ہو چکی تھی۔ یعنی اس کُل ہند تحریک کا دل دھڑکتے دھڑکتے بند ہو گیا تھا اور اس کے ساتھ کُل ہند تحریک بھی دھیرے دھیرے مدھم پڑتی گئی اور بند ہو گئی۔

انتقام، سزائیں اور برطرفی

انگریز حکام نے فوراً ہی قوم کی کمزوری اور کانگریسی لیڈروں کی کمزوری کا پورا فائدہ

اٹھانا شروع کیا۔ سارے ہندوستان میں ہڑتالی ملاحوں کے لیڈروں کی گرفتاریاں شروع ہوگئیں بمبئی میں ۳۹۶ ملاح گرفتار کیے گئے، کراچی میں ۵۵۰ اور دوسرے ساحلی اداروں سے کم از کم ساڑھے تین سو۔ ان سے جرح کی گئی اور راز معلوم کرنے کے لیے انھیں طرح طرح سے اذیت دی گئی لیکن وہ کسی سے کچھ بھی نہ معلوم کرسکے۔

انگریزوں کو یہ بھی ڈر تھا کہ اگر ان لوگوں پر باقاعدہ فوجی مقدمہ چلایا گیا تو عوام میں اور جوش بڑھے گا اور آزاد ہند فوج کے مقدموں کی طرح آخر حکومت کو عوامی دباؤ کے سامنے جھکنا پڑیگا اس لیے ان سورماؤں کے خلاف سرسری کارروائی کی گئی اور انھیں ہندوستانی بیڑہ سے نکال دیا گیا۔

بیڑہ سے اور بھی ملاح دھڑا دھڑ نکالے جانے لگے۔ کہاں تو فوجی محکموں سے سبکدوشی میں مہینوں لگ رہے تھے اور کہاں یہ صورت ہوئی کہ اب اس کی رفتار تقریباً دگنی ہوگئی۔ جنوری اور فروری میں ۳۲۷۶ ملاح سبکدوش ہوتے تھے اور مارچ اور اپریل میں ۵۴۱۷ آدمی برطرف کر دیے گئے۔ ہندوستانی بیڑہ جس میں ۳۰ ہزار کا عملہ تھا سال کے ختم ہوتے ہوتے صرف ۷ ہزار کا رہ گیا۔

اسی کے ساتھ ملاحوں کے ساتھ بدسلوکی کا طریقہ جوں کا توں قائم رہا۔ ان کی ایک بھی شکایت ابھی تک دور نہیں کی گئی۔ گورے اور کالے کا فرق اسی زور شور سے جاری تھا۔ البتہ انگریزوں کو بدتمیزی کرتے اب ڈر ضرور لگتا تھا۔ اب وہ اس طرح بے لگام گالیاں نہیں دیتے تھے کیونکہ انھیں بیڑہ کی "بغاوت" یاد تھا۔

سال بھر کے اندر ....

اس تاریخی بغاوت کو ہوتے ایک سال گزر چکا ہے اور اس سال میں کیا کچھ نہیں ہوا انگریزوں کا وزارتی مشن آیا اور ایک، شیطانی اسکیم ہمارے سر تھوپ کر چمپت ہوگیا۔

ہندوستانی عوام کا اتحاد اس سال کے شروع میں آزاد ہند فوج والے مظاہروں میں قائم ہوا تھا اور بیڑہ کی ہڑتال کے موقع پر انتہا کو پہنچ گیا تھا اور پھر بعد میں ڈاک کی ہڑتال کے

زمانہ میں اور زیادہ مضبوط ہو گیا تھا مگر اس شاندار اور قابل فخر اتحاد کو انگریزوں کی فتنہ انگیز اسکیم نے پارہ پارہ کر دیا۔

اور اس اتحاد کی بجائے بھائی نے بھائی کا خون بہایا اور خانہ جنگی چھڑ گئی اتنے بڑے اور بھیانک پیمانہ پر کہ ہندوستان میں کبھی کسی کو اس کا سان و گمان نہیں ہو سکتا تھا کلکتہ کا قتل اور غارت گری کا طوفان، نواکھالی کی بھیانک داستان اور پھر سب سے بڑھ کر بہار کا ہولناک قتل عام جن کی بدولت کانگرس اور لیگ کی باہمی لڑائی کا سیلاب بڑھتا ہی گیا۔ جہازیوں کی بغاوت اور ہندو مسلم اتحاد کے اس تاریخی مظاہرہ کے دس مہینے کے اندر ہمارا ملک کلکتہ اور نواکھلی سے ہوتا ہُوا بہار تک پہنچ چکا تھا۔ وزارتی مشن کی اسکیم کا اس سے بڑا معجزہ اور کیا ہوگا۔

دس مہینے پہلے جب سامراجیوں کو عوام کے اتحاد کا عوام کے جنگجو جذبہ کا سامنا تھا تو وزیر اعظم اٹیلی نے ۱۹ فروری کو بیان دیا تھا کہ ہندوستان کو آزادی ہو گی کہ وہ جیسا چاہے اپنا آئین بنالے مگر یہ بیان دینے کے بعد اور وزارتی مشن کو ہندوستان بھیج کر انہیں اپنی دوبارہ صف بندی کرنے کی مہلت مل گئی اور اسی کے ساتھ ہی انھوں نے ہندوستان کی صفوں کو منتشر کر دیا۔

دس مہینے پہلے اٹیلی یقین دلا رہا تھا کہ ہندوستان جیسا آئین چاہے بنالے۔ اس نے اس کے ساتھ ہی ۱۹ فروری کو یہ بھی کہا تھا کہ کسی اقلیت کو اس آئین کو مسترد کرنے کا حق نہیں دیا جائے گا لیکن بہار کے بعد چھ دسمبر کو وہی اٹیلی پھر اقلیتوں کا محافظ بن بیٹھا ہے اور کہتا ہے کہ آئین اس وقت تک منظور نہیں ہو سکتا جب تک اقلیتیں اس سے مطمئن نہ ہوں اور جب تک وہ انگریز کی پسند کا نہ ہو۔

بیڑہ کی ہڑتال کے بعد ہمارے ملک کی تاریخ کتنا پلٹا کھا چکی تھی۔

مرکزی عارضی حکومت اور ہندوستانی بیڑا

لیکن آج کانگرس اور لیگ کے لیڈر جن کے وعدوں کی بنا پر ہڑتال واپس لی گئی،

Scanned with OKEN Scanner

دونوں مرکزی حکومت میں پہنچ گئے ہیں مگر انھوں نے اپنے وعدوں کو پورا کرنے کے لیے کیا کیا؟ انھوں نے تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ شائع کرادی ہے۔ ظاہر ہے کہ ہمارے انگریز آقاؤں کی کوشش ہوگی کہ یہ رپورٹ شائع نہ ہو۔

انھوں نے اعلان کیا کہ "ان کا ارادہ ہے کہ (شاہی ہندوستانی بیڑے میں) ایک قومی سروس کی تعمیر کی جائے جو اس قومی ادارہ کی ذمہ دار ہو جو جنگ میں اپنے کارناموں پر نازاں اور ایک عمدہ مستقبل کی امیدیں رکھتی ہو۔"

یہ ایک نیا قدم ہے اور ہمیں اس کا خیر مقدم کرنا چاہیے

لیکن یہ اعلان کرنے کے ساتھ ہی انھوں نے بغاوت کے متعلق انگریزوں کا یہ الزام بھی تسلیم کرلیا ہے کہ ہڑتال شاہی ہندوستانی بیڑے کی تاریخ میں ایک قابلِ افسوس بات ہے حالانکہ سارے ہندوستان نے اس بغاوت کی حمایت کی تھی اور اس کو ایک جائز اور شان دار کارنامہ قرار دیا تھا کیونکہ یہ بغاوت ان انسانیت سوز حالات کے خلاف کی گئی تھی جن کا بیڑے پر برٹش راج کی بدولت ہندوستانی ملاحوں کو سامنا کرنا پڑ رہا تھا لیکن عارضی حکومت نے ہندوستانیوں پر انگریزوں کی اس الزام تراشی ہی کو نہیں بلکہ ان سفارشوں کو قبول کرلیا ہے جو اس رپورٹ میں شائع کی گئی ہیں، یہ اس سے بھی زیادہ افسوسناک بات ہے۔

کیا عارضی حکومت کے ہمارے کانگرس اور لیگ کے لیڈر یہ بھی نہیں دیکھ سکتے کہ یہ سفارشیں وہی پرانی قسم کی سفارشیں ہیں، ہمدردانہ لیکن دراصل سامراج پرست سفارشیں ہیں، کیا وہ اس کھلی ہوئی حقیقت کو بھی نہیں دیکھ سکتے کہ ان سفارشوں میں بیڑہ میں حالات سدھارنے کی ضرورت کو تو تسلیم کیا گیا ہے لیکن بیڑا میں انگریزی اقتدار بدستور قائم رکھا گیا ہے جو اصل فساد کی جڑ ہے۔

اور کیا یہ بات بھی انھیں سمجھانی پڑے گی یا انھیں خود سمجھنی چاہیے کہ ملاحوں پر یہ جو پابندی لگائی گئی ہے کہ پارٹیوں کی سیاست میں حصہ نہ لیں اس کے معنی موجودہ حالات میں (جبکہ انھیں کوئی جمہوری آزادی حاصل نہیں ہے، نہ اخبار پڑھنے کو ملتے ہیں نہ جلسوں میں شریک ہونے کی اجازت ہے) یہی ہو سکتے ہیں کہ ملاح اپنی قوم سے کٹ کر بالکل الگ

اور بے یار و مددگار ہو جائیں کیا اس بات کا صریح مطلب یہ نہیں ہے کہ انگریز جو آج بھی ہندوستانی بیڑا کے مالک و مختار بنے ہوئے ہیں۔ عارضی حکومت سے یہ اجازت لے کر کہ ہم پارٹیوں کی سیاست کو بیڑا میں نہیں داخل ہونے دیں گے۔ دراصل ہندوستانی جہازیوں اور ان کی قوم کے درمیان ایک کڑی سامراجی دیوار کھڑی کر دینا چاہتے ہیں؟

کیا عارضی حکومت میں کانگریس اور لیگ کے لیڈر یہ نہیں سمجھ سکتے کہ "جب وہ بیڑا کو فوراً سو فیصدی ہندوستانیوں کا بیڑا بنانے کے بجائے بالکل گول مول وعدے کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسے بتدریج ہندوستانی بنایا جائے گا تو بڑے بڑے انگریز بحری افسران گول مول باتوں سے کتنا فائدہ اٹھا سکتے ہیں؟ اگر بیڑا کو ہندوستانی بنانے کے باقاعدہ پروگرام کا اعلان نہیں ہوگا۔ اور اس کے لیے سختی کے ساتھ وقت کا تعین نہیں کیا جائے گا تو انگریز افسر سو برس تک رہنے کا پروگرام بنا کر بھی یہی کہے جائیں گے کہ بیڑا کو فوراً تو ہندوستانی بنایا نہیں جا سکتا بلکہ رفتہ رفتہ بنایا جا سکتا ہے۔ اور پھر یہ لیڈر کیا ان وعدوں کو بالکل بھول گئے جو انھوں نے جہازیوں سے کیے تھے کہ کسی کو سزا نہیں دی جائے گی اور شکایتیں جلد از جلد دور کی جائیں گی؟

اپنے وعدے پورے کرو

وقت آ گیا ہے کہ اب سارا ہندوستان اس عارضی حکومت سے مطالبہ کرے کہ ان وعدوں کو پورا کرو! اور انگریز کی چال بازی کے جال میں جان بوجھ کر مت پھنسو۔

آپ نے وعدہ کیا تھا کہ سزائیں نہیں دی جائیں گی۔ اگر آپ اس وقت جہازیوں کو سزا سے نہیں بچا سکتے تھے تو اب تو آپ برسر اقتدار ہیں، اب انھیں بیڑا میں واپس کیوں نہیں لیتے؟ وہ ہندوستانی قوم کے بیڑا کے اصلی لیڈر ہیں۔

ہاں آپ ہی نے وعدہ کیا تھا کہ ان کی مانگیں مانی جائیں گی لیکن آپ نے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا کہ تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ شائع کرا دی اور بس، وہی زبانی وعدے کر لیے جو انگریز برسوں سے کرتے چلے آ رہے ہیں۔ ان شکایتوں کو دور کیجیے اور جلدی دور کیجیے

اور انگریز صاحبوں کی "پارٹی سیاست کے اثر کو روکنے والی لچھے دار باتیں اور گفتگو برداشت کر کے انھیں یہ موقع مت دیجیے کہ وہ ہندوستانی جہازیوں کے معمولی معمولی جمہوری حقوق بھی ان سے چھین لیں۔

اور آخر میں ہندوستانی بیڑا سے انگریزوں کا اقتدار ختم کیجیے۔ بس انھوں نے بہت دن راج کرلیا۔ اب انہیں رخصت کر دیجیے" بحری بیڑے کو رفتہ رفتہ ہندوستانی بیڑا بنانے کا یہ بُرا راگ آپ کے مُنہ سے اچھا نہیں لگتا۔ کیونکہ یہ تو سامراجیوں کا پُرانا راگ ہے۔ فیصلہ کیجیے کہ چھ مہینے کے اندر ہندوستانی بیڑا میں کوئی انگریز افسر، سامراجیوں کا کوئی ایجنٹ باقی نہیں رہ جائے گا۔ یہ لوگ آج بھی اتنے ہی منہ پھٹ، بدتمیز اور فتنہ پرداز بنے ہوئے ہیں جتنے پہلے تھے۔ اب ہم اپنے بیڑے پر ان کا سایہ بھی نہیں دیکھنا چاہتے۔

عارضی حکومت یہ تمام فرائض جس قدر جلد انجام دے گی اسی قدر جلد وہ ہندوستانی بیڑا کو سچا قومی بیڑا بنا سکے گی اور اسی قدر تیزی سے وہ انگریز بحری افسروں کی اس چال کو مات دے سکے گی کہ ہندوستان کے یہ دشمن کسی نہ کسی بہانہ سے ہندوستانی بیڑا پر چھائے رہیں"۔

جہازیوں کی بغاوت کی پوری اور تفصیلی روئیداد میں نے یہاں رقم کر دی ہے۔ اس روئیداد کو اس تفصیل سے دینے کے میرے دو اہم مقاصد تھے۔

اوّلاً میں اپنے قاری پر یہ ثابت کر دوں کہ برطانوی سامراج کو پیچھے ہٹنے اور برصغیر کو جلد سے جلد "آزادی" دینے کی پُشت پر صرف کانگریس اور مسلم لیگ کا دباؤ ہی نہیں تھا۔ بلکہ ایک دوسرا دباؤ بھی تھا اور وہ تھا اب برطانوی سامراج تمام متشدد اداروں کی حمایت سے آہستہ آہستہ محروم ہونا شروع ہو گیا تھا اور جہازیوں اور ایئر فورس کے اندر کی بغاوتوں نے اس امر کی نشان دہی کر دی تھی۔ کیوں کہ سامراج کو اگر فوج کی امداد حاصل رہے تو اس کے لیے عوامی تحریکوں کو خواہ وہ کس قدر بھی طاقت ور ہوں بذریعہ توپ و تفنگ کچلنا ممکن ہو سکتا ہے لیکن اگر فوج میں ہی بغاوت کے آثار ظاہر ہونا شروع ہو جائیں تو پھر اس کا مطلب ہوتا ہے کہ کھیل قریب الاختتام ہے اور یہی وہ وقت ہوتا ہے جب فوج کی نفسیات میں اہم تبدیلیاں رونما ہونی شروع ہوتی ہیں اور ملکی سیاست کے تھپیڑے اس کو

متاثر کرنے لگتے ہیں۔

دوسرا مقصد جس کے لیے میں نے جہازیوں کی بغاوت کی تفاصیل دی ہیں وہ ہے کہ ان کو عوام کی جو حمایت حاصل تھی اس کی پوری طرح نشان دہی کر سکوں، چنانچہ اس تفصیل سے یہ ثابت ہو گیا کہ جگہ جگہ اور شہر شہر میں منظم مزدور ان جہازیوں کی بغاوت میں نکل آئے تھے اور اگر ایسی فضا میں کانگرس اور مسلم لیگ بھی اپنے ماننے والوں سے اپیل کرتی کہ اے کانگرسیو! اے مسلم لیگیو! ملک انقلاب کے لیے تیار ہے باہر نکل آؤ اور برطانوی سامراج پر ٹوٹ پڑو، ٹوٹ پڑنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ قتل کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوتے بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا کہ کانگرس اور مسلم لیگ بھی منظم طریقے سے اس جدوجہد میں شریک ہو جاتیں، یہ جماعتیں مظاہرہ کرتیں جلوس نکالتیں اور ان کروڑوں انسانوں کے منظم مظاہرے دوسرے طبقوں مثلاً دکان داروں کو بھی متاثر کرتے، ٹرانسپورٹروں کو بھی متاثر کرتے، طلبا بھی کالجوں، سکولوں سے نکل آتے، ریلوے میں کام کرنے والے مزدوروں کو بھی متاثر کرتے۔ ٹرانسپورٹروں کو بھی متاثر کرتے، طلبا بھی کالجوں، سکولوں سے نکل آتے، ریلوے میں کام کرنے والے مزدوروں کو بھی متاثر کرتے۔ اس طرح ایک جنرل سٹرائیک کے لیے فضا سازگار ہو جاتی اور یہ فضا افسر شاہی کو بھی ہلا کر رکھ دیتی۔ اس طرح سے ایک متبادل راستہ نکلتا اور عامۃ الناس، غریب اور مجبور انسان ایک نئے ولولے کے ساتھ میدان میں نکل کر اقتدار پر قبضہ کرنے کے لیے جدوجہد میں شامل ہوتا اور یہ ہوتی ایک انقلاب کی ابتدا اور اس انقلاب کی کٹھالی سے ریاست کا ایک پورا متبادل ڈھانچہ متشکل ہو گیا۔

کسی ملک میں جب اس قسم کی منظم عوامی تحریک سے موجودہ اور ظالم ریاستی ڈھانچہ کو شکست دے کر ایک نئے ریاستی ڈھانچہ کو وجود میں لایا جاتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے؛

ا : نئی نوکر شاہی، یعنی ایک ایسی انتظامیہ جو اس عوامی تحریک اور اس انقلابی جدوجہد کے بطن سے جنم لے، یہ انتظامیہ صحیح معنوں میں عوامی خواہشوں اور

تمناؤں کی نمائندگی کرتی ہے اور وہ حتی المقدور عوام کے مسائل کو حل کرنے میں ممد ہوتی ہے۔

۲ : ایک نئی فوج جو انقلابی اور حب الوطنی کے جذبوں سے سرشار ہوتی ہے اس میں پرانی فوج کا ایک معتد بہ عنصر بھی نئے سیاسی رجحانات سے متاثر ہو کر شامل ہو جاتا ہے۔

۳ : اس قسم کی انقلابی تحریکوں میں یہ جان ہوتی ہے کہ وہ مختلف قوموں اور قومیتوں کے حقوق تسلیم کر کے ایک جاندار اور وسیع متحدہ ملک کو جنم دے سکیں۔

۴ : اس قسم کی انقلابی تحریکوں کے نتیجے میں عوامی اور قومی جمہوریت وجود میں آتی ہے، جس میں غریب، مجبور، مزدور، کسان سبھی کی نمائندگی ہو، اس میں اوپری طبقوں کی بالادستی نہیں ہوتی۔

۱۹۴۶ کے ہندوستان میں پیدا ہونے والی انقلابی فضا، اس سے جنم لینے والے نتائج سے اگر ایک طرف برطانوی سامراج خوف زدہ تھا تو دوسری طرف کانگرس اور مسلم لیگ کے قائدین بھی اس انقلابی فضا سے لرزاں و ترساں تھے۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ ایک طرف کانگرس کے راہنما سردار پٹیل نے اور مسلم لیگ کے قائد مسٹر جناح نے ان جہازیوں کو حکومت سے کوئی شرائط منوائے بغیر ہتھیار ڈال دینے اور ہڑتال ختم کرنے کا مشورہ دیا مطلب کیا تھا کہ وہ اس انقلابی اقدام اور فوجیوں کی اس بغاوت کو بنظر استحسان نہیں دیکھتے تھے بلکہ انھوں نے ہڑتال کمیٹی کے نمائندوں کو یہ بھی کہا تھا کہ انھوں نے وفاداری کا جو حلف اٹھایا ہے یہ اقدام کر کے انھوں نے اس حلف کی خلاف ورزی کی ہے جس کو وہ کوئی اچھا فعل نہیں گردانتے۔

دراصل اس صورت حال نے برطانیہ کو جلد سے جلد نئے اقدام اٹھانے پر مجبور کیا تھا اور انھوں نے اپنے ترکش کے آخری ہتھیار کو استعمال کر کے صورت حال کو اس قدر اشتعال انگیز بنا دیا اور اس اشتعال کے شعلوں میں انھوں نے کانگرس اور لیگ کے قائدین کو جھونک دیا اور انھوں نے تنگ آ کر کہنا شروع کر دیا کیونکہ یہ لیڈر بھانپ گئے تھے کہ اگر اقتدار اب

Scanned with OKEN Scanner

حاصل نہ ہوا تو عوام ان کی قیادت کی زنجیریں توڑ کر سڑکوں پہ نکل آئیں گے اور اس سے انقلابی قائدین کو اپنا رہنما اور رہبر بنا دیں گے اور ان کے طبقاتی مفاد پر سڑکوں پہ نکلے ہوئے عوام پاؤں تلے روند ڈالیں گے، اور ایسی صورت حال کے حق میں نہ برطانوی سامراج تھا اور نہ کانگرس اور نہ مسلم لیگ کے قائدین تیار تھے۔ اس لیے برطانوی سامراج کے لیے ضروری ہو گیا کہ وہ جلد سے جلد اقتدار منتقل کرنے کی کوئی صورت نکالے اور وہ اقتدار بھی کانگرس اور لیگ کے قائدین کو سونپنا چاہتا تھا، اس لیے کہ ان کے طبقاتی مفاد بہت حد تک اس سے ہم آہنگ تھے۔ دوسرے ان کے دورِ اقتدار میں وہی نوکر شاہی اور انتظامیہ برقرار اور اقتدار پہ فائز رہے گی جس کی تربیت نوآبادیاتی مکتبِ فکر میں ہوئی ہے اور فوج کا بنیادی فکر بھی وہی رہے گا البتہ اس میں دونوں جماعتوں کے حلقۂ اثر کی انتظامیہ اور فوج میں وہی نفرت در آئے گی جو برطانوی سامراج نے نہایت سلیقے سے ان میں سرایت کرنے کے لیے فضا تیار کی ہے اور اس کا نتیجہ کیا ہوگا کہ ہر وقت یہ ایک "ثالث" ایک "مربی" کی طرف دیکھتے رہیں گے۔ جب بظاہر سامراج موقع پر موجود نہیں ہوگا اس وقت بھی وہ ان کے تصادم سے "استفادہ" کرتا رہے گا۔ اس لیے اگر برطانوی سامراج کو دامن چھڑانے کی جلدی تھی تو خود کانگرس اور مسلم لیگ قائدین کا تکیہ کلام یہ ہو رہا تھا :

"اچھا بابا جو دینا ہے دو لیکن جلدی کرو۔"

جس وقت یہ فضا ہوئی تو کانگرس جو متحدہ ہندوستان کے لیے سر دھڑ کی بازی لگانے کا عزم کیے ہوئے تھی۔ وہ تقسیم برصغیر کو تسلیم کرنے پہ تیار ہو گئی

مسلم لیگ جس نے بڑے طمطراق سے ۱۹۴۶ء میں اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کے لیے مرکزی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں کے تمام مسلم لیگی ارکان کو دہلی میں جمع کر کے برصغیر کے چھ صوبوں جن میں ان کی اکثریت تھی کا مطالبہ کر دیا اور جس نے اعلان کیا تھا کہ ہم صوبوں کی تقسیم کو کبھی برداشت نہیں کریں گے انھوں نے بالآخر صوبوں کی تقسیم کو تسلیم کر لیا۔

یہ کس کی جیت تھی ؟

Scanned with OKEN Scanner

باب ۵

جنگ کے بعد کی سیاسی و اقتصادی صورتِ حال

سو قاری کو اب تک یہ احساس ہو گیا ہو گا کہ ۱۹۴۵ء اگست میں جب جنگ کے حتمی خاتمے کا اعلان ہوا تو اس کے بعد سے حالات کتنی تیزی سے بدلتے دکھائی دینے لگے تھے لیکن اب تک اس دوران رونما ہونے والی جن تبدیلیوں کا ذکر کر آیا ہوں وہ تبدیلیوں کے طویل سلسلے کا صرف ایک حصہ ہیں، اس دوران ایک اور اہم تبدیلی جس کا مورّخ کو صحیح سیاق و سباق میں تجزیہ کرنا ہو گا وہ ہے ہندوستان کے سرمایہ دار طبقے کی تیزی سے نشوونما۔

جنگ نے ہندوستانی سرمایہ داروں کے وارے نیارے کر دیے تھے۔ کیونکہ جنگی پیداوار کی وجہ سے سرمایہ دار طبقے کے صنعتی پھیلاؤ میں ۲۵ فی صد اضافہ ہوا اور اب جنگ سے متعلق کئی ایک نئی صنعتوں میں ہندوستانی صنعت کار کا عمل دخل شروع ہو گیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ ہندوستان میں ۵ لاکھ برطانوی اور امریکی فوجیوں کے قیام نے ہمارے ہاں کے فوجی کنیٹن کے ٹھیکیداروں کی بھی چاندی کر دی، چنانچہ یہی وہ زمانہ تھا جب ہمارے یہاں کی وزیر علی انڈسٹریز یعنی سر راتب علی اور ان کے خاندان کی بن آئی اور انھوں نے بے پناہ سرمایہ جمع کیا جو ان کے صنعت کار بننے کی بنیاد بنا۔ اسی طرح ان جنگی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے کئی ایک گھریلو صنعتوں کو تحفظ ہی نہیں ملا۔ بلکہ ان کو زبردست نشوونما کے مواقع ملے۔ چنانچہ ان جنگی ضرورتوں کی تکمیل کے دوران ہندوستانی سرمایہ داروں نے بے پناہ منافع کمایا جس سے ان کے پاس وافر سرمایہ جمع ہونے لگا۔ اسی طرح سے ساہوکاروں اور بنیوں کی بھی بن آئی اور انھوں نے کسانوں کو خوب خوب لوٹا اور اپنی تجوریاں بھرنی شروع کر دیں۔

اس منافع اندوزی اور سرمایہ کی فراہمی نے ایک نئی صورت حال پیدا کر دی اب اس

Scanned with OKEN Scanner

ہندوستانی سرمایہ داروں نے اپنے سرمائے سے ان کمپنیوں کے حصص بھی دھڑا دھڑ خریدنے شروع کر دیے جو اب تک برطانوی صنعت کاروں کے لیے مختص تھے۔ مثلاً یہی وہ زمانہ تھا جب ہندوستانی سرمایہ داروں نے چائے اور پٹ سن میں سرمایہ لگانا شروع کیا، حالانکہ اس سے پہلے انگریز تاجر اور صنعت کار کسی ہندوستانی کو ادھر کا رُخ بھی نہیں کرنے دیتے تھے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اب کئی ایک مثلاً کیمیکل اور کاروں کی صنعتوں میں مشترکہ صنعت کاری شروع ہونے لگی، اور ہندوستان کے چوٹی کے صنعتی گھرانے "ٹاٹا، برلا، ڈالمیا، جین وغیرہ" برطانوی صنعت کاروں کے ساتھ ان کے جونیئر شریک بن کر کاروبار شروع کرتے دکھائی دینے لگے۔ اس کے ساتھ ہی ان ہندوستانی صنعت کار گھرانوں نے ہندوستانی ریاستوں میں بھی اپنا سرمایہ لگانا شروع کر دیا۔ چنانچہ جنوبی اور وسطی ہند کی قدرے ترقی یافتہ ریاستوں مثلاً میسور، گوالیار، بڑودہ اور جے پور میں وہاں کے راجوروں کی ساجھے داری کے ساتھ صنعتیں لگنی شروع ہو گئیں۔

اس پورے عمل کے دوران ایک طرف برطانوی سرمایہ یہاں کی صنعتوں سے نکل کر واپس انگلستان پہنچنا شروع ہو گیا۔ کیونکہ وہاں کی صنعتی تباہی کے بعد بحالی صنعت کے لیے زبردست سرمائے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اس نئی صورت حال نے ایک طرف برطانوی سرمائے کی بالادستی کو کمزور کر دیا تو دوسری طرف ہندوستانی سرمایہ دار کا استحکام واضح ہونے لگا۔

ادھر اس صورت حال سے امریکی تاجروں اور صنعت کاروں نے بھی پوری طرح فائدہ اٹھانا شروع کر دیا۔ چنانچہ جنگ کے بعد ہندوستان میں امریکی درآمدات میں تین گنا اضافہ ہو گیا اور ہندوستان سے امریکہ کو برآمدات ۸ فی صد سے ۲۱ فی صد تک پہنچ گئیں۔ چنانچہ اس برطانوی اور امریکی سرمایہ داروں کے تضاد نے بھی ہندوستانی سرمایہ دار کو مزید استحکام بخشا اور جیسے جیسے جنگی ٹھیکوں اور جنگی سامان کی ضرورتوں کی تکمیل کے دوران ہندوستان کے صنعت کار گھرانے استحکام پا رہے تھے تو ساتھ ہی وہ اس حقیقت کو زیادہ محسوس کرنے لگے تھے کہ ایک نوآبادیاتی نظام ان کی صنعتی توسیع اور

منافع اندوزی کی راہ میں بہر حال زبردست رکاوٹ ہے اور یہ رکاوٹ جتنی جلدی دُور ہو جائے اتنا ہی بہتر ہے۔ چنانچہ یہ تضادات روز بروز واضح ہونے لگے اور جنگ کے خاتمے نے ان تضادات کو مزید ہوا دی۔ کیونکہ اب جنگی ٹھیکے اور پیداوار کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ کئی ایک کارخانے بند ہونا شروع ہو گئے۔ مزدوروں کی چھانٹیوں اور بے روزگاری کا عمل شروع ہو گیا۔ جو کارخانے کام بھی کر رہے تھے وہاں مزدوروں کو جنگی بھتہ اور مہنگائی الاؤنس بند کر دیا گیا اور اس طرح سے سرمایہ دار طبقے نے اپنا تمام بوجھ مزدور طبقے کی طرف منتقل کر دیا۔ ادھر زرعی صورتِ حال کی خرابی اور خراب فصل نے کسانوں کو دیہات سے نکل کر شہروں میں مزدوری ڈھونڈنے پر مجبور کر دیا۔ سو یہ تھے۔ اقتصادی محاذ پر حالات جنھوں نے طبقاتی کش مکش کو زیادہ سے زیادہ تیز کر دیا اور شہروں میں جو احتجاج دیکھنے میں آ رہے تھے ان میں مزدور طبقے کی زیادہ سے زیادہ شرکت دراصل ان نئے تضادات ہی کی جھلک تھی۔ اور طبقاتی کش مکش ہی کا واضح اظہار تھا۔ اور ان تمام تضادات اور طبقاتی کش مکش کی تفصیلی روداد میں پچھلے ابواب میں بیان کر آیا ہوں کہ اب برطانوی سامراج کے ہاتھ سے ایک ایک کر کے اس کے تمام متشددانہ ادارے نکلنے لگے تھے اور کثیر تعداد میں صرف فوجوں میں ہی بغاوت دیکھنے میں نہیں آ رہی تھی بلکہ مزدور اور کسان بھی اب آہستہ آہستہ ایک اجتماعی مسلح جدّوجہد کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اب یہ صورت حال برطانوی سامراج کے لیے خاصی پریشان کُن تھی وہ اب اس متحدہ مسلح جدوجہد کے خلاف اپنی صفوں کو ترتیب دینے کے لیے اور نئی پالیسی مرتب کرنے کے لیے وقت اور مہلت چاہتا تھا۔

ادھر کانگرس اور مسلم لیگ دونوں اپنی اپنی جگہ پر پریشان تھیں کیونکہ اب اگر فوجوں میں بغاوت ہوتی ہے، مزدور ہڑتال کرتے ہیں، کسان مالیہ دینے سے انکار کرتے ہیں اور وہ براہِ راست میدان کارزار میں اترآتے ہیں تو اس کا مطلب کیا ہو گا کہ وہ آہستہ آہستہ ان جماعتوں کانگرس اور مسلم لیگ سے بدظنی کا اظہار شروع کر دیں گے۔ دوئم وہ اس نظام کے ہی پرخچے اڑانے پر تُل جائیں گے اور ایسی فضا میں کیمونسٹوں اور ان کے ہم نواؤں کے ہاتھ میں ان کی قیادت چلی جائے گی کیونکہ مزدوروں کی ہڑتالیں ہوں، یا آزاد ہند فوج کی رہائی کی تحریک ہو یا پھر

Scanned with OKEN Scanner

بحریہ کی مسلح بغاوت ہو ہر جگہ، ہر جلسے اور جلوس میں کانگریس، مسلم لیگ کے پرچموں کے ساتھ کمیونسٹ پارٹی کا سُرخ پرچم بھی دکھائی دینے لگا تھا۔ اس نے ایک طرف ان لیڈروں کو اور دوسری طرف برطانوی سامراج کو پریشان کر دیا تھا اور بحریہ کی ہڑتال کے موقع پر پٹیل اور جناح کے رویہ سے اسی مایوسی اور غیض و غضب کا اظہار تھا۔ حالانکہ ان لیڈروں کا خیال تھا کہ انتخابات میں فتح نے ان کے حصول اقتدار کا خواب شرمندہ تعبیر ہونے کے بالکل ہی قریب کر دیا ہے۔

دراصل برطانوی سامراج کی خواہش یہ تھی کہ جنگ کے فوراً بعد ہندوستان عوام کو انتخابات کے جھمیلوں میں الجھا کر کسی قسم کے اجتماعی راست اقدام سے روک دیا جائے اور ان کی پوری توجہ انتخابات اور کانگریس لیگ نیشنلسٹ مسلمانوں کے تضادات سے پورا فائدہ اٹھایا جائے اور ایک حد تک ہندو مسلم فسادات کے لیے راہ ہموار کی جائے چنانچہ ۱۶ اگست ۱۹۴۵ کو جنگ ختم ہوئی اور وائسرائے ہند لارڈ ویول ۲۴ اگست ۱۹۴۵ کو لندن صلاح مشورے کے لیے روانہ ہو گئے اور ۱۶ ستمبر ۱۹۴۵ء کو واپس آئے لیکن اب جب وائسرائے ہند لندن گئے تو لندن میں انتخابات کے نتیجے میں کنزرویٹو پارٹی کو شکست ہو چکی تھی اور سرونسٹن چرچل جو دوسری جنگ عظیم کے دوران برطانیہ کے نجات دہندہ تصور ہوتے تھے اپنی وزارت عظمیٰ کھو چکے تھے: گو وہ انفرادی طور پر ضرور کامیاب ہو گئے لیکن ان کی پارٹی کو اکثریت نہ حاصل نہ ہو سکی۔ اور لیبر پارٹی کے قائد مسٹر اٹیلی وزیر اعظم منتخب ہو گئے چنانچہ ان حالات میں لارڈ ویول انگلستان گئے۔

چنانچہ ۲۱ اگست ۱۹۴۵ کو وائسرائے نے اعلان کر دیا کہ مرکزی اور صوبائی انتخابات آئندہ موسم سرما میں کرائے جائیں گے۔ دوسرا اعلان وائسرائے نے یہ کیا کہ وہ پھر لندن جا کر برطانیہ کی نئی کابینہ سے آئندہ پالیسی کے متعلق ہدایات حاصل کریں گے۔

لارڈ ویول ۲۴ اگست ۱۹۴۵ کو لندن روانہ ہوئے اور ۱۶ ستمبر کو واپس آئے۔ یہاں پہنچ کر انھوں نے جن الفاظ میں حکومت برطانیہ کے آئندہ مقاصد کا اعلان کیا۔ ان سے یہ اندازہ ضرور تھا کہ نئی کابینہ ہندوستان کو آزادی دینے کے لیے بے تاب ہے لیکن وائسرائے کے

Scanned with OKEN Scanner

بیان میں پاکستان کا کوئی نشان ڈھونڈنے سے بھی نہ ملتا تھا۔ وائسرائے نے جن آئندہ اقدامات کا اعلان کیا وہ یہ تھے:

۱: حکومت برطانیہ اس بات کی پوری کوشش کرے گی کہ ہندوستان کے لیڈروں کے تعاون سے ہندوستان کو جلد از جلد پوری آزادی دینے کا بندوبست کرے۔

۲: جیسا کہ پہلے ہی اعلان کیا جا چکا ہے اسی سال موسم سرما میں مرکزی اور صوبائی اسمبلی کے عام انتخابات کرائے جائیں گے۔ حکومت کو اُمید ہے کہ انتخابات کے بعد سیاسی پارٹیاں صوبوں میں وزارتوں کا چارج سنبھال لیں گی۔

۳: انتخابات کے بعد جس قدر جلد ممکن ہو گا ایک دستور ساز اسمبلی قائم کرنے کا انتظام کیا جائے۔

۴: اس سے پہلے حکومت صوبائی اسمبلیوں سے اس بارے میں مشورہ کرے گی کہ دستور ساز اسمبلی کی ساخت "کرپس تجاویز" کی بنیاد پر ہونی چاہیے یا کوئی اور بنیاد ان کے لیے زیادہ قابل قبول ہو گی۔

۵: حکومت برطانیہ اس معاہدے کی شرائط پر بھی غور شروع کرنے والی ہے، جو آزاد ہندوستان اور برطانیہ کے درمیان کیا جائے گا۔

۶: انتخابات کے بعد سیاسی پارٹیوں کے مشورہ سے نئی ایگزیکٹو کونسل قائم کرنے کا بندوبست کیا جائے۔

اب مستقبل کا دارومدار انتخابات کے نتیجے پر تھا۔ مسلم لیگ نے اعلان کیا کہ یہ انتخابات پاکستان کے سوال پر لڑے جائیں گے۔ قائداعظم نے مسلم ووٹروں سے اپیل کی کہ وہ مسلم لیگی امیدواروں کی انفرادی شخصیت سے قطع نظر کر کے انھیں مسلم لیگ اور مطالبہ پاکستان کے نمائندوں کی حیثیت سے ووٹ دیں۔ اس سلسلے میں ان کا یہ فقرہ بہت مشہور ہوا کہ اگر مسلم لیگ اگر کسی کھمبے پر اپنا ٹکٹ لٹکا دے تو اس کھمبے کو ووٹ دو۔ ہندوؤں کے حلقوں میں کانگرس کی پوزیشن واضح طور پر بہت مضبوط تھی۔ اس نے مسلم حلقوں میں مسلم لیگی امیدواروں کے مقابلے میں "نیشنلسٹ" مسلمانوں کو کھڑا کرنے اور ان کی امداد کرنے میں بھی خاص سرگرمی

دکھائی۔ سب سے پہلے مرکزی اسمبلی کے انتخابات ہوئے۔ کانگریس نے خود قائداعظم کے مقابلے میں بمبئی کے ایک دولت مند سیٹھ حسین بھائی لال جی کو کھڑا کر دیا۔ لیکن اس کی ضمانت نہ صرف اس حلقے میں ضبط ہو گئی۔ بلکہ مسلمان ووٹروں نے اسے اس جسارت کی یہ سزا دی کہ ایک دوسرے حلقے میں بھی (وہ بیک وقت دو حلقوں میں امیدوار تھا) جہاں وہ مسلم لیگ کے ایک دوسرے امیدوار کا مقابلہ کر رہا تھا۔ اس کی ضمانت ضبط کرا دی۔ یہی حشر اکثر نیشنلسٹ مسلمان امیدواروں کا ہوا۔ دسمبر ۱۹۴۵ء کے آخر تک مرکزی اسمبلی کے تمام انتخابات کے سرکاری نتائج مکمل ہو گئے مسلم لیگ کی کامیابی حیرت انگیز تھی۔ اس نے مرکزی اسمبلی کی تمام مسلم نشستیں جیت لی تھیں۔ یہ سو فیصد کامیابی ہندوستان کے انتخابات کی تاریخ میں ریکارڈ کی حیثیت رکھتی تھی۔ ووٹوں کی گنتی سے ثابت ہوا کہ تقریباً نوے فیصد مسلم ووٹروں نے مسلم لیگی امیدواروں کے حق میں ووٹ دیے۔ ہندو حلقوں میں کانگریس کو بھی بہت نمایاں کامیابی ہوئی۔ تاہم یہ سو فیصد نہ تھی باسٹھ ہندو حلقوں میں کانگریس نے ستاون جیت لیے تھے۔ یہ بہت اہم مورچہ تھا جو مسلم لیگ نے فتح کر لیا تھا۔ اس کی خوشی میں قائداعظم کی تحریک پر مسلمانوں نے ۱۱ جنوری ۱۹۴۶ کو ملک بھر میں "یوم فتح" منایا۔

اس کے بعد صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات شروع ہوئے ان میں بھی صوبہ سرحد کے سوا باقی ہر صوبے میں مسلم لیگ کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ صوبائی انتخابات کے نتائج کی تفصیل حسب ذیل تھی۔

صوبہ	کُل مسلم حلقے	کامیاب مسلم لیگی امیدوار
پنجاب	۸۶	۷۵
		(بعد میں ۴ مزید ممبر ان کے ساتھ آملے)
بنگال	۱۱۹	۱۱۳
آسام	۳۴	۳۳
سندھ	۳۴	۲۸
یو۔پی	۶۶	۵۴

Scanned with OKEN Scanner

صوبہ	کُل مسلم حلقے	کامیاب مسلم لیگی امیدوار
بمبئی	۳۰	۳۰
مدراس	۲۹	۲۹
سی پی	۱۴	۱۴
اڑیسہ	۴	۴
صوبہ سرحد	۳۸	۱۷
بہار	۴۰	۳۴

یہ کامیابی بہت عظیم الشان تھی۔ صُوبہ سرحد کے سوا باقی ہر صوبے میں مسلم لیگ نے ۹۰ فیصد یا اس سے بھی زیادہ مسلم نشستیں جیت لی تھیں اور اس بات کا ٹھوس ثبوت مہیا کر دیا تھا کہ اس کے مطالبے کی پشت پر پوری قوم کی تائید و حمایت موجود تھی۔ پاکستان کے لیے جو آئینی جنگ لڑی جا رہی تھی اس کی کامیابی کے لیے ایک بنیادی ضرورت پوری ہو گئی۔

یہ درست ہے کہ مسلم لیگ نے آئینی سطح پر بہت بڑی جیت حاصل کر لی، لیکن عوامی سطح پر اس نے کانگرس اور مسلم لیگ کے درمیان سمجھوتے کے دروازے بند کر دیے اور نفرت کی ایسی دیوار کھڑی کر دی جس کو پاٹنا اب خود مسلم لیگ اور قائد اعظم کے لیے بھی ناممکن ہو گیا تھا اور یہی حال کانگرس کا تھا کہ ان انتخابات کے نتیجے میں کانگرس پر متعصب ہندو ذہنیت اور بھی چھانے لگی۔

یہ درست ہے کہ برطانوی حکومت کی بنیادی پالیسی ہمیشہ یہ رہی کہ "لڑاؤ اور حکومت کرو۔" لیکن معروضی حالات کی تبدیلی کے ساتھ اس پالیسی کے رنگ رُوپ اور وضع قطع میں تبدیلیاں رونما ہوتی رہی ہیں، ایک وقت مذہبی تیوہاروں کے ذریعہ فسادات کروانے کی ضرورت ہُوا کرتی تھی۔ کبھی مسجد کے سامنے باجے تاشے کی آوازیں وجہِ نزاع بنتی رہیں۔ کبھی محرّم اور دسہرہ کی تقریبات میدانِ کارزار میں تبدیل ہوتی رہیں اور کبھی گاؤکشی فسادات کا شاخسانہ بنی۔ لیکن جب معروضی حالات بدلے اور سیاسی شعور تیز ہونا شروع ہُوا اور سامراج دشمن تحریکیں پَر پُرزے نکالنے لگیں اور ہندو مسلم

اتحاد اس سامراج دشمن تحریک کی بنیاد ٹھہرا تو پھر سیاسی جماعتوں کو لڑوانے اور استعمال کرنے کی پالیسی استعمال ہونے لگی۔ ایسے حالات میں ہمیشہ مقابلتاً پسماندہ بکھری ہوئی اقلیتوں کی سیاسی جماعتیں سامراج کا مقابلتہً آسانی سے آلۂ کار بن جاتی ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اکثریت کی جماعتیں سامراجی ریشہ دوانیوں سے آزاد رہتی ہیں۔ یہ درست ہے کہ برطانوی حکومت نے کانگرس کے اندر بڑھتے ہوئے سامراج دشمن رجحانات اور رویوں کو روکنے کے لیے جہاں مسلم لیگ کو استعمال کیا۔ وہاں اس نے خود کانگرس کو بھی کبھی براہِ راست یا کبھی بالواسطہ استعمال کیا۔ چنانچہ جب برطانوی حکومت نے دوسری جنگ عظیم کے بعد انتخابات کا ڈول ڈالا تھا تو اس کا مقصد کانگرس اور مسلم لیگ کے تضادات کو اس حد تک ہوا دینا تھا کہ وہ ناقابلِ حل قرار پائیں اور ایسی صورتِ حال میں برطانوی حکومت کے لیے عالمی رائے عامہ کی تشفی کے لیے یہ کہنا آسان ہو جائے کہ ایسے حالات میں ایک حد تک برطانوی حکومت کی بالادستی برصغیر کی ترقی اور امن کے لیے ضروری ہے اس لیے اس نے مطمئن ہو کر اپنا رعب اور دبدبہ دکھانے کے لیے آزاد ہند فوج کے قائدین کے خلاف مقدمات قائم کرنے کا فیصلہ کیا لیکن برطانوی حکومت نئے سیاسی شعور اور نئے معروضی حالات کو سمجھنے سے قاصر رہی اور دیکھتے دیکھتے ایک عظیم الشان متحدہ سامراج دشمن تحریک نے پورے برصغیر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، اس تحریک کی شدت اور پھر فوجوں میں بغاوتیں اور ان بغاوتوں کی امداد و اعانت کے لیے عوامی تائید نے بالکل نئی صورتِ حال کو جنم دیا۔

ان سب تحریکوں کا میں تفصیل سے ذکر اسی لیے کر آیا ہوں کہ میں یہ ثابت کر سکوں کہ ان تحریکوں نے دراصل برطانوی سامراج کو پیچھے ہٹ کر نئی صفیں ترتیب دینے کے لیے مجبور کیا اور یہی وہ معروضی حالات تھے جس نے ایک طرف برطانیہ کو یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کیا کہ اب وہ براہِ راست ہندوستان کے برصغیر پر حکومت کرنے کے قابل نہیں رہی چنانچہ جب ہندوستان کے بڑے بڑے شہر بپھرے ہوتے عوام کی زد میں تھے اور ان شہروں کے عوام مورچے بنا کر حکومت کی پولیس اور گورکھا فوجیوں کے خلاف لڑنے میں مصروف تھے تو عین اس وقت برطانوی وزیر اعظم نے برطانوی پارلیمنٹ میں یہ اعلان کیا کہ ہندوستان

کے مستقبل کے فیصلہ کے لیے برطانوی حکومت ایک اعلیٰ سطح کا وفد ہندوستان بھیج رہی ہے، اس اعلان کا مقصد عوام کی توجہ کو سامراج دشمن تحریک سے ہٹا کر گفت وشنید کی طرف لگانا اور اس سیاسی گفت وشنید کے نتیجے میں کانگرس اور مسلم لیگ کے تضادات کو پھر سے ہوا دے کر سامراج دشمن تحریک کو ہندو مسلم یا کانگرس لیگ فسادات کی نظر کرنا تھا۔ ایک صورت تو یہ ہونی چاہیے کہ کانگرس اور مسلم لیگ کے قائدین خود آگے بڑھ کر ایک عوامی تحریک کی قیادت کرتے اور اس طرح سے کمزور سامراج کو شکست دیتے۔ لیکن ان جماعتوں کی قیادتوں کے اپنے طبقاتی مفاد بھی اس عوامی تحریک سے خوفزدہ تھے چنانچہ جس انداز سے بحریہ کے جوانوں کی تحریک سے غداری کی۔ اس کی پوری نشاندہی کر آیا ہوں۔ اب اس پورے پس منظر میں برطانوی حکومت کے اس اعلیٰ سطح کے وفد کے اعلان اور اس کی کارکردگی کو دیکھنا چاہیے۔

برطانوی وزیراعظم مسٹر ایٹلی نے برطانوی پارلیمنٹ میں ۱۹ فروری ۱۹۴۶ کو جو اعلان کیا اس میں کہا گیا تھا:

"پارلیمنٹ کا ایک وفد جو برطانوی کابینہ کے تین وزرا پر مشتمل ہوگا عنقریب ہندوستان جائے گا اور ہندوستان کی مختلف سیاسی جماعتوں کے قائدین سے تبادلہ خیال کرے گا تاکہ ہندوستان کے آئینی مستقبل کا حل تلاش کیا جائے۔"

وزیراعظم ایٹلی نے اپنے اس بیان میں ایک اہم بات کی طرف اشارہ کیا تھا:

"ہم اقلیتوں کے حقوق سے غافل نہیں، انھیں ہر قسم کے خطرات سے آزادی ملنی چاہیے لیکن کسی اقلیت کو ویٹو کا حق نہیں دیا جا سکتا کہ وہ اکثریت کی آزادی کا راستہ روک لے۔"

یہ بیان واضح طور پر کانگرس کے موقف کی تائید میں تھا۔ چنانچہ اس بیان کو جس انداز سے کانگرس قائدین نے سراہا اس سے واضح ہو رہا تھا کہ ان کو اس بیان سے بہت سی توقعات وابستہ ہو گئی ہیں۔ چنانچہ پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنے رد عمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

Scanned with OKEN Scanner

"مسٹر ایٹلی کی تقریر سے ہمدردی اور معاملہ فہمی کی بُو آتی ہے اس لیے وہ اس کا خیر مقدم کرتے ہیں"۔

سردار لبھ بھائی پٹیل نے کہا:

"مسٹر ایٹلی کے بیان میں سچائی کی ایک لہر ہے، کانگرس اقلیتوں کے جائز حقوق کے تحفظ کے لیے سامان کرنے کو تیار ہے مگر وہ مسٹر جناح کے تقسیم ہند کے نظریے کو تسلیم نہیں کر سکتے"۔

کانگرس قائدین کے مقابلے میں مسٹر محمد علی جناح نے مسلم لیگ کا موقف بیان کرتے ہوئے کہا:

"مسٹر ایٹلی نے مسلمانوں کے اپنے حقوق کے تحفظ کی کوشش کو ویٹو کے لفظ سے یاد کیا ہے مُسلمان ہندوستان میں اقلیت میں نہیں ہیں بلکہ وہ ایک قوم ہیں اور ان کو حقِ خود ارادیت ملنا چاہیے"۔

اس صورتِ حال سے برطانوی حکومت کی حکمتِ عملی واضح ہو رہی تھی کہ وہ اس وقت انڈین نیشنل کانگرس کو تھپکی دینا چاہتے تھے اور اس بیان سے وہ کانگرس کو باور کرانا چاہتے تھے کہ وہ مطمئن ہو جائے، جناح اور مسلم لیگ کو ان کے آڑے نہ آنے دیا جائے گا مقصد کیا تھا کہ وہ اپنے طور پر جناح اور مسلم لیگ کی طرف مصالحت کا کوئی قدم نہ اٹھائے بلکہ وہ اس سے بے پرواہ ہو کر مسلمانوں کے مطالبۂ پاکستان کے خلاف اور سختی سے ڈٹ جاتے۔

برطانوی کابینہ کے تین وزیروں کا یہ کمیشن ۲۴ مارچ ۱۹۴۶ء کو نئی دہلی پہنچ گیا۔ اس کے ایک رکن وزیر ہند لارڈ پیتھک لارنس تھے۔ دوسرے ممبر مسٹر سٹیفورڈ کرپس تھے، یہ ہندوستانی امور کے ماہر تصور ہوتے تھے کیونکہ پہلے بھی جنگ کے دوران یہ ہندوستانی مسائل کے حل کے لیے ہندوستان آچکے تھے اور تیسرے رکن مسٹر اے وی الیکزینڈر تھے۔

آج جب میں یہ سطور قلم بند کر رہا ہوں تو پاکستان کو قائم ہوئے پورے ۴۰ برس گزر گئے اور اس دوران حالات تیزی سے تبدیل ہُوئے ہیں، دو نسلیں اس دوران جوان رعنا ہو گئی ہیں اور جو نسل پاکستان بنانے کی داعی تھی اس نسل کے اکثر و بیشتر افراد داعی اجل کو

لبیک کہہ گئے ہیں اور میرے جیسے جو زندہ ہیں وہ بھی اب ساٹھ پینسٹھ کے پیٹے میں ہیں اس لیے اب ان گزرے ہوئے حالات کا قدرے ٹھنڈے دل سے غیر جذباتی انداز میں تجزیہ ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب مسلم لیگ اور پاکستان کے جو مخالف عناصر تھے، جو یہ سمجھتے تھے کہ اس برصغیر کے قومی مسئلے کا حل برصغیر میں نہیں ہے بلکہ ایک صحیح فیڈرل نظام میں ہے وہ بھی اب بات کھل کر کہنے لگے ہیں اور اپنا پرانا موقف بالالتزام دہرا رہے ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ تاریخ نے ان کے موقف کو صحیح ثابت کر دکھایا ہے۔ چنانچہ مجلس احرار اسلام کے مشہور کارکن جانباز مرزا نے اپنے اسی موقف کی وضاحت اور اس کی صداقت کے ثبوت میں کئی جلدیں رقم کر ڈالی ہیں گو انھوں نے اپنی کاوش میں کئی جگہ مورخ اور تجزیہ نگار سے زیادہ ایک جانباز سیاسی کارکن کا کردار ادا کیا ہے اور جس طرح پرانے مسلم لیگی، غیر مسلم لیگی اور قوم پرست مسلمانوں کے خلاف اپنا عناد نہیں چھپا سکتے ..... اسی طرح جانباز مرزا بھی مسلم لیگ اور ان تمام عناصر کے خلاف جنھوں نے کسی بھی انداز میں قوموں کے خود ارادیت کی تائید کی ہے ان کے خلاف اپنے بغض اور تعصب کو نہیں چھپا سکے اور وہ اب تک جہاں پاکستان کی تحریک کے منفی اثرات کا ذکر کرتے ہیں وہاں اس کے مثبت پہلوؤں سے ایک طرف بالکل چشم پوشی کرتے ہیں، دوسرے کانگرس کی تنگ نظری اور اس کی پشت پر کام کرنے کے عوامل کی بھی پوری وضاحت کے ساتھ نشاندہی نہیں کر پاتے، یہی صورت حال خان عبدالولی خان کی ہے۔ انھوں نے بھی اپنی کتاب میں اس امر پر اصرار کیا ہے کہ پاکستان کی تحریک کو انگریز کی سرپرستی حاصل رہی ہے۔ یہ بات ایک حد تک درست ہے اور بہت سے حقائق اس امر کی تائید کرتے ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ بہت سے مواقع پر برطانوی پالیسی سازوں نے کانگرس کو بھی شہ دی ہے اور انھوں نے اپنی ضرورتوں کے مطابق مختلف اوقات میں مختلف پالیسیاں اپنائی ہیں چنانچہ برطانوی کیبنٹ کا وفد جب مارچ ۱۹۴۶ء میں ہندوستان پہنچا تو اس وقت اس کی ضرورت ایک متحدہ ہندوستان تھا اور وہ ہر حال میں ہندوستان کی ایک نہ ایک حد تک مرکزیت قائم رکھنے پر مُصر تھے، لیکن سامراج

اکثر و بیشتر اپنے ہی پھیلائے ہوئے جال کا اسیر ہو جاتا ہے خود برطانوی حکومت نے شہ دیکر مسلم لیگ اور اس کے قائد کو پاکستان کے جادو کا اس کا اس قدر مسحور کر دیا تھا کہ اس کے لیے کسی اور موقف کو قبول کرنا ناممکن ہو گیا تھا. چنانچہ اس متضاد صورت حال کو جاننے اور سمجھنے کے لیے اس دور کی جھلکیاں آج بھی بہت فائدہ مند ہیں کیونکہ اب ہم اس دور کی غلطیوں اور کوتاہیوں کو سمجھ بھی سکتے ہیں اور ان غلطیوں کی پشت پر کام کرنے والے عوامل کو بھی جان سکتے ہیں ۔

کیبنٹ مشن کی ابتدائی مصروفیات

برطانیہ کا یہ اعلیٰ سطح کا وزارتی مشن مارچ کے تیسرے ہفتے میں ہندوستان وارد ہوا، سب سے پہلے انھوں نے تمام صوبائی گورنروں اور وائسرائے سے تفصیلی ملاقاتیں کیں اور ان سے ملک کی اندرونی صورت حال پر تفصیلی بحثیں کیں، ان سے ملاقاتیں کرنے کے بعد ہی انھوں نے سیاسی جماعتوں سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کیا. چنانچہ ۱۳ / اپریل ۱۹۴۶ء کو ان کی سب سے پہلی ملاقات مہاتما گاندھی سے ہوئی ۔ اس ملاقات کے دوران گاندھی جی کا موقف ان کے اپنے مخصوص انداز کے عین مطابق تھا ۔ چنانچہ انھوں نے وزارتی مشن پر اپنی پوزیشن واضح کر دی اور کہا :

" میری کوئی نمائندہ حیثیت نہیں ۔ میں صرف ذاتی حیثیت میں آپ کو مشورہ دے سکتا ہوں کہ :

۱ : تمام سیاسی قیدیوں کو رہا کر دو ۔

۲ : نمک[1] پر ٹیکس بالکل منسوخ کر دو ۔

۳ : مسلمانوں کی یہ خواہش بالکل درست ہے کہ ان کے کلچر کی حفاظت کا پورا انتظام کیا جائے اور جہاں وہ اکثریت میں ہیں انھیں سیاسی برتری کے مواقع حاصل ہوں لیکن مسٹر جناح

---

[1] کانگریس کی ۱۹۳۰ کی تحریک نمک ستیہ گرہ میں گاندھی جی کا مطالبہ تھا کہ نمک سے محصول وغیرہ ختم کیا جائے ۔ اسی بنیاد پر کانگریس کے کارکنوں نے خود نمک بنانا شروع کیا جن پر انھیں گرفتار کر لیا جاتا تھا ۔

Scanned with OKEN Scanner

کا مطالبہ پاکستان میری فہم سے بالاتر ہے۔ حالانکہ میں اٹھارہ دن ان سے بات چیت کرتا رہا ہوں۔

۴ : دو قوموں کا نظریہ میرے نزدیک بالکل غلط اور خطرناک ہے۔ ہندوستان کے بچانوے فی صد مسلمان ہندوؤں کے ساتھ خون اور نسل کا رشتہ رکھتے ہیں۔ اور ہندوستان کے تمام باشندے سینکڑوں برس سے بھائیوں کی طرح رہتے آئے ہیں۔

۵ : نئے آئین کے متعلق سمجھوتہ کی غرض سے ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے لیکن اگر ایسا مرحلہ آجائے کہ مشن کے ارکان یہ محسوس کریں کہ سمجھوتہ نہیں ہو سکتا اور یہ بھی محسوس کریں کہ دستور ساز اسمبلی ایک ہی ہونی چاہیے، تو پھر انھیں کسی ہچکچاہٹ کے بغیر قدم آگے بڑھانا چاہیے۔

۶ : جہاں تک عبوری حکومت کا تعلق ہے، میری رائے یہ ہے کہ حکومت کو اسمبلی کے منتخب شدہ ممبروں کی حمایت حاصل ہونی چاہیے۔ آپ بے شک مسٹر جناح کو اپنی پسند کی وزارت مرتب کرنے کی دعوت دے دیں۔ اگر مسٹر جناح اس دعوت کو مسترد کر دیں تو پھر کسی اور شخص کو یہ دعوت دی جائے۔

گاندھی جی کی ذاتی ملاقات اور رائے کے بعد ۴ اپریل کو مشن کے ارکان قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح سے ملے۔ انھوں نے سوال کیا کہ آپ کے نزدیک ہندوستان کی تقسیم کیوں ضروری ہے اور اسے متحدہ رکھنے میں کیا مشکلات ہیں؟

جواب : ہندوستان کا موجودہ اتحاد ایک مصنوعی اور غیر فطری شے ہے جو صرف انگریزی حکومت کے فوجی غلبے اور تسلط کی وجہ سے قائم ہے۔ ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں۔ ان کے درمیان صرف مذہبی اعتقادات کا نہیں بلکہ دونوں قومیں اپنی اپنی تہذیب اپنے جذبات اور اپنے رہن سہن کے طریقوں کے لحاظ سے اپنی الگ قومیت کا گہرا احساس رکھتی ہیں جو انگریزی حکومت کے زمانے میں کم نہیں۔ بلکہ شدید تر

ہوتا رہا ہے۔ دونوں قومیں اپنی مختلف قومیتوں کا اعتراف بھی کرتی رہی ہیں اور انگریز حکمران بھی اس بات کو تسلیم کرتے رہے ہیں۔ جب بہت ہی محدود دائرے کے اندر انتخاب کا سوال پہلی مرتبہ پیدا ہُوا تو ۱۹۰۶ کی اصطلاحات کے سلسلے میں مسلمانوں کو اپنے تحفظ کے لیے جُدا گانہ انتخابی حلقوں کا مطالبہ کرنا پڑا، جسے حکومت نے منظور کیا۔

۱۹۱۹ کی اصلاحات سے پہلے خود کانگریس اور مسلم لیگ کے نمائندوں نے اسی بنیاد پر سمجھوتہ کیا کہ ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں، جن کا ایک دوسرے کے خلاف تحفظ ضروری ہے۔ جب ۱۹۳۵ء کی اصلاحات نافذ کی گئیں تو دونوں قوموں کے درمیان کوئی سمجھوتہ نہ ہوسکا اور برطانوی وزیراعظم کو اپنا ثالثی فیصلہ (کمیونل ایوارڈ) نافذ کرنا پڑا۔ لیکن آئینی تحفظات کے تصور کا تقاضا یہ ہے کہ ان پر عمل کرانے کے لیے کوئی امپائر فریقین کے اُوپر موجود ہو اور یہ طاقت رکھتا ہو کہ اگر ایک فریق تحفظات کو بے اثر بنانے یا ان کے مقاصد کو درہم برہم کرنے کی کوشش کرے تو اسے ایسا نہ کرنے دے۔ اب انگریزی حکومت یہاں سے رخصت ہو رہی ہے لہٰذا یہ سوال بہت شدّت کے ساتھ سامنے آگیا ہے کہ حکومت کے اختیارات آئندہ کس کے ہاتھ میں ہوں گے۔

میں تمام عمر کے تجربے اور غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ پچیس کروڑ ہندوؤں اور نو کروڑ مسلمانوں پر اگر کوئی واحد جمہوری نظامِ حکومت مسلط کر دیا تو اس کا مطلب ایک قوم کی سیاسی غلامی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ ایسا نظامِ حکومت دو دن بھی نہ چل سکے گا۔ کیونکہ اس کا نتیجہ خانہ جنگی ہوگا۔ نو کروڑ مسلمانوں کی قوم سے یہ توقع کیونکر کی جا سکتی ہے کہ وہ مستقل سیاسی غلامی کا درجہ قبول کر لیں گے؟ ان دونوں کے مطالبۂ آزادی کو مطمئن کرنے کی صورت اس کے سوا نہیں ہوسکتی کہ دونوں کی الگ الگ آزادی کا انتظام کیا جائے۔ دونوں کے الگ الگ اکثریتی علاقوں کی وجہ سے اس قسم کا انتظام کیا جا سکتا ہے"۔

اس موقع پر پیتھک لارنس نے قائدِ اعظم سے سوال کیا:

Scanned with OKEN Scanner

"کیا یہ بات بہت حد تک درست ہے کہ اس وقت ہندوستان کا اتحاد برطانیہ کی طاقت کے ذریعے قائم ہے۔ لیکن کیا یہ بات کسی حد تک درست نہیں کہ اکثر ہندوستانی اس اتحاد کو نہ صرف بخوشی قبول کرتے رہے ہیں بلکہ بہت سے سیاسی لیڈر جن میں ہندو اور مسلمان لیڈر دونوں شامل ہیں، متحدہ ہندوستان کی صورت میں آزادی کا خواب دیکھتے رہے ہیں اور اس کے لیے کوشش اور قربانیاں کرتے رہے ہیں۔

جواب: تجربے نے یہی ثابت کیا ہے کہ جو چیز ہندوستانی قومی احساس کے نام سے پروان چڑھتی رہی ہیں۔ وہ فی الحقیقت ہندو قومیت اور مسلمان قومیت کے الگ الگ جذبات ہیں۔ یہ جذبات الگ الگ مملکتوں کے استحکام کی بنیاد تو بن سکتے ہیں لیکن یہ ایک واحد مملکت کے استحکام اور اندرونی امن وامان کے منافی ہے۔"

مسٹر جناح اور کیبنٹ مشن کے درمیان یہ گفتگو تین گھنٹے جاری رہی۔

۶ راپریل کو کانگریس کے صدر مولانا ابوالکلام آزاد برطانوی مشن کو ملنے وائسرائے ہاؤس گئے لیکن اس ملاقات سے پیشتر مولانا آزاد اپنے فارمولے کا ذکر کرتے ہوئے اپنی کتاب "انڈیا ونز فریڈم" کے صفحہ ۲۸۱ - ۲۸۵ پر لکھتے ہیں۔

"۲ راپریل ۱۹۴۶ء کو میں دہلی پہنچا۔ میرا خیال تھا کہ اس وقت سب سے اہم مسئلہ جس پر غور کرنا چاہیے" .... ہندوستان اور برطانیہ کا سیاسی اختلاف نہیں ہے، بلکہ ہندوستان کا فرقہ وارانہ مسئلہ ہے۔ شملہ کانفرنس نے مجھے یقین دلا دیا تھا کہ سیاسی سوال مفاہمت کی ایک منزل تک پہنچ چکا ہے مگر فرقہ وارانہ اختلافات اب بھی جوں کے توں باقی ہیں۔ اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ کہ مسلمان ایک جماعت کی حیثیت سے اپنے مستقبل کے بارے میں بہت ہی فکرمند تھے۔ یہ صحیح ہے کہ بعض صوبوں میں ان کی اکثریت مسلم تھی اس لیے ان کو صوبجاتی معاملات میں کسی قسم کا اندیشہ نہیں تھا مگر مجموعی حیثیت سے وہ ہندوستان میں اقلیت میں تھے۔ اس لیے وہ اس خوف سے پریشان رہتے

Scanned with OKEN Scanner

تھے کہ آزاد ہندوستان میں ان کی حیثیت اور ان کا مرتبہ محفوظ نہیں رہے گا۔

میں اس مسئلے پر مسلسل غور کرتا رہا اور اس کی وجہ سے بہت فکرمند بھی تھا۔ تمام دنیا کا رجحان حکومت کے اختیار کی عدم مرکزیت کی طرف ہے۔ ہندوستان جیسے بڑے ملک میں جہاں آبادی کے اندر زبان، روایات اور جغرافیائی حالات کا اس قدر اختلاف ہے۔ وحدانی طرز کی حکومت بیّن طور پر ناموزوں ہوگی۔ وفاقی حکومت، جس میں اختیارات بٹے ہوں، اقلیتوں کے اندیشوں کو دور کرنے میں بھی مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔ بالآخر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ ہندوستان کے حالات کو دیکھتے ہوئے یہاں کا دستور وفاقی ہونا چاہیے۔ نیز اس کو اس طرح وضع کرنا چاہیے کہ صوبوں کو زیادہ سے زیادہ امور میں خود مختاری حاصل ہو۔ ہمیں صوبجاتی خود مختاری اور قومی وحدت میں ہم آہنگی اور ربط پیدا کرنا تھا اور یہ اسی طرح ممکن تھا کہ مرکزی اور صوبجاتی حکومتوں کے درمیان اختیارات اور منصوبوں کی تقسیم کا کوئی اطمینان بخش اصول دریافت کر لیا جائے۔ کچھ اختیارات اور منصب بنیادی طور پر مرکز سے متعلق ہوں گے اور کچھ صوبوں کے پاس کچھ ایسے ہوں گے جو نہ مرکز سے متعلق ہوں گے نہ صوبوں سے، بلکہ ان کو باہمی رضامندی سے مرکز یا صوبے عمل میں لائیں گے۔ پہلا قدم یہ تھا کہ ایک فارمولا مرتب کیا جائے جس کی رُو سے یہ طے کر دیا جائے کہ کم سے کم کتنے معاملات ہیں، جو لازمی طور پر مرکزی حکومت کے ذمے ہوں گے۔ یہ ضروری یونین گورنمنٹ کے تحت ہوں۔ اس کے علاوہ ایسے معاملات کی بھی ایک فہرست ہونا چاہیے جنھیں صوبجاتی حکومتیں چاہیں تو مرکز کے سپرد کر سکیں۔ انھیں مرکزی حکومت کی اختیاری فہرست میں شامل سمجھا جا سکے اور اگر کوئی صوبہ چاہے تو اس فہرست کے تمام یا چند معاملات میں اپنے اختیارات مرکزی حکومت کو تفویض کر سکے۔

میرے نزدیک یہ بات صاف تھی کہ دفاع، رسل و رسائل اور امور خارجہ ایسے معاملات ہیں جن کا حق ایسی حالت میں ادا ہو سکتا ہے کہ وہ ہندوستان کے

Scanned with OKEN Scanner

مرکزی معاملے سمجھے جائیں۔ ان کو صوبجاتی سطح پر لانے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وفاقی حکومت کا مقصد فوت ہو جائے گا اور اس کی بنیاد باقی ہی نہ رہے گی، ٹھیک اسی طرح کچھ امور بین صوبجاتی حکومت کی ذمہ داری میں ہونے چاہئیں مگر اس کے علاوہ امور کی ایک تیسری فہرست بھی ہونی چاہیے جن کے بارے میں صوبجاتی قانون ساز اسمبلیاں طے کریں کہ وہ اپنے ماتحت رکھیں گی یا مرکز کو سونپ دیں گی۔

جتنا میں نے اس پر غور کیا، اتنی ہی یہ بات میرے ذہن میں صاف ہوتی گئی کہ ہندوستان کا مسئلہ اسی طریقے سے حل ہوسکتا ہے۔ اگر اس اصول کی بنیاد پر دستور بنایا گیا، تو اس کا یقین ہوگا کہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں تین معاملوں کے سوا باقی تمام امور کا انتظام خود صوبہ کرے۔ اس سے مسلمانوں کا یہ ذہنی خوف کہ وہ ہندوؤں کے ماتحت ہو جائیں گے، دور ہو جائے گا۔ جب ایک مرتبہ یہ خوف دور ہوا تو اس کا امکان ہوگا کہ صوبوں کو کچھ اور اختیارات مرکز کو سونپنے میں اپنا فائدہ نظر آئے گا۔ مجھے اس کا بھی یقین تھا کہ فرقہ وارانہ نقطۂ نظر کے علاوہ ہندوستان جیسے ملک کے لیے یہ بہترین سیاسی حل ہے۔ ہندوستان بہت وسیع ہے، جس کی آبادی متعدد اکائیوں پر مشتمل ہے، جو اپنے اندر یکسانیت رکھتی ہیں اور مختلف صوبوں میں آباد ہیں۔ قانونی مصلحت اور انتظامی سہولت کے لحاظ سے بھی صوبوں کو یقین دلانا ضروری تھا کہ انھیں زیادہ سے زیادہ خود مختاری حاصل ہوگی۔

یہ نقشہ میرے ذہن میں بتدریج قائم ہوا تھا اور کیبنٹ مشن کے ہندوستان آنے تک بالکل صاف ہوگیا تھا، لیکن اب تک میں نے اپنے ساتھیوں میں سے کسی سے اس پر گفتگو نہیں کی تھی۔ میں نے سوچا کہ جب اس کا مناسب موقع آئے گا، تو اپنے نقطۂ نظر کو صاف اور غیر مبہم الفاظ میں بیان کر دوں گا۔

میں کیبنٹ مشن کے ممبروں سے پہلی مرتبہ ۶ر اپریل ۱۹۴۶ء کو ملا۔ مشن نے تبادلہ خیال کے لیے پہلے سے کچھ سوالات تیار کر لیے تھے۔ پہلا سوال ہندوستان

کے فرقہ وارانہ مسئلے سے متعلق تھا۔ جب مشن نے مجھ سے سوال کیا کہ میں فرقہ وارانہ گتھی کو کس طرح سلجھا سکتا ہوں تو میں نے وہی حل پیش کیا جو میں نے پہلے سوچ لیا تھا۔ جونہی میں نے کہا کہ لازمی اختیارات کی فہرست جو کم سے کم ہوں گے، مرکز کے پاس ہوگی اور اس کے علاوہ اختیاری امور کی بھی فہرست ہوگی تو لارڈ پیتھک لارنس نے کہا دراصل آپ فرقہ وارانہ مسئلہ کا ایک نیا حل پیش کر رہے ہیں۔

سر اسٹیفرڈ کرپس نے خاص طور پر میری تجویز میں دلچسپی لی اور بڑی دیر تک مجھ سے جرح کرتے رہے۔ آخر میں معلوم ہوتا تھا کہ وہ میرے نقطہ نظر سے مطمئن ہیں۔"

یہاں اس موقع پر ایک طرف تو مولانا ابوالکلام آزاد کی سیاسی اور سماجی فراست کو داد دینے کو جی چاہتا ہے کہ انھوں نے اس وقت ایک فیڈرل نظام کے بارے میں سوچا اور اس کی بنیاد پر ہندو مسلم مسئلے کو حل کرنے کے بارے میں اپنا نقطہ نظر برطانوی حکومت کے نمائندوں کے سامنے پیش کیا لیکن بدقسمتی یہ تھی کہ ایک تو وہ کانگرس میں نہ تو ہم خیال ہی پیدا کر سکے اور نہ ہی انھوں نے اس کے لیے کوئی بڑے پیمانے پر رائے عامہ ہی منظم کرنے کی کوشش کی لیکن اگر وہ کرتے بھی تو غالباً ان کو کامیابی نہ ہوتی کیونکہ کانگرس کی قیادت میں اکثریت ان لوگوں کی تھی جو کسی نہ کسی انداز میں ہندوستان کے رو بہ ترقی صنعت کاروں کے طبقے کی نمائندگی کرتے تھے اور ان کی عملاً خواہش تھی کہ ہندوستان ایک مضبوط وحدانی طرز کی حکومت ہو تا کہ یہ پورا وسیع و عریض برصغیر ان صنعت کاروں کی منڈی بن سکے، کیونکہ اگر مولانا ابوالکلام آزاد کی اسکیم کے مطابق مرکز کے پاس صرف دفاع، امور خارجہ اور رسل و رسائل کے معاملات ہی ہوں گے تو اس صورت میں ہر صوبے کو حق ہوگا کہ وہ اشیاء کی درآمد، برآمد پر کنٹرول کر سکے ایسی صورت میں ہندوستانی صنعت کار یہ کیسے گوارا کر سکتا تھا کہ ان کی ترقی اور منڈی کا اتار چڑھاؤ صوبائی حکومتوں کے ماتحت ہو، اس کو تو مضبوط مرکز چاہیے جس کے ذریعے وہ پورے ملک میں حسب خواہش دندناتا پھرے۔ دراصل آج ۱۹۸۷ء میں بھی ہندوستان جس بحران میں

Scanned with OKEN Scanner

مبتلا ہے وہ کیا ہے وہ یہی ہے کہ یہ جھگڑا صوبائی صنعت کار اور تاجر جو اب بالغ ہو گیا ہے وہ زیادہ سے زیادہ صوبائی خود مختاری کا مطالبہ کر رہا ہے اور کانگرس اب تک مضبوط مرکز یعنی بڑے صنعت کار کی خواہشات اور ضرورتوں کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دے رہی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد کے اس فیڈرل نظام کو پذیرائی حاصل ہو جاتی تو شاید بہت سے مسائل جو بعد میں پیدا ہوئے اس سے ہم محفوظ رہتے۔ سب سے بڑا مسئلہ تو بنگال اور پنجاب کی تقسیم نے پیدا کیا، اس سے ہم محفوظ رہتے اور ہندوستان کا وسیع و عریض خطہ تیزی سے ترقی بھی کرنے کے قابل ہو جاتا کیونکہ اب جو دونوں تینوں ملکوں کے دفاعی اخراجات نے ان ملکوں کی ترقی روک رکھی ہے اس سے ہم محفوظ ہو جاتے۔ اور ہماری صنعتی ترقی کی رفتار کہیں سے کہیں پہنچ جاتی اور غربت بھی کم ہو جاتی لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔

کیبنٹ مشن کی گروپنگ سکیم

یہ کیبنٹ مشن ۲۴ مارچ ۱۹۴۶ء کو ہندوستان پہنچا تھا لیکن اس مشن کا اعلان برطانوی وزیراعظم مسٹر اٹیلی نے ۱۵ مارچ ۱۹۴۶ء کو ہی کر دیا تھا۔ کیبنٹ مشن نے ہندوستان پہنچ کر تقریباً دو ماہ میں کوئی سو چھوٹے بڑے سیاسی زعما اور ریاستی حکمرانوں سے ملاقاتیں کیں، کوئی چھوٹی بڑی جماعت ایسی نہ تھی جس کو ملاقات کا موقع اس وزارتی مشن نے نہ دیا ہو۔ اور طویل بحث و تمحیص، خط و کتابت اور لین دین کے بعد کیبنٹ مشن نے ۱۶ مئی ۱۹۴۶ء کو اپنے آئینی منصوبے کا اعلان کر دیا، اس اعلان کی ابتدا انھوں نے وزیراعظم برطانیہ کے ۱۵ مارچ ۱۹۴۶ء کے اعلان کی ابتدائی الفاظ سے کی: جس میں کہا گیا تھا:

"میرے ساتھی اس ارادہ کے ساتھ ہندوستان جا رہے ہیں کہ اسے جتنی جلد اور جتنے کمل طور سے ہو سکے۔ آزادی حاصل کر لینے میں امکان بھر زیادہ سے زیادہ مدد دیں۔ یہ فیصلہ کرنا ہندوستان کا کام ہے کہ موجودہ حکومت کی جگہ

Scanned with OKEN Scanner

کس قسم کی حکومت قائم کی جائے لیکن ہماری خواہش ہے کہ اسے یہ فیصلہ کرنے والی مشینری قائم کرنے میں مدد دیں ۔

مجھے امید ہے کہ ہندوستان اور اس کے باشندے دولتِ مشترکہ کے اندر رہیں گے ۔ مجھے یقین ہے کہ ان کو اس میں بڑا فائدہ ہوگا لیکن اگر وہ ایسا پسند کریں تو یہ ان کی آزادانہ مرضی سے ہونا چاہیے ۔ برطانوی دولت مشترکہ اور سلطنت بیرونی جبر کے رشتہ سے منسلک نہیں ہے ۔ یہ آزاد قوموں کی ایک آزاد انجمن ہے اگر اس کے بر خلاف ہندوستان آزاد ہونا چاہے تو ہماری رائے میں اسے اس کا حق ہے ۔ ہمارا کام یہ ہوگا کہ اس عبوری دور کو زیادہ سے زیادہ پُرامن اور آسان بنانے میں مدد دیں ۔

۲ ۔ ان تاریخی الفاظ کی ہدایت کے ساتھ ہم کابینہ کے وزیروں اور وائسرائے نے ہندوستان کی دو بڑی سیاسی جماعتوں کو ہندوستان کے اتحاد یا تقسیم کے بنیادی مسئلہ پر سمجھوتہ کرنے میں مدد دینے کے لیے امکان بھر پوری کوشش کی ۔ نئی دہلی میں طویل گفت وشنید کے بعد ہم شملہ میں ایک کانفرنس میں لیگ اور کانگریس کو ایک جا کرنے میں کامیاب ہو گئے ۔ وہاں پورے طور پر تبادلۂ خیال ہُوا ۔ اور دونوں جماعتیں سمجھوتہ کی کوشش کرنے اور اس کی صورت نکالنے کے لیے تیار تھیں مگر ان کے درمیان اخیر میں جو خلیج رہ گئی اسے پاٹنا ناممکن ہو گیا اور اس طرح کوئی سمجھوتہ نہیں ہوا ۔ اس لیے ہم اسے اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ہم ایسا بندوبست پیش کر دیں جو ہمارے خیال میں نئے دستور کی جلد تیاری پر تیقن کرنے کے لیے سب سے اچھا ہے ۔ یہ بیان برطانیہ میں ملک معظم کی حکومت کی پوری پوری منظوری کے ساتھ دیا جا رہا ہے ۔

۳ ۔ اس لیے ہم نے طے کیا ہے کہ فوراً ایسا بندوبست کر دیا جائے جس کے ذریعے ہندوستان کے باشندے ہندوستان کے آئندہ دستور کی بابت فیصلہ کر سکیں اور فوراً ہی ایک عبوری حکومت قائم کر دی جائے جو نئے دستور کی تشکیل تک

Scanned with OKEN Scanner

برطانوی ہند کا نظم ونسق چلا سکے۔ ہم نے قوم کے چھوٹے اور بڑے دونوں طرح کے طبقوں کے ساتھ انصاف کرنے کی کوشش کی ہے جس کے ذریعہ مستقبل کے ہندوستان کی حکومت کے لیے ایک قابلِ عمل طریقہ نکل آئے اور جس سے دفاع کے لیے ایک مستحکم بنیاد بن جائے اور سماجی، سیاسی، معاشی میدانوں میں ترقی کا ایک اچھا موقع مل جائے۔

۴ : اس بیان میں ان طویل بیانات پر جو وفد کے سامنے پیش کیے گئے ہیں، تبصرہ کرنا مقصود نہیں ہے لیکن یہ بیان کر دینا مناسب ہوگا کہ ہم نے مسلم لیگ کے حامیوں کے علاوہ تقریباً تمام طبقوں میں ہندوستان کی سالمیت ملکی کی ایک عام خواہش پائی۔

پاکستان اور اس کے مضمرات

۵ : لیکن یہ بات ہمارے لیے ہندوستان کی تقسیم کے امکان پر قریبی اور غیر جانبدارانہ غور وخوض کرنے میں خارج نہیں ہوئی۔ اس لیے ہم مسلمانوں کے اس حقیقی اور شدید تردّد سے بہت زیادہ متاثر تھے کہ کہیں ان کے اُوپر ہندو اکثریت کا مستقل راج نہ قائم ہو جائے۔

یہ احساس مسلمانوں میں اتنا قوی اور وسیع ہو گیا ہے کہ اسے محض کاغذی تحفظات سے دور نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اگر ہندوستان میں داخلی امن قائم ہونا ہے تو اسے ان طریقوں کے ذریعہ قائم کرنا ہوگا جن سے مسلمانوں کو تمام ایسے امور پر قابو حاصل ہو جائے جو ان کے تمدّنی، مذہبی اور دوسرے مفادات کے لیے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔

۶ : اس لیے ہم نے پہلے مسلم لیگ کے مطالبہ کے مطابق پاکستان کی ایک الگ اور پورے طور سے آزاد اور با اقتدار مملکت کے مسئلہ پر غور کیا۔ اس طرح کہ پاکستان دو علاقوں پر مشتمل ہوتا۔ ایک شمال مغرب جس کے اندر بنگال اور آسام کے

Scanned with OKEN Scanner

صوبے ہوتے ۔ لیگ سرحدوں کا تصفیہ بعد کو کرنے پر تیار تھی۔ لیکن اس بات پر اصرار کر رہی تھی کہ پہلے پاکستان کے اصول کو تسلیم کر لیا جائے ۔ پاکستان کی الگ مملکت کے لیے ایک استدلال یہ تھا کہ مسلم اکثریت کو اپنی خواہش کے مطابق اپنے طرزِ حکومت کے تصفیہ کا حق حاصل ہو اور دوسرے یہ کہ اس میں ایسے کافی بڑے علاقوں کو شامل کر لیا جانا ضروری ہے جن میں مسلمانوں کی اقلیت ہے تاکہ پاکستان نظم و نسق اور معاشیات کے اعتبار سے قابلِ عمل ہو جائے۔

مذکورہ بالا چھ صوبوں سے مل کر جو پاکستان بنے گا اس میں غیر مسلم اقلیتوں کی تعداد بہت کافی ہو گی ۔ جیسا کہ ذیل کے اعداد سے معلوم ہوتا ہے ۔

مغربی شمالی علاقہ	مسلمان	غیر مسلم
پنجاب	١٦٢١٧٢٤٢	١٢٢٠١٥٧٧
صوبہ سرحد	٢٧٨٨٧٩٠	٢٤٩٢٧٠
سندھ	٣٢٠٨٣٢٥	١٢٢٦٦٨٣
برطانوی بلوچستان	٤٣٨٩٣١	٦٢٧٠١
	٢٢٦٥٢٢٩٤	١٣٨٤٠٢٣١
	٦٢٫٠٧ فیصدی	٣٧٫٩٣ فیصدی

شمال مشرقی علاقہ		
بنگال	٣٣٠٠٥٤٣٤	٢٧٣٠١٠٩١
آسام	٣٤٤٤٤٢٧	٦٧٦٢٢٥٦
	٣٦٤٤٧٩١٣	٣٤٠٦٣٣٤٧
	٥١٫٦٩ فیصدی	٤٨٫٣١ فیصدی

مسلم اقلیتوں کی تعداد جو کہ باقی ہندوستان میں رہ جائے گی تقریباً ٢ کروڑ ہو گی ۔ جو تقریباً ١٨ کروڑ ٨٠ لاکھ آبادی میں بٹی ہوئی ہو گی ۔

ان اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ اگر مسلم لیگ کے مطالبہ کے بموجب پاکستان

Scanned with OKEN Scanner

کی ایک الگ ریاست قائم کی گئی تو اس سے مسلم اکثریت کا مسئلہ حل نہیں ہو سکے گا۔

تقسیم کی دشواریاں

ساتھ ہی ساتھ ہم کو اس بات میں بھی کوئی صداقت نظر نہیں آتی کہ پاکستان میں پنجاب، بنگال اور آسام کے ان اضلاع کو شامل رکھا جائے جن میں کہ غیر مسلموں کی اکثریت ہے۔ ہماری رائے میں جو دلیلیں پاکستان کے حق میں استعمال کی جا سکتی ہیں وہی دلیلیں اس بات کے لیے بھی استعمال کی جا سکتی ہیں کہ ان اضلاع کو پاکستان سے الگ کر دیا جائے اس بات کا اثر سکھوں پر خاص طور سے پڑتا ہے۔

۷: اس وجہ سے ہم نے خیال کیا کہ ایک چھوٹی سی آزاد پاکستانی ریاست کو جس میں کہ اکثریت مسلمانوں کی ہو سمجھوتہ کی بنا قرار دیا جائے لیکن مسلم لیگ کے نزدیک ایسا پاکستان غیر ممکن ہے کیونکہ اس طرح پاکستان سے یہ علاقے خارج ہو جائیں گے۔

۱: پنجاب میں انبالہ اور جالندھر کے اضلاع۔

۲: سوائے سلہٹ کے سارا آسام

۳: مغربی بنگال کا ایک بہت بڑا حصہ مع کلکتہ کے جس میں مسلمانوں کی آبادی ۶ر ۳۳ فیصدی ہے۔

ہم کو اس بات کا یقین ہے کہ کوئی ایسا حل جس میں کہ پنجاب اور بنگال کی کوئی زبردست تقسیم کرنا پڑے۔ جیسا کہ اسی طرح ہو جائے گا۔ وہ خود ان صوبوں کے رہنے والوں کی اکثریت کی مرضی اور مفاد کے خلاف ہوگا۔ بنگال اور پنجاب دونوں ایسے علاقے ہیں جن کی اپنی زبان ہے اور اپنی طویل تاریخ اور روایات ہیں دوسری بات یہ ہے کہ پنجاب کی تقسیم سے فوری طور پر سکھ بھی تقسیم ہو جائیں گے اور دونوں طرف بہت کافی تعداد میں ہوں گے۔ اس وجہ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ بڑا پاکستان بنے یا چھوٹا پاکستان، کسی سے بھی فرقہ وارانہ مسئلہ حل نہیں ہوگا۔

مذکورہ بالا طاقت و دلائل سے قطع نظر کر کے اس راہ میں بہت بھاری انتظامی، اقتصادی اور دفاعی دشواریاں ہیں۔ سارے ہندوستان کے رسل و رسائل

Scanned with OKEN Scanner

ڈاک اور تار کا انتظام متحدہ ہندوستان کے نقطہ نظر سے کیا گیا ہے۔ اس کو توڑ ڈالنے سے ہندوستان کے دونوں حصوں کو سخت نقصان پہنچے گا۔ متحدہ دفاع کا مسئلہ اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔ ہندوستان کی دفاعی فوج متحدہ ہندوستان سے بنائی گئی ہے۔ اس کو اگر دو ٹکڑوں میں تقسیم کیا جائے گا تو اس سے ہندوستانی فوج کی کافی پرانی روایات اور مہارت کو سخت ضرب پہنچے گی۔ اور اس راہ میں بہت سے خطروں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ہندوستانی بحری فوج اور ہندوستانی ہوائی فوج بہت کم موثر رہ جائیں گی۔ پاکستان کے دونوں علاقوں کے حصہ میں ہندوستان کی سب سے زیادہ کمزور سرحدیں پڑتی ہیں اور ان کے دفاع کے لیے پاکستان کے علاقے کی گہرائی بالکل ناکافی ثابت ہوگی۔

۹۔ ایک بات اور بھی مدنظر ہے وہ یہ کہ اگر ہندوستان تقسیم ہوگیا تو ہندوستانی ریاستوں کو اپنے سے وابستہ کرنے میں دشواریاں بڑھ جائیں گی۔

۱۰۔ آخری بات یہ جغرافیائی واقعہ ہے کہ پاکستان کے دونوں حصوں کے درمیان تقریباً سات سو میل کی دوری ہوگی اور دونوں کے درمیان رسل و رسائل خواہ جنگ کی حالت ہو یا صلح کی ہندوستان کی مرضی پر منحصر ہوں گے۔

۱۱۔ اس وجہ سے ہم لوگ برطانوی حکومت کو اس بات کا مشورہ نہیں دے سکتے کہ فرمانروائی کو جو اس وقت اس کے ہاتھ میں ہے وہ بالکل جدا گانہ ریاستوں کو سونپ دے۔

کانگریس کی تجاویز

۱۲۔ لیکن اس فیصلہ سے ہم نے مسلمانوں کے اس حقیقی اندیشے سے چشم پوشی نہیں کی ہے کہ کہیں ان کا کلچر اور ان کی سیاسی، سماجی زندگی ایک پوری طرح وحدانی ہندوستان میں جہاں ہندو اپنی بڑی عددی اکثریت کی وجہ سے حاوی ہوں گے مغلوب نہ ہو جائے۔ اس اندیشہ کو دور کرنے کے لیے کانگریس نے ایک ایسی

Scanned with OKEN Scanner

اسکیم پیش کی ہے جس کے تحت صوبوں کو پوری خود مختاری حاصل ہوگی، اور مرکز کے پاس کم سے کم شعبے رہیں گے۔ مثلاً امور خارجہ، دفاع اور رسل و رسائل۔ اس اسکیم کے تحت صوبے اگر بڑے پیمانہ پر معاشی اور انتظامی منصوبہ بندی کے ساتھ شرکت کرنا چاہیں تو اوپر کے بیان کیے ہوئے لازمی امور کے علاوہ مرکز کو اختیاری امور بھی سپرد کر سکتے ہیں۔

اس اسکیم سے ہماری رائے میں خاصی دستوری دشواریاں اور نقائص پیدا ہو جائیں گے۔ مرکز میں ایک ایسی عاملہ اور مجلس قانون ساز سے کام لینا دشوار ہو گا جس میں بعض وزیر جن سے لازمی امور متعلق ہوں پورے ہندوستان کے سامنے جوابدہ رہیں اور وہ وزیر جن سے لازمی امور متعلق ہوں صرف ان صوبوں کے سامنے جوابدہ رہیں جو ان امور میں ایک ساتھ رہنا پسند کریں۔ یہ دشواری مرکز کی مجلس قانون ساز میں اور بڑھ جائے گی جہاں بعض ارکان کو ایسے امور کے تذکرہ اور مشورہ اور ان کے متعلق رائے شماری سے خارج کر دینا پڑے گا جو ان صوبوں سے تعلق رکھتے ہوں۔

اس اسکیم کی عملی دشواریوں کے علاوہ ہماری رائے میں یہ مناسب نہیں ہو گا کہ دوسرے صوبوں کو جو اختیاری مسائل مرکز کے سپرد کر دینے پر تیار نہ ہوں اس غرض کے لیے اپنی گروہ بندی کرنے کے حق سے محروم کر دیا جائے۔

ہندوستانی ریاستیں اور برطانوی ہند

۱۴۔ اپنی سفارشات پیش کرنے سے پہلے ہم برطانوی ہند کے ساتھ ہندوستانی ریاستوں کے تعلقات سے بحث کرنا چاہتے ہیں۔ یہ چیز صاف ظاہر ہے کہ برطانوی ہند کے آزادی حاصل کر لینے پر خواہ وہ برطانوی دولت مشترکہ کے اندر ہو یا اس سے باہر ریاستی حکمرانوں اور برطانوی تاج کے درمیان موجودہ تعلق برقرار نہیں رہ سکے گا۔ اقتدار اعلیٰ نہ تو تاج برطانیہ کے پاس رہ سکتا ہے اور نہ ہی حکومت کو منتقل کیا جا سکتا ہے ہم نے ریاستوں

Scanned with OKEN Scanner

کی طرف سے جن لوگوں سے ملاقات کی انھوں نے اس بات کو پوری طرح تسلیم کر لیا ہے اس کے ساتھ ہی انھوں نے ہم کو یقین دلایا ہے کہ ریاستیں ہندوستان کی نئی ترقی میں اشتراکِ عمل کرنے کو تیار رہیں۔ اس اشتراک عمل کی صحیح صورت کا تعین نئے دستور کی تیاری کے دوران گفت وشنید کے ذریعہ ہوگا اوران کا کسی طرح یہ مطالبہ نہیں ہے کہ تمام ریاستوں کے لیے صورت یکساں رہے گی اس لیے ہم نے آگے کے پیراگرافوں میں ریاستوں سے متعلق اتنی مفصل بحث نہیں کی ہے جتنی کہ برطانوی ہند کے صوبوں کے متعلق کی ہے۔

دستور کی بُنیادی شکل

۱۵: اب ہم اس حل کی نوعیت بیان کریں گے جو ہماری رائے میں تمام جماعتوں اور ان کے ضروری مطالبات کو دیکھتے ہوئے مناسب اور اس کے ساتھ ہی ساتھ پورے ہندوستان کے لیے ایک مستحکم اور قابل عمل دستور کی تیاریوں میں ممد اور معاون ہوگا ہم سفارش کرتے ہیں کہ دستور کو مندرجہ ذیل بنیادی شکل اختیار کرنی چاہیے۔

ا: برطانوی ہند اور ریاستوں کی ایک یونین ہو جس کے ہاتھ میں امور خارجہ، دفاع اور رسل ورسائل ہوں اور جسے ان کے لیے ضروری اخراجات کے واسطے روپیہ حاصل کرنے کا اختیار ہو۔

ب: یونین میں ایک عاملہ اور ایک مجلس ہو جو برطانوی ہند اور ریاستوں کے نمائندوں پر مشتمل ہو۔

ج: یونین کے معاملات کے علاوہ تمام معاملات واختیارات باقی صوبوں کے ہاتھ میں ہوں گے۔

د: یونین کے حوالے کر دیے جانے والے اختیارات کے علاوہ ریاستوں کے ہاتھ میں تمام معاملات اور اختیارات ہوں گے۔

س: صوبوں کو اپنی مجالس عاملہ اور مجالس انتظامیہ کے ساتھ گروہ بندی کا اختیار ہوگا اور ہر گروہ کو حق ہوگا کہ صوبجاتی اختیارات مشترک کر لیے جائیں۔

Scanned with OKEN Scanner

س : یونین اور گروپ کے دستور میں ایک یہ بھی شرط شامل ہوگی جس کی رو سے صوبے اپنی مجالس قانون ساز کی اکثریت سے ایک دس سال کی ابتدائی میعاد اور اس کے بعد ہر دس سال پر دستور کی شرائط پر از سر نو غور کر سکیں۔

۱۶ : ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ مندرجہ بالا خطوط پر کسی دستور کی تفصیل بیان کی جائے بلکہ ہندوستان کے لیے ہندوستانیوں کے تیار کردہ آئین کی تیاری کے لیے راستہ صاف کرنا چاہتے ہیں۔

پھر بھی ہمارے لیے یہ ضروری ہوگیا ہے کہ آئندہ دستور کی عام بنیاد کے لیے یہ سفارش کریں کیونکہ گفت و شنید کے دوران میں ہم پر یہ بات واضح ہوگئی کہ جب تک ایسا نہ کیا جائے گا اس وقت تک دستور سازی کے انتظامات میں دو بڑے فرقوں کے اشتراک کی کوئی امید نہیں ہے۔

۱۷ : اب ہم اس دستوری انتظام کا ذکر کریں گے جو نئے دستور کو چلانے کے لیے ضروری ہے۔

ٹھیک ٹھیک نمائندگی

۱۸ : نئے دستوری نظام کے فیصلہ کے لیے کوئی مجلس قائم کرتے وقت پہلا مسئلہ جہاں تک ممکن ہو پوری آبادی کے وسیع پیمانے پر اور ٹھیک ٹھیک نمائندگی ہے۔ ظاہر ہے کہ بالغ رائے دہندگی کی بنیاد پر انتخاب ہی سب سے زیادہ اطمینان بخش صورت ہے لیکن ایسی کارروائی پر اس وقت عمل پیرا ہونے کا مطلب صرف یہ ہوگا کہ نئے دستور کی تیاری میں بہت نامناسب تاخیر ہوگی۔ اس لیے سب سے مناسب قابلِ عمل متبادل صورت یہی ہے کہ حال کی منتخبہ صوبجاتی مجالس قانون ساز کا انتخاب کرنے والی جماعت تسلیم کرلیا جائے لیکن ان کی تشکیل میں دو باتیں ایسی ہیں جو اس اقدام کو مشکل بنا دیتی ہیں۔ صوبجاتی مجالسِ قانون ساز کی رکنیت کا تناسب متعلقہ صوبے کی آزادی کے مطابق نہیں ہے آسام کی آبادی ایک کروڑ ہے اور وہاں کی اسمبلی میں ۱۰۸ ممبر ہوتے ہیں۔

بنگال کی آبادی اس سے چھ گنی ہے لیکن وہاں کی اسمبلی میں صرف ۲۵۰ ممبر ہوتے ہیں اس کے علاوہ کمیونل ایوارڈ کے مطابق اقلیتوں کو آبادی سے زائد نمائندگی دی گئی ہے اس لیے صوبجاتی مجالس قانون ساز میں فرقوں کی نمائندگی ان کی آبادی کے تناسب سے نہیں ہے۔ بنگال اسمبلی میں مسلمانوں کو صرف ۴۸ فیصدی نشستیں حاصل ہیں۔ حالانکہ صوبے میں ان کی آبادی ۵۵ فی صدی ہے ان خامیوں کو دور کرنے کے لیے مختلف طریقوں پر اچھی طرح غور و خوض کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ سب سے زیادہ معقول اور قابل عمل صورت حسب ذیل ہوگی۔

ا) ہر صوبے کے لیے اس کی آبادی کے تناسب سے اس کی نشستوں کی ایک مجموعی تعداد مقرر کر دی جائے جو بالغ رائے دہندگی کے بجائے بنیاد کی تجویز کے طور پر تقریباً ہر دس لاکھ آبادی پر ایک نمائندہ کی شکل میں ہو۔

ب) نشستوں کے صوبجاتی تعین کے بعد ہر صوبے میں فرقہ وارانہ تناسب کے مطابق نشستیں تقسیم کر دی جائیں۔

ج) ہر صوبے کے مقررہ نمائندے اس کی مجلس قانون ساز کے اراکین منتخب کریں گے۔

صرف تین فرقے

ہمارا خیال ہے کہ ان مقاصد کے لیے ہندوستان میں صرف تین فرقے تسلیم کیے جائیں۔ عام، مسلم اور سکھ۔ عام میں وہ تمام فرقے شامل ہوں گے جو مسلمان اور سکھ نہیں ہیں۔ چونکہ چھوٹے فرقوں کی آبادی کی بنیاد پر بہت کم یا بالکل نمائندگی نہ حاصل ہوگی کیونکہ انہیں آبادی سے زائد نمائندگی نہ مل سکے گی اس لیے ہم نے پیراگراف ۲۰ مندرجہ ذیل ایسی تجاویز پیش کی ہیں جن کی رو سے مخصوص مفاد کے تمام معاملات میں انھیں پوری نمائندگی حاصل ہوگی۔

۱۹ ۔ اس لیے ہماری تجویز یہ ہے کہ ہر صوبجاتی مجلس قانون ساز نمائندوں کی مندرجہ تعداد منتخب کریگی۔ مجلس کا ہر حصہ (عام، مسلم یا سکھ) آبادی کے تناسب کے مطابق واحد منقولہ (سنگل ٹرانسفرایبل) ووٹ کے ذریعہ اپنے نمائندے منتخب کریگا۔

Scanned with OKEN Scanner

گوشوارہ نمائندگی

ا

صوبے	عام	مسلم	میزان
مدراس	۴۵	۴	۴۹
بمبئی	۱۹	۲	۲۱
یوپی	۴۷	۸	۵۵
بہار	۳۱	۵	۳۶
کراچی	۱۶	۱	۱۷
اڑیسہ	۹	-	۹
میزان	۱۶۷	۲۰	۱۸۷

ب

صوبے	عام	مسلم	سکھ	میزان
پنجاب	۸	۱۶	۴	۲۸
سرحد	۰	۳	۰	۳
سندھ	۱	۳	۳	۷
میزان	۹	۲۲	۷	۳۸

ج

صوبہ	عام	مسلم	میزان
بنگال	۲۷	۳۳	۶۰
آسام	۷	۳	۱۰
میزان	۳۴	۳۶	۷۰

میزان برائے برطانوی ہند	۲۹۲
مجموعی تعداد برائے ریاست	۹۳
میزان	۳۸۵

Scanned with OKEN Scanner

مجلس دستور ساز میں نمائندگی

چیف کمشنر کے صوبوں کی نمائندگی کے لیے مرکزی مجلس قانون ساز میں دہلی، اجمیر، میرواڑہ اور کورگ کونسل کے ایک ایک رکن کا اضافہ کر دیا جائے گا۔
دفعہ ب میں برطانوی بلوچستان کے ایک نمائندہ کا اضافہ کر دیا جائے گا۔

۲) ارادہ کیا جاتا ہے کہ مجلس دستور ساز میں ریاستوں کو مناسب نمائندگی حاصل ہوگی جو برطانوی ہند کے حساب کی بنیاد کے مطابق ۹۳ سے زائد نہ ہوگی لیکن انتخاب کا طریقہ مشاورت سے طے کیا جائے گا۔ ابتدائی دور میں ریاستوں کی نمائندگی ایک گفت و شنید کی کمیٹی کرے گی۔

۳) اس طرح منتخب ہونے والے نمائندوں کا نئی دہلی میں جلد از جلد ایک اجلاس ہوگا۔

۴) پہلے ایک ابتدائی اجلاس ہوگا جس میں کارروائی کی تمام ترتیب کا فیصلہ کیا جائے گا۔ صدر اور دوسرے عہدیداروں کا انتخاب ہوگا اور شہریوں، اقلیتوں، قبائلی اور علیحدہ کردہ علاقوں کے لیے ایک مشاورتی کمیٹی (ایڈوائزری کمیٹی) مقرر کی جائے گی۔ اس کے بعد صوبجاتی نمائندے ..... ا۔ ب۔ اور ج تین حصوں میں تقسیم کر دیے جائیں گے۔

صوبائی آئین کا تصفیہ

۵) یہ حصے اپنے اپنے صوبوں کے لیے صوبجاتی آئین کا تصفیہ کریں گے اور ان کو یہ بھی اختیار ہوگا کہ وہ ذیلی دفعہ (۸) کی رُو سے گروپ سے علیحدہ ہو جائیں۔

۶) اجزا اور ریاستوں کے نمائندوں کا انتخاب کو تصفیہ کے لیے ایک اور اجلاس ہوگا۔

۷) یونین کی مجلس دستور ساز میں دفعہ ۱۲۶ مذکورہ بالا یا کسی سوال کی تبدیلی کیلیے موجودہ بننے والے نمائندوں کی اکثریت کی رائے لینی ضروری ہوتی ہے۔

اسمبلی کا صدر اس امر کا فیصلہ کرے گا کہ کس قرارداد سے اہم فرقہ وارانہ مسئلہ اگر ہے تو پیدا ہوتا ہے اور اگر دونوں فرقوں میں سے کسی ایک فرقے کے نمائندوں

Scanned with OKEN Scanner

کی اکثریت اس کی درخواست کرے تو وہ اپنا فیصلہ دینے سے پہلے فیڈرل کورٹ سے مشورہ کرے۔

۱۹) جدید آئینی انتظامات کے عمل میں لائے جانے کے بعد صوبوں کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنے مقررہ گروپ سے علیحدہ ہو جائیں۔ اس کا فیصلہ نئے آئین کے مطابق عام انتخاب کے بعد صوبے کی نئی مجلس قانون ساز کرے گی۔

۲۰ : شہریوں کے حقوق اقلیتوں اور قبائلی اور علیحدہ کردہ علاقوں کی مشاورتی کمیٹی میں متعلقہ مفاد کی پوری پوری نمائندگی اور اس کا کام بنیادی حقوق اقلیتوں کے تحفظ اور قبائل اور علیحدہ کردہ علاقوں کے نظم و نسق کے انتظامات کے لیے یونین کی مجلس قانون ساز کو ایک رپورٹ پیش کرنا ہوگا اور وہ مشورہ دے گی کہ ان حقوق کو صوبجاتی یا یونین کے آئین میں شامل کیا جائے۔

۲۱ : ہز ایکسیلنسی وائسرائے فوراً صوبائی مجالس قانون ساز سے درخواست کریں گے کہ وہ اپنے نمائندے منتخب کریں اور ریاستوں سے کہیں گے کہ وہ ایک گفت و شنید کی کمیٹی مقرر کر دیں۔ امید کی جاتی ہے کہ دستور سازی کا کام اتنی رفتار سے چل سکے گا جتنی رفتار سے کام کی پیچیدگیاں اس کی اجازت دیں تاکہ عبوری دور کم سے کم ہو جائے۔

۲۲ : یونین کو دستور ساز اسمبلی اور برطانیہ سے ایک ایسا معاہدہ ترتیب دینا ضروری ہوگا جس میں بعض ایسے امور کا بندوبست کر دیا جائے جو اقتدار کی تبدیلی سے پیدا ہوں۔

عبوری دور کا بندوبست

دستور سازی کے دوران ہندوستان کا نظم و نسق بھی جاری رکھنا ہوگا۔ اس لیے ہم فی الفور ایک ایسی عبوری حکومت کے قیام کو بڑی اہمیت دیتے ہیں جسے بڑی بڑی سیاسی جماعتوں کی تائید حاصل ہو۔ عبوری دور میں یہ ضروری ہے کہ ان دشوار کاموں کی انجام دہی کے لیے جن سے حکومت ہند دوچار ہے' زیادہ سے زیادہ اشتراک عمل ہو۔ روزمرہ کے نظم و نسق کے بھاری کام کے علاوہ قحط کے زبردست خطرہ کا بھی مقابلہ کرنا ہے اور بعد جنگ ترقی کے سلسلہ میں بھی فیصلے کرتے ہیں جن کا ہندوستان کے مستقبل پر دور رس

Scanned with OKEN Scanner

اثر پڑے گا۔ اس کے علاوہ اہم بین الاقوامی کانفرنسیں بھی ہیں جن میں ہندوستان کی نمائندگی ہوگی۔ ان تمام کاموں کے لیے ایک ایسی حکومت ضروری ہے جسے عوام کی نمائندگی حاصل ہو۔

اس مقصد کے لیے وائسرائے نے بات چیت شروع کر دی ہے اور ان کو امید ہے کہ عنقریب وہ ایک ایسی عبوری حکومت بنا لیں گے جس میں تمام محکمے اور جنگ کا محکمہ بھی ایسے ہندوستانی لیڈروں کے سپرد کر دیا جائے جن کو عوام کا اعتماد حاصل ہوگا۔ حکومت برطانیہ اس حکومت کے ساتھ جو اس طرح تشکیل پائے گی، پورا پورا تعاون کرے گی تاکہ نظم و نسق کے کام مکمل ہوتے رہیں اور انتقالِ اختیارات کا کام جہاں تک ممکن ہو جلد از جلد آسان طریق سے ہو سکے۔

اہل ہند سے اپیل

۲۳ : اہل ہند کے لیڈروں کو مکمل آزادی کا موقع مل رہا ہے۔ آخر میں یہ کہیں گے کہ ہمیں، ہماری حکومت اور ہمارے ہم وطنوں کو امید تھی کہ ہندوستان کے لوگ خود ہی اس نئے دستور کو تیار کرنے کے طریقے پر جس کے تحت ان کو زندگی بسر کرنا ہے کوئی سمجھوتہ کر لیں گے۔ ہم نے ہندوستانی جماعتوں کے ساتھ مل کر اس کے لیے کوشش کی اور ہر طرف سے بہت زیادہ صبر اور خیر خواہی کا مظاہرہ ہوا۔ مگر یہ مقصد پورا نہیں ہو سکا۔ اس لیے اب ہم آپ کے سامنے تجویزیں پیش کرتے ہیں تمام فریقوں کے نقطہ نظر پر بہت کچھ غور کرنے کے بعد ہم کو امید ہے کہ ان تجویزوں سے آپ کو کم سے کم وقت میں اور داخلی ہنگامے اور جھگڑے کے کم سے کم خطرہ کے ساتھ ایسی آزادی حاصل کرنے میں مدد ملے گی۔ یہ امکان ضرور ہے کہ سب جماعتیں ان تجویزوں سے پوری طرح مطمئن نہ ہوں لیکن آپ ہمارے اس خیال سے متفق ہوں گے کہ ہندوستان کی تاریخ کے اس نازک ترین دور میں باہمی رواداری کی ضرورت ہے۔

Scanned with OKEN Scanner

متبادل صورت کیا ہو گی

ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ اس بات پر غور کریں کہ ان تجویزوں کو مسترد کرنے کی صورت میں کیا حالت ہو گی۔ ہم نے اور ہندوستانی جماعتوں نے مفاہمت کے لیے آخری حد تک کوششیں کی ہیں۔ ان کے بعد بھی ہم کو یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہندوستانی جماعتوں کے درمیان کسی باامن سمجھوتہ کی امید بہت ہی کم ہے۔ اس لیے اس کی متبادل صورت یہ ہے کہ تشدد، ہل چل اور خانہ جنگی تک کا زبردست خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ اس قسم کی بدنظمی اور خانہ جنگی اور اس کے نتیجہ کی بابت کوئی رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔ لیکن یہ بات یقینی ہے کہ اس طرح لاکھوں مردوں عورتوں اور بچوں پر زبردست تباہی نازل ہو جائے گی۔ یہ ایک ایسا امکان ہے جس کو اہلِ ہند، ہمارے ہم وطن اور ساری دنیا یکساں طور پر ناپسند کریں گے۔

اس لیے ہم یہ تجویزیں آپ کے سامنے اس قوی امید کے ساتھ پیش کرتے ہیں کہ آپ اس رواداری اور خیر خواہی سے جس کے ساتھ یہ پیش کی گئی ہیں ان کو قبول کر لیں گے اور ان پر عمل کریں گے۔ ہم ان تمام لوگوں سے جو ہندوستان کا بھلا چاہتے ہیں اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنی نگاہ کو اپنے فرقہ یا اپنے مفاد سے آگے بڑھا کر ہندوستان کی پوری چالیس کروڑ آبادی تک لے جائیں۔

ہمیں امید ہے کہ نیا ہندوستان برطانوی دولتِ مشترکہ کا رکن رہنا پسند کرے گا۔ ہمیں امید ہے کہ آپ ہر حال میں ہماری قوم کے ساتھ قریبی اور دوستانہ تعلق قائم رکھ سکیں گے۔ لیکن یہ ایسے مسئلے ہیں جن کی بابت آپ کو خود ہی آزادانہ طور پر فیصلہ کرنا ہے۔ یہ فیصلہ جو بھی ہو مگر ہم آپ کے ساتھ دنیا کی بڑی قوموں کی برادری میں آپ کی روز افزوں خوش حالی اور ایک ایسے مستقبل کے متمنی ہیں جو آپ کے ماضی سے بھی زیادہ شاندار ہو۔"

اسی روز لندن دار العلوم میں برطانوی وزیر اعظم مسٹر اٹیلے نے پارلیمنٹ میں اعلان کیا جس میں مندرجہ بالا پلان کا ذکر کیا گیا کہ ہندوستان کا ایک نیا دستور جلد سے جلد تیار

Scanned with OKEN Scanner

کرنے کے لیے برطانوی کیبنٹ مشن اسی انتظام کو سب سے مناسب سمجھتی ہے۔

وزیر ہند کا بیان

کیبنٹ مشن کے بیان کے اعلان پر ۱۶ مئی شام پونے آٹھ بجے لارڈ پیتھک لارنس وزیر ہند نے آل انڈیا ریڈیو سے ایک تقریر نشر کرتے ہوئے اس بیان پر روشنی ڈالی۔

" برطانیہ کو ہندوستان کے متعلق مدت سے تشویش تھی اور برطانیہ چاہتا تھا کہ جس طرح بھی ہو سکے ہندوستان کی گتھی سلجھا دی جائے چنانچہ حکومت برطانیہ نے مجھے، میرے دو ساتھیوں سر سٹیفورڈ کرپس اور مسٹر اے وی الیگزینڈر کو یہ گتھی سلجھانے کے لیے ہندوستان بھیجا، تاکہ ہندوستان کو اپنے پاؤں پر کھڑا کر سکیں اور ہندوستانیوں کو ان کی مشکلات رفع کرنے کے سلسلہ میں پوری مدد دے سکیں۔ میں اس امر کی وضاحت کر دینا چاہتا ہوں کہ حکومت برطانیہ کو ہرگز یہ خیال نہیں کہ ہندوستان پر برطانیہ کا بنا ہوا آئین تھوپ دیا جائے برطانیہ مدت سے کہہ رہا ہے کہ آئین بنانے کا کام ہندوستانیوں کا اپنا کام ہے اور وہی اس کام کو اچھی طرح سرانجام دے سکتے ہیں۔ ہمیں اس امر کا احساس ہے کہ اس سلسلے میں ہندوستانیوں کو مشکلات پیش آئیں گی۔ لیکن ان کا رفع کرنا ضروری ہے اور ہم اس مشکل میں ہندوستان کی مدد کرنے کو تیار رہیں۔ اس وقت ہندوستان میں سب سے بڑی دو سیاسی جماعتیں ہیں:

۱۔ مسلم لیگ جسے انتخابات میں مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت کی حمایت حاصل ہے۔

۲۔ کانگریس جسے انتخابات میں دوسری قوموں کی بہت بڑی اکثریت حاصل ہوئی۔

مسلم لیگ نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ ہندوستان کو مسلم ہندوستان (آزاد اور خود مختار پاکستان) اور ہندواستھان میں تقسیم کر دیا جائے۔ مسلم لیگ کا خیال ہے کہ جب تک ہندوستان کی تقسیم عمل میں نہیں لائی جائیگی ہندوستان

کی آئینی گتھی نہیں سلجھے گی۔ مسلم لیگ یہ بھی چاہتی ہے کہ آئین بنانے والی جماعتیں بھی دو ہونی چاہییں۔ تاکہ دونوں خود مختار حکومتوں کا آئین ایک ہی وقت میں تیار کیا جا سکے۔

دوسری طرف کانگریس پارٹی ہے۔ اس کا مطالبہ یہ ہے، کہ ہندوستان اکھنڈ رہے۔ وزارتی مشن اور وائسرائے نے پہلے دہلی میں ان لیڈروں کو بلایا اور ان کی باتیں سنیں۔ ہماری کوشش یہ تھی کہ ان دونوں میں مفاہمت ہو جائے اور دونوں کو ایک ایسے پلیٹ فارم پر کھڑا کر دیا جائے تاکہ آئندہ قدم اُٹھانے میں آسانی رہے اور ہندوستان کا آئین ایسے طریقے سے بن سکے کہ مستقبل میں رکاوٹیں پیدا نہ ہوں یہ امر مسلّم ہے کہ رضاکارانہ طریقے پر جو اقدام کیا جائے وہ زیادہ مفید ثابت ہوتا ہے ہم نے پوری کوشش کی کہ دونوں جماعتیں باہمی آئین بنانے کے متعلق کوئی فیصلہ کریں تاکہ ہمیں اپنا ایوارڈ دینا نہ پڑے۔ ہم نے دہلی میں مذاکرہ کر کے دونوں کو اس امر پر آمادہ کر لیا کہ دونوں جماعتوں کے لیڈر شملہ کانفرنس میں شریک ہوں اور بالمشافہ بات چیت کر کے اہم امور کا تصفیہ کر لیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ کانفرنس بڑی حد تک مفید ثابت ہوئی۔ کیونکہ دونوں پارٹیاں ایک دوسری کو کافی حد تک مراعات دینے پر آمادہ ہو گئیں لیکن بعد میں معلوم ہو گیا کہ ان دونوں جماعتوں میں پورا اتفاق نہیں ہو سکتا۔ ہمیں مسلمانوں کے خوف و ہراس کا اچھی طرح احساس ہو گیا تھا اور ہم مسلمانوں کو اس میں حق بجانب سمجھتے ہیں۔ مسلمانوں کو یہ ڈر ہے کہ اگر ہندوستان اکھنڈ رہا تو ہندو اکثریت ان پر چھا جائے گی۔ ہندو اپنی تعداد کی وجہ سے مسلمانوں کو پنپنے نہیں دیں گے۔ مسلمان آواز نہیں اٹھا سکیں گے اور اگر آواز اٹھائیں گے بھی تو کوئی سننے والا نہیں ہوگا۔ یقیناً ہر گورنمنٹ کے لیے ان خدشات کا رفع کرنا ضروری ہے لیکن مسلم لیگ نے اس کا جو علاج سوچا ہے اس

Scanned with OKEN Scanner

سے ہم متفق نہیں۔ مسلم لیگ چاہتی ہے کہ مسلمانوں کی آزاد اور خود مختار گورنمنٹ قائم کر دی جائے تاکہ وہ جس طرح چاہیں زندگی بسر کر سکیں۔ لیکن اس چیز کا کوئی حل نظر نہیں آتا کہ مسلم لیگ نے پاکستان کے لیے جن علاقوں کا نام لیا ہے ان میں چالیس فیصدی غیر مسلم بستے ہیں اور ان میں بعض ایسے علاقے بھی ہیں جہاں غیر مسلموں کی آبادی مسلمانوں سے بہت زیادہ ہے۔ بطور مثال کلکتے کا علاقہ جہاں مسلمانوں کی تعداد غیر مسلموں سے ایک تہائی سے بھی کم ہے۔ اس کے علاوہ اگر پاکستان کے علاقے باقی ماندہ ہندوستان سے الگ کر دیے جائیں تو ہندوستان کے دفاع کو سخت صدمہ پہنچے گا۔ ہندوستان کی اتنی بڑی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کرنا ناممکن ہے تقسیم کی وجہ سے ہندوستان کے اقتصادیات کو بھی سخت نقصان پہنچے گا اور ہندوستان تجارتی لحاظ سے بھی سخت کمزور ہو جائے گا۔ ہم نے مندرجہ بالا وجوہ کی بنا پر نظریہ پاکستان کے حق میں رائے نہیں دی نہ ہی اس کی سفارش کی۔ کیوں کہ ہم سمجھتے ہیں کہ اس سے ہندوستان کی گتھی نہیں سلجھ سکے گی مسلم لیگ کے سوا ہندوستان کی سب پارٹیاں پاکستان کی مخالف ہیں لہٰذا اس پر عمل کرنا اور بھی مشکل ہو جائے گا۔ مشن کی طرف سے جو سفارشات کی گئی ہیں ان میں سے سب سے زیادہ اہمیت یونین کو دی گئی ہے جسے ایگزیکٹو اور لیجسلیچر یعنی (گورنمنٹ اور پارلیمنٹ) بنانے کا اختیار ہو گا۔ اس یونین کے اختیارات دفاع، امور خارجہ اور رسل و رسائل پر مشتمل ہوں گے۔ مرکزی پارلیمنٹ کو حق حاصل ہو گا کہ وہ ان اختیارات کو عملی صورت دینے کے لیے ٹیکس لگا سکے۔ صوبوں کو مندرجہ بالا اختیارات کے سوا باقی ماندہ سارے اختیارات حاصل ہوں گے۔ صوبوں کو تمام امور میں آزادی حاصل ہو گی۔ صوبوں کو اختیار حاصل ہو گا کہ وہ گروپ سسٹم کے ماتحت ایک دوسرے سے مل کر ایک قسم کی فیڈریشن بنالیں۔ اگر صوبے چاہیں تو ان فیڈریشنوں میں علیٰحدہ علیٰحدہ ایگزیکٹو اور علیٰحدہ

لیجسلیچر بنائی جا سکتی ہیں اور صوبے مل جل کر ان کے اختیارات کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ اس طرح مسلمانوں کے وہ خدشات دور ہو سکتے ہیں جو ان کے خیال میں تقسیم ہند کے بغیر دور نہیں ہو سکتے۔ وزارتی مشن چاہتا ہے کہ ہندوستان کا آئین بنانے کی طرف زیادہ توجہ دی جائے۔ ساتھ ہی ہم چاہتے ہیں کہ عارضی گورنمنٹ بن جائے تاکہ آئین بنانے والی جماعت کی تشکیل میں آسانی رہے۔ وائسرائے ہند کے مشورے سے وزارتی مشن نے یہ طے کیا ہے کہ آئین بنانے والی اسمبلی کے ارکان صوبائی اسمبلیوں سے لیے جائیں۔ ہم نے قرار دیا ہے کہ ۱۰ لاکھ اشخاص کی نمائندگی کے لیے ایک شخص چنا جائے۔ اسی بنا پر صوبوں کی اسمبلیوں سے نمائندے لیے جائیں اور فرقہ وار مناسبت سے ان کی تقسیم عمل میں لائی جا سکتی ہے۔ آئین بنانے والی اسمبلی میں ریاستوں کے بھی نمائندے لیے جائیں گے۔ آئین بنانے والی اسمبلی کے ارکان ابتدائی میٹنگ کے بعد تین گروپوں میں منقسم ہو جائیں گے اور صوبوں کا آئین بنائیں تو مجھے امید ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔ میں پھر اس امر کو واضح کرنا چاہتا ہوں کہ مستقبل کا آئین بنانا ہندوستان کا اپنا کام ہے۔ لیکن ہم اس کے لیے ہندوستان کی ہر ممکن مدد کرنے کو تیار ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہندوستان پھولے پھلے اور اسے آزاد قوموں کی صف میں ایک ممتاز جگہ ملے۔ یقیناً اگر آزادی کے بعد ہندوستان میں امن رہا تو وہ دنیا کی بڑی طاقت بن جائیگا اور وہ قیام امن کے سلسلے میں دوسری قوموں کی مدد بھی کر سکے گا۔ لیکن اگر ہندوستان میں امن نہ رہا تو وہ انقلابوں کا گھر بن جائے گا اور اس کی آزادی کسی اہمیت کی مالک نہیں رہے گی۔ ملک میں سخت خونریزی ہو گی اور آئے دن فتنہ فساد برپا ہوں گے۔ ہمیں ہندوستان کی مشکلات کا اچھی طرح علم ہے اور ہم اس کی امداد کرنے سے ہرگز نہیں ہچکچائیں گے لیکن اس کی ذمہ داری ہم پر نہیں بلکہ خود ہندوستان

Scanned with OKEN Scanner

پر عائد ہوگی"۔

اسی رات پونے نو بجے ایک پریس کانفرنس منعقد ہوئی جس میں وزارتی مشن کے ارکان شریک ہوئے۔ اس کانفرنس میں وزیروں نے مشن کے اعلان کی تشریح کی۔ اسی طرح دوسرے دن بھی ایک پریس کانفرنس ہوئی جس میں اعلان سے رات کے اٹھائے گئے سوالات کا جواب دیا گیا۔

گاندھی کا بیان

وزیرِ ہند کی براڈکاسٹ تقریر کے بعد کانگریسی رہنما مہاتما گاندھی نے کہا:

"کابینہ مشن کا اعلان ثالثی فیصلہ نہیں ہے بلکہ محض سفارشات کی حیثیت رکھتا ہے۔ مشن نے اپنی طرف سے آئین کا ایک خاکہ پیش کر دیا ہے جو اس کی رائے میں ہندوستان کے مسئلے کا صحیح حل ہے اس کے بعد دستور ساز اسمبلی کو اختیار ہے کہ وہ ان تجاویز کو نامنظور کر دے یا ان میں ترمیم کر کے انہیں بہتر شکل دے دے۔ دستور ساز اسمبلی ایک خود مختار ادارہ ہوگا مثلاً مشن نے مرکز کے لیے بعض محکمے تجویز کیے ہیں دستور ساز اسمبلی اگر چاہے تو ان کی تعداد میں کمی بیشی کر دے۔ اسی طرح دستور ساز اسمبلی اگر چاہے تو ہندو اور مسلم کا امتیاز جسے مشن نے بامرِ مجبوری تسلیم کیا ہے، بالکل اڑا دے۔

جہاں تک گروپ بندی کا تعلق ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی صوبے کو اس کی مرضی کے خلاف کسی گروپ میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ ان تشریحات کے ساتھ کابینہ مشن پلان بہت اچھی دستاویز ہے جس پر اس کے مصنف بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں"۔

کانگریسی رہنما کے اس بیان کے بعد صدرِ کانگریس نے ۲۰ مئی کو وزیرِ ہند سے مشن تجاویز کی وضاحت چاہی۔

Scanned with OKEN Scanner

مولانا آزاد بنام وزیر ہند

۲۰ مئی کو مولانا ابوالکلام آزاد نے لارڈ پیتھک وزیر ہند کو حسب ذیل خط لکھا:

"کانگریس کی رائے میں جس وقت دستور ساز اسمبلی بن جائے گی۔ وہ ایک مستقل خود مختار اور با اختیار ادارہ ہوگا اور اس اعتبار سے اس کو حق حاصل ہوگا کہ وہ مشن کی سفارشات اور اس کے لیے طریق کار کے متعلق جس طرح وہ ہے ترمیم کر سکے۔ آپ کی سفارشات کانگریس کے شملہ کانفرنس کے زمانے کے نظریات سے بھی ناقص ہیں۔ تاہم قدرے کوشش کریں گے کہ ہم اسمبلی سے سفارشات کی وہ خامیاں دور کریں۔ اس غرض کے لیے ہم ملک اور کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی کو تبدیلی کے حق میں فیصلہ دیں گے۔

آپ نے اپنی سفارشات میں ص۳ پیرا۵ میں تحریر کیا ہے کہ صوبے گروپ میں شرکت کے لیے آزاد ہوں گے کہ انتظامیہ کیا ہو اور قانون سازی کیونکر ہو اور ہر گروپ صوبوں کے شعبہ ہائے تصرف کو باہمی طور سے طے کریں گے۔ اس سے قبل آپ نے لکھا ہے کہ وہ تمام شعبہ ہائے حکومت جو یونین کے شعبہ نہ ہوں گے اور تمام مابقی اختیارات صوبوں کو حاصل ہوں گے مگر آپ نے دفعہ ۵ میں لکھا ہے کہ کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی کے صوبوں کے نمائندے تین زمروں میں بٹ جائیں گے تا کہ وہ صوبوں کے دستور طے کریں۔ نیز وہ یہ بھی طے کریں گے کہ ان کے لیے کس گروپ یا کانسٹی ٹیوشن کی ضرورت ہے یا نہیں۔

ان دونوں متذکرہ بالا بیانات میں کھلا ہوا نقص ہے۔ بنیادی تجاویز کے موجب صوبوں کو مکمل آزادی ہے کہ وہ جو چاہیں طریق عمل اختیار کر سکیں مگر بعد میں ان کے اوپر ایک بار ڈالا گیا ہے جو ان کی خود اختیاری کی راہ میں حائل ہے۔ یہ صحیح ہے کہ بعد میں صوبوں کو حق دیا گیا ہے کہ وہ کسی گروپ سے نکل آئیں مگر بہر نوع یہ واضح نہیں ہوتا کہ کسی صوبے یا اس کے نمائندے کو کسی

Scanned with OKEN Scanner

امر کے لیے جس کو وہ کرنا نہیں چاہتے مجبور کیسے کیا جا سکتا ہے۔ کوئی صوبائی اسمبلی اپنے نمائندوں کو حکم دے سکتی ہے کہ وہ کسی گروپ میں شریک نہ ہوں، جس طرح بی اور سی گروپ بنائے گئے ہیں۔ ان سے عیاں ہے کہ ایک صوبہ یعنی پنجاب، سیکشن بی میں طاقت ور ہوگا اور بنگال سیکشن سی میں۔ یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ کوئی طاقت ور صوبہ۔ صوبے کے لیے ایسے دستوری نظام بنائے جو صوبہ سرحد، سندھ اور آسام کے لیے نا قابلِ قبول ہو۔ وہ الیکشن کے لیے ایسے قاعدے بھی بنا سکتا ہے جس سے ایک صوبے کو گروپ سے علیحدگی کا حق بھی باقی نہ رہ جائے۔

غالباً آپ کی نیت ایسی نہ تھی کہ بنیادی اصولوں یا پالیسیوں میں اس قدر کھلا تضاد ہے۔

گاندھی جی نے میری کمیٹی یعنی کانگریس کو مطلع کیا ہے کہ آپ کا عندیہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ برٹش افواج اس وقت تک ہندوستان میں رہیں گی۔ جب تک کہ آپ کی سفارشات کے ماتحت کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی نہ بن جائے برخلاف اس کے میری کمیٹی (کانگریس) یہ محسوس کرتی ہے کہ صحیح معنوں میں ہندوستان میں فوجوں کا قیام ہندوستان کی آزادی کے لیے منافی ہے۔ ہندوستان کو آزادی اسی وقت سے ہو جب ایک عبوری دور کے لیے نیشنل گورنمنٹ بن جائے۔

وزیرِ ہند کا جواب

۲۰ مئی کے خط کے جواب میں ۲۳ مئی کو وزیرِ ہند لارڈ پینتھک لارنس نے مولانا آزاد کو لکھا:

"صوبوں کی گروپنگ کی وجوہات آپ کو بخوبی معلوم ہیں اور یہ ہماری اسکیم کا ایک اہم جزو ہے، جو فریقین کی باہمی مفاہمت سے ترمیم ہو سکتا ہے۔ دو ایسے نکات ہیں جنہیں میں ضروری سمجھتا ہوں۔

اول یہ کہ آپ دستور ساز اسمبلی کو با اختیار اور با اقتدار سمجھتے ہیں جس کے تمام فیصلے بطور خود قابل پابندی ہوں گے۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ کانسی ٹیوئنٹ اسمبلی کے کام اور اختیارات اور طریق کار کے متعلق ہم نے اپنے بیان سے واضح کر دیا ہے کہ ایک مرتبہ جب کانسی ٹیوئنٹ اسمبلی بن جائے گی اور وہ اپنے بنیادی اصولوں کے مطابق کام کرنا شروع کرے تو ہمارا کوئی ارادہ نہیں کہ ہم اس کے فیصلوں میں حارج ہوں اور جب وہ اپنا کام ختم کرے گی تو دولت برطانیہ پارلیمنٹ سے سفارش کرے گی کہ وہ تمام اقدامات کام میں لائے جائیں جو ہندوستان کو کامل حقوق آزادی دینے کے لیے ضروری ہوں۔ صرف یہ دو شرائط ایسی ہیں جن کے متعلق ہمارا خیال ہے کہ کوئی اختلاف نہیں۔ یعنی اقلیتوں کے تحفظ کا مناسب انتظام اور دوسرے برٹش گورنمنٹ سے ایک معاہدہ جو انتقالِ اختیارات کے لیے ضروری ہے۔

۲۔ علاوہ ازیں حکومتِ برطانیہ اس کی بھی مشتاق ہے کہ عبوری دور جس قدر ممکن ہو کم ہو۔

مندرجہ بالا مسلمات کی بنا پر غالباً آپ اس کو محسوس کریں گے کہ ہندوستان کی آزادی نئے دستور کے اجرا سے پہلے نہیں ہو سکتی۔"

قائداعظم کا اعلان

۲۲ مئی کو مسلم لیگ کے صدر مسٹر محمد علی جناح نے کیبنٹ مشن کے پلان پر اپنے دلی رنج و الم کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

"مشن نے پاکستان کے مطالبے کو قبول نہیں کیا۔ حالانکہ ہم اب بھی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ہندوستان کے دستوری مسائل کے حل کے لیے وہ سب سے زیادہ مناسب قدم ہے جو دونوں بڑی قوموں کی خوشی اور امن کا باعث ہو سکتا ہے۔ یہ بہت قابلِ افسوس بات ہے کہ مشن نے ہمارا مطالبہ رد کرنے کے سلسلہ میں بہت سی فرسودہ اور

Scanned with OKEN Scanner

مجہول وجوہات دی ہیں اور بہت گری ہوئی زبان استعمال کی ہے جس سے ہندوستان کے مسلمانوں کو صدمہ پہنچا ہے۔

مشن نے غالباً یہ حرکت کانگریس کی خوشنودی کے لیے کی ہے کیونکہ جب ان کو حقائق سے گزرنا پڑا تو خود انھوں نے ہمارے تمام مسائل کو اسٹیٹ پیپر کے پیراگراف ۵ء میں لکھ ڈالا جس کے بعد پاکستان کے مطالبے کی تردید بالکل لایعنی معلوم ہوتی ہے۔

میں مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے فیصلے سے پہلے کوئی ذاتی رائے نہیں دینا چاہتا۔ ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ کے بعد آل انڈیا مسلم لیگ جلسہ دہلی میں منعقد ہوگا"

قائداعظم ۲۴ مئی کے بیان میں کہا کہ میں لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے فیصلے سے پہلے کوئی ذاتی رائے نہیں دینا چاہتا لیکن ۳۰ مئی ۱۹۴۶ء کو شملہ میں ایک استقبالیہ جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

"ہم روزمرّہ کے جھگڑوں سے اُکتا چکے ہیں اور اب ہمیں بہت سے معاملات کا فیصلہ کرنا ہے جو مسلسل نعرے لگانے، نفرت پیدا کرنے اور کھینچا تانی سے نپٹ نہیں سکتے۔

ہندوستان کے سامنے جو آئینی مسئلہ درپیش ہے اسے دوستانہ مفاہمانہ طریق پر حل کرنا ہوگا۔ میں اس جذبہ کے ساتھ دہلی جارہا ہوں۔ امید کرتا ہوں کہ آپ کی نیک خواہشات ہماری کامیابی کا باعث ہوں گی۔"

ذخیرہ کتب
انیس نقوی
03142893816 Scanned with OKEN Scanner

باب ۶

مُسلم لیگ دوراہے پر

ہر طبقے کا اپنا انداز سیاست ہوتا ہے۔ زمینداروں صنعت کاروں اور تاجروں کے طبقے کا اندازِ سیاست نچلے درمیانے طبقے کے اندازِ سیاست سے مختلف ہوتا ہے اور محنت کشوں اور بے زمین کسانوں کے طبقوں کی سیاست کے طریقے مختلف ہوتے ہیں اب کانگرس کی سیاست کا اسلوب ایک منجھے ہوئے تاجر اور صنعت کار کا تھا انہی کے طور طریقوں کو وہ اپنائے ہوئے تھی۔ اب اس کے مقابلے میں مسلم لیگ کا قائد بھی ایک خوجہ تھا جس کی رگوں میں تجارت اور اس کا ناپ تول سرایت کیے ہوئے تھا۔۔ چنانچہ ایک لطیفہ اس دور میں بہت زبان زدِ عام تھا کہ کانگرس اور مسلم لیگ کی لڑائی اصل میں دو گجراتی بنیوں کی لڑائی ہے، یہ لطائف اور یہ کہاوتیں ویسے ہی قبولیت عامہ کی سند حاصل نہیں کر لیتیں ان کی پشت پر روزمرہ زندگی کی صداقتیں کام کر رہی ہوتی ہیں چنانچہ جب لاہور ریزرولیشن ۱۹۴۰ء میں پاس ہوا تھا تو تجزیہ نگاروں نے اسی وقت کہہ دیا تھا کہ اس پوری قرارداد کا انداز ہی سودے بازی کے لیے ایک وسیع بنیاد مہیا کرنا ہے لیکن مصیبت یہ ہوتی ہے کہ سیاست میں اوپری طبقے کو سودے بازی کی بنیاد اس وقت تک حاصل ہی نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کی پشت پر عوامی دباؤ منظم نہ ہو چنانچہ قائد اعظم نے ایک چابک دست سیاستدان کی طرح اس قرارداد کو ایسے ایسے معانی پہنائے کہ وہ بالآخر لوگوں کی رگ و ریشے میں رچ گئے۔ مثلاً ہندو اور مسلمان دو قومیں ہیں ہم ایک ساتھ کبھی نہیں رہ سکتے ہم ایک مرکز کو کبھی قبول نہیں کر سکتے، ایک مرکز کا مطلب ہے ہندو کی غلامی جو اس مرکز میں اکثریت میں ہوگا لیکن اب جب کیبنٹ مشن نے اپنے منصوبے کا اعلان کر دیا

Scanned with OKEN Scanner

اور اس میں انھوں نے تقسیم کو رد کرکے گروپنگ کا منصوبہ پیش کر دیا اور ساتھ ہی جناح صاحب کو یہ باور کرا دیا کہ یہ قبول کر لو ورنہ کانگریس اکیلی ہی دستور ساز اسمبلی میں چلی جائے گی تو ان حالات میں مسلم لیگ کے لیے کوئی چارہ کار نہ رہا کہ اس کو منظور کرلے لیکن جناح صاحب کو اس پلان کو منظور کراتے ہوئے خاصی مصیبتیں جھیلنی پڑیں اور چونکہ وہ اپنی ورکنگ کمیٹی یا کونسل مسلم لیگ میں مخالفت کا سامنا کرنے کے عادی نہ تھے اس لیے ان کے لیے یہ صورت حال خاصی پریشان کن تھی چنانچہ پہلی بار مسلم لیگ نے کانگریس کے فیصلہ سے پہلے ہی اپنی کونسل کا اجلاس طلب کر لیا۔ یہ اجلاس ۵ اور ۶ جون ۱۹۴۶ء دہلی میں منعقد ہوا جس میں قائد اعظم نے ابتدائی تقریر کرتے ہوئے کہا :۔

"مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی نے وزارتی مشن کی تجاویز پر ٹھنڈے دل سے غور کیا اور اس پر بحث کی۔ اس کی خوبیوں اور برائیوں کو مسلم عوام کے ناویۂ نگاہ سے پرکھا۔ اب یہ معاملہ کونسل میں پیش کر دیا گیا ہے۔ کونسل کو صورت حال کی نزاکت کو سامنے رکھ کر اس معاملے پر غور کرنا چاہیے اور ہر ممبر کو وزارتی مشن کی تجاویز پر حوصلے سے غور کرنا ہے اور پوری آزادی سے اپنا زاویہ نگاہ بیان کریں۔ معاملہ اس قدر اہم ہے کہ تمام ممبروں کو پوری طرح اس اہم مسئلے کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اور نہایت آزادی سے اس پر بحث کریں تاکہ کوئی ایسا فیصلہ کیا جا سکے جو کہ مسلمانوں کے مفاد کے منافی نہ ہو۔"

اس کے بعد کونسل کا اجلاس چند گھنٹوں کے لیے ملتوی کر دیا گیا اسی دوران ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا کو بیان دیتے ہوئے مسلم لیگ کے صدر نے وزارتی مشن کی تجاویز کی مذمت کی کہ وزارتی مشن نے مسلمانوں کے مطالبۂ پاکستان سے نازیبا سلوک کیا ہے۔ آپ نے کہا کہ :

"وزارتی مشن نے اس وقت تک جو غلطیاں کی ہیں ان میں سے یہ اس کی سب سے بڑی غلطی ہے۔ میں اس امر کو واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ کہ جب تک ہم ہندوستان میں آزاد اور خود مختار پاکستان قائم نہیں کریں

Scanned with OKEN Scanner

گے چین سے نہیں بیٹھیں گے۔"

وزارتی مشن نے پاکستان کے خلاف جس قدر زہر اگلا ہے وہ صرف ہندوؤں اور کانگریس کو خوش کرنے کے لیے ہوا ہے۔ ورنہ اس کا کوئی اور مقصد نہ تھا۔ اگر حقیقت پر غور کیا جائے تو وزارتی مشن کی تجاویز سے پاکستان کی بنیاد نظر آتی ہے۔ کانگریسی اخباروں اور ہندوؤں نے ابتدا۔ میں اس کھانڈ میں لپٹی ہوئی کڑوی گولی پر بڑی بغلیں بجائیں اور مسرت کا اظہار کیا۔ لیکن انھیں بہت جلد معلوم ہو گیا کہ اس تلخ گولی پر بہت تھوڑی کھانڈ ہے۔ عام طور پر مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی اپنا آخری فیصلہ کر لیا کرتی ہے اور اسے منظوری کے لیے کونسل کے سامنے پیش کر دیا جاتا ہے لیکن چونکہ یہ معاملہ اہمیت رکھتا ہے۔ اس لیے ورکنگ کمیٹی نے کوئی فیصلہ نہیں کیا اور کونسل کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اب کونسل کا فرض ہے کہ وہ تمام حالات کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرے۔ کونسل دس کروڑ مسلمانوں کی نمائندہ ہے وہ جو بھی فیصلہ کرے گی مسلمان اسے بخوشی منظور کر لیں گے۔

میں نے چند روز پیشتر شملے میں ایک ایڈریس کا جواب دیتے ہوئے امید ظاہر کی تھی کہ آخر ہم ہمیشہ کے لیے لڑتے جھگڑتے نہیں رہیں گے۔ ہمیں بہت سے اہم معاملات کا فیصلہ کرنا ہے جو مسلسل نعرے لگانے، نفرت پیدا کرنے اور کھینچا تانی سے نہیں نپٹ سکتے۔ لڑنے کے لیے عموماً دو پارٹیاں ہوا کرتی ہیں۔ مگر ہماری اس لڑائی میں (بشرطیکہ چھوٹی اقلیتوں کو ایک طرف چھوڑ دیا جائے) تین بلکہ چار پارٹیاں ہیں۔

برطانیہ، مسلم لیگ، کانگریس اور ریاستیں، جب میں یہ کہتا ہوں کہ ہمیں ہمیشہ کے لیے جنگ وجدال کی داد نہیں دینی چاہیے، یقیناً میں تمام پارٹیوں کو مخاطب نہیں کرتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ مسلمانوں کو حد سے

زیادہ نقصان پہنچا ہے کہ اس کی یاد سے میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

میں اس پلیٹ فارم سے ہندوؤں کو انتباہ کرنا چاہتا ہوں کہ وہ جس قدر جلد اس حقیقت کو سمجھ لیں گے۔ ان کے لیے مفید رہے گا۔ اگر وہ ہندوستان کو مکمل طور پر آزاد دیکھنا چاہتے ہیں تو انھیں پاکستان تسلیم کرلینا چاہیے۔ لیکن اگر وہ پاکستان تسلیم کرنے پر آمادہ نہ بھی ہوتے تو ہم بھی ان کی پرواہ نہیں کریں گے اور اپنا مقصد حاصل کریں گے۔ اس امر کا فیصلہ آنے والا وقت ہی کرے گا کہ ہم اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کریں گے اور کون سا ہتھیار برتیں گے۔"

اس کے بعد کونسل کا اجلاس دوبارہ شروع ہوا۔ قائداعظم نے تقریر کی اور کہا کہ:۔

کیبنٹ مشن سے بہت گفت وشنید کے بعد یہ نتیجہ نکلا ہے جو کیبنٹ مشن کے بیان مورخہ ۱۶ مئی میں ہے اور اس کی مزید وضاحت بیان مورخہ ۲۵ / مئی میں ہے۔ اگرچہ پاکستان ہم کو نہیں دیا جا رہا لیکن اس کے برابر ہے اور اس کے لیے راستہ صاف ہوتا ہے۔ اس کے بعد نوابزادہ لیاقت علی خاں نے مفصلہ ذیل ریزولیوشن پیش کیا جس کو ورکنگ کمیٹی آل انڈیا مسلم لیگ نے بنا کر اور منظور کر کے کونسل کی منظوری کے واسطے بھیجا ہے

ریزولیوشن

۱ : کونسل آف انڈیا مسلم لیگ کی یہ میٹنگ کیبنٹ مشن اور وائسرائے کے بیان مورخہ ۱۶ مئی و دیگر سرکاری کاغذات متعلقہ پر اچھی طرح غور کرنے کے بعد اور ان امور کی اونچ نیچ اور اثرات کو سمجھنے کے بعد جو اس بیان میں ہیں اپنی رائے قوم کو رہبری اور ورکنگ کمیٹی کی ہدایت کے واسطے ریکارڈ کراتی ہے۔

۲ : یہ کہ اسٹیٹ منٹ مذکورہ کی دفعہ نمبر ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱ میں جس طرح

Scanned with OKEN Scanner

مسلمانوں کے مطالبہ پاکستان کا حوالہ دیا گیا ہے اور اس سے جو نتیجہ اخذ کیا گیا ہے وہ غیر ضروری، بے جا، غیر منصفانہ اور ناقابل یقین دہانی ہے اور سرکاری دستاویز جو برٹش گورنمنٹ کی طرف سے جاری کی گئی ہے اس میں اس کا اندراج نہیں ہونا چاہیے تھا۔ ان فقرات میں واقعات کو توڑ پھوڑ کر ایسی زبانوں میں بیان کیا گیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کیبنٹ مشن نے ہندوؤں کو خوش کرنے کے لیے یہ لکھے ہیں اور مسلمانوں کے جذبات کا قطعی خیال نہیں کیا۔

مزید یہ کہ ان فقرہ جات کا مضمون خود مشن کے بیان کے فقرے ۵ اور ۱۲ کے متضاد ہے جس کو مشن تسلیم کرتا ہے اور حسب ذیل فقروں میں تحریر کرتا ہے۔

اول: مشن اس سے مسلمانوں کو جائز اور زوردار واقعات پر مبنی اندیشہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو ایک مستقل ہندوؤں کی اکثریت کا شکار نہ بنا لیں بہت متاثر ہوا۔

دوم: یہ اندیشہ مسلمانوں میں اس قدر سرایت کر گیا ہے اور اسی قدر وسیع پیمانے پر پھیل گیا ہے کہ اس کو محض کاغذی کارروائی سے نہیں مٹایا جا سکتا۔

سوم: اگر ملک میں امن رکھنا ہے تو یہ ضروری ہے کہ ایسا آئین بنایا جائے جس میں ان کو پورا اختیار ان امور پر ہو جو ان کی تہذیب، مذہب، اقتصادیات اور دیگر مسائل کو قائم اور محفوظ رکھنے کے لیے ضروری ہیں۔

چہارم: مسلمانوں کو یہ اصل اور جائز اندیشہ ہے کہ ان کی تہذیب، پولیٹکل و سوشل زندگی ہندوؤں کی اکثریت میں غرق ہو جائے گی اگر اکھنڈ ہندوستان رہا۔

اس لیے ہر ایک کو متنبہ کیا جاتا ہے اور بتایا جاتا ہے کہ مسلمانوں کا نظریہ اب بھی پاکستان ہے جو اٹل ہے اور جس کے حصول کے لیے وہ آخری

دم تک جدوجہد جاری رکھیں گے اور کسی قربانی سے خواہ وہ کتنی ہی بڑی ہو گریز نہ کریں گے۔

۳۔ باوجود ان غلط الفاظوں کے استعمال کے جو کیبنٹ مشن نے اپنے بیان میں کیے ہیں اور بغیر ان سے متاثر ہوئے اور آئین کی تبدیلی کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اور یہ سمجھتے ہوئے کہ کیبنٹ مشن کے بیان میں پاکستان کے آئندہ حصول کی بنیاد موجود ہے چونکہ صوبہ جات کو سیکشن "بی" اور "سی" میں شریک ہونا ضروری ہے جس سے امید ہوتی ہے کہ آگے چل کر آزاد اور خود مختار پاکستان وجود میں آجائے گا اور دونوں بڑی قوموں ہندوؤں اور مسلمانوں کو آزاد سلطنتیں مل جائیں گی اور دوسرے لوگوں کو بھی جو اس براعظم میں آباد ہیں۔

ان وجوہات کی بنا پر مسلم لیگ آئین ساز اسمبلی میں اس اسکیم کو مان کر شریک ہوگی لیکن ان پر نظر رکھے گی کہ اگر موقعہ کا تقاضا ہوا تو صوبہ یا گروپ یونین سے علیحدہ کر لے گی جس کا اشارۃً اسی اسکیم میں وعدہ ہے۔ مسلم لیگ آخری فیصلہ اس وقت کرے گی جب کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی اپنا کام ختم کر لے گی اور آئین کی اصلی صورت نکل آئے گی جو سیکشنوں سے گفتگو کے بعد ظاہر ہوگی۔ مسلم لیگ اس حق کو محفوظ رکھتی ہے کہ کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی کے بننے کے دوران یا کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی کی کارروائی کے دوران یا اس کے بعد اس سے علیحدہ ہو جائے۔ اگر اس کو یہ یقین ہو جائے گا کہ ان اصولوں کے خلاف کارروائی کی جا رہی ہے جو اوپر بیان کیے گئے ہیں۔

۴۔ مرکز میں اگزیکیٹو کونسل جو عارضی بنائے جانے کی تجویز ہے اس کی بابت یہ کونسل پریذیڈنٹ مسلم لیگ کو اختیار دیتی ہے کہ وہ وائسرائے سے اس معاملہ میں گفتگو کر کے مناسب فیصلہ کریں۔

اس ریزولیوشن کی تائید حاجی عبدالستار سیٹھ نے مدراس کی طرف سے

Scanned with OKEN Scanner

حسین امام و مسٹر محمد نعمان نے بہار سے اور چودھری خلیق الزمان نے یو۔پی کی طرف سے کی۔

کیبنٹ مشن پلان کی مخالفت

آل انڈیا مسلم لیگ کونسل نے یہ قرارداد منظور تو کر لی لیکن پورے ملک میں ہی نہیں بلکہ خود مسلم لیگ کونسل میں ہی اس قرارداد کی اچھی خاصی مخالفت ہوئی۔ سب سے اہم مخالفت تو سریامین جو یو۔پی کے کونسلر تھے انہوں نے کی، اسے سریامین نے اپنی خود نوشت سوانح اور یادداشتوں پر مشتمل "اعمالنامہ" کے نام سے دو جلدوں میں ایک کتاب بھی رقم کی ہے اس میں وہ اپنی تقریر تفصیل سے درج کر رہا ہوں جو انھوں نے کیبنٹ پلان کے خلاف مسلم لیگ کونسل میں کی تھی۔ یہ تقریر بہر حال میں ایک بہت ہی اہم دستاویز ہے کیونکہ اس سے اگر ایک طرف بہار اور یو۔پی کے مسلمانوں کی نفسیات پر روشنی پڑتی ہے اور واضح طور پر اظہار ہوتا ہے کہ یو۔پی کے یہ اشراف کس طرح اپنی تہذیبی بالادستی پر نہ صرف یقین رکھتے تھے بلکہ اناں رکھتے تو دوسری طرف اس امر کی بھی واضح نشاندہی ہو جاتی ہے کہ مختلف خطّوں کے مسلمانوں کے اندر پاکستان کے بارے میں کیسے کیسے عجیب و غریب سپنے جنم لینے لگے تھے اور ان خطّوں میں تضادات کی بھی نشاندہی ہونے لگی تھی۔

سریامین اپنی اس تقریر کے حوالے سے لکھتے ہیں :

> مجھ کو ۱۹۱۶ سے پالٹیکس کا تجربہ ہے اور میں نے میونسپلٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں، صوبائی اسمبلیوں اور سنٹرل اسمبلی میں مسلمانوں کو ذرا ذرا سے ذاتی نفع کی خاطر قومی مفاد کو بیچتے دیکھا ہے۔ سنٹرل اسمبلی میں تو مساجد تک کے خلاف مسلمان ممبران نے ووٹ دیا یا نیوٹرل ہو گئے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو زبانی طور پر خانہ کعبہ کی حرمت میں مر مٹنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اس تھوڑے سے اضافہ سے جو مسلمانوں کو آبادی کے تناسب سے مشن نے دیا ہے کوئی فائدہ نہیں۔ اس کی بجائے تو کمیونل ایوارڈ کے ذریعہ ہم کو جو تناسب ملا تھا وہ کہیں بہتر تھا۔ بنگال میں مسلمان ۱۱۹، ہندو مع اچھوت ۸۰، آسام میں

مسلمان ۳۴، ہندو ۴۸۔ جس کے معنی ہوتے جملہ مسلمان ۱۵۳ ہندو ۱۲۸ سیکشن سی میں ہیں اور سیکشن بی میں پنجاب میں مسلمان ۸۶، غیر مسلم مع ہندو، سکھ، عیسائی کے ۷۷، سندھ میں مسلمان ۳۴، ہندو ۱۹، صوبہ سرحد میں مسلمان ۳۶، ہندو سکھ ۱۲۔ سیکشن "بی" میں جملہ مسلمان ۱۵۶ اور غیر مسلم ۱۰۸ ہیں۔

اس کے مقابلے میں یوپی میں مسلمان ۶۶، ہندو بمعہ اچھوت ۱۶۴، بہار میں مسلمان ۴۲، ہندو ۱۰۶، بمبئی میں مسلمان ۳۰، ہندو ۱۱۰۔ مدراس میں مسلمان ۲۹، ہندو ۱۵۲۔ سی پی میں مسلمان ۱۰ ہندو ۸۷۔ جملہ سیکشن "اے" میں مسلمان ۱۸۱، غیر مسلم ۶۱۹ ہیں۔ یعنی مسلمان تقریباً ۳۰ فی صدی ہیں لیکن اسکیم پیش کردہ کیبنٹ مشن میں سیکشن "اے" میں مسلمان ۲۰، ہندو ۱۶۷ ہوں گے۔ یعنی مسلمانوں کا تناسب صرف ۱۲ فیصدی رہ جائے گا۔

اس کو خیال کیجیے کہ یوپی میں مسلمان ۸۵ لاکھ، بہار میں مسلمان ۵۵ لاکھ اسی طرح ان دو صوبوں میں مسلمانوں کی آبادی ۱۴۰ لاکھ یعنی ایک کروڑ چالیس لاکھ ہے جبکہ سیکشن "بی" کے دو صوبوں کے علاوہ پنجاب کے یعنی سندھ کی ۳۲۵، ۸۰، ۳۲۔ صوبہ سرحد ۹۷، ۸۸، ۲۷ کی جملہ مسلم آبادی ۱۲۲، ۹۷، ۵۹ ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ مسلم کلچر کے دو بڑے صوبوں کو جن کی آبادی ایک کروڑ چالیس لاکھ ہے۔ ہم ہندوؤں کے رحم و کرم پہ چھوڑتے ہیں۔ مسلم تہذیب و تمدن کی حفاظت کی بابت زبانی جمع خرچ کرتے ہیں لیکن ان مسلم تہذیب کے صوبہ جات کو ان کے حوالے کرتے ہیں جو اس اسکیم کے تحت آپ کی ہر چیز کو جس کی تحفظ کے واسطے لڑ رہے ہیں تباہ اور برباد کر دیں گے۔ نہ جُدا نمائندگی رہے گی، نہ جُدا انتخاب، اس کے لیے کوئی شخص منہ سے اسلام کا تحفظ نکالنے والا نہ ہوگا، نہ اردو زبان ہوگی نہ مذہبی تعلیم، نہ یوم نجات پہلے کی طرح آپ منا سکیں گے۔

Scanned with OKEN Scanner

بمبئی، مدراس اور سی پی تو مسلم تہذیب کے گہوارے نہیں ہیں اس لیے وہاں کے مسلمان تو زیادہ تباہ نہ ہوں گے۔ ہم یو پی کے مسلمان ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار ہیں۔ اگر ہماری قربانی سے کوئی فائدہ ہو لیکن اس اسکیم میں ہم تباہ ہو رہے ہیں اور پنجاب و بنگال کو کوئی فائدہ نہیں بلکہ کمیونل ایوارڈ سے بھی ان کو کم مل رہا ہے۔

سب سے بڑی خرابی اس میں کل کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی کے مشترکہ اجلاس کی ہے جو اپنا چیئرمین منتخب کرے گی۔ دیسی ریاستوں کو چھوڑ کر صرف برٹش انڈیا میں ۲۹۳ ممبروں میں مسلمان ۷۸ ہوں گے۔ اس سے بالکل ظاہر ہے، کہ اس کے چیئرمین بابو راجندر پرشاد ہوں گے نہ کہ آپ۔ قائداعظم صاحب۔ اس چیئرمین کے اختیارات کو دیکھئے کہ کس قدر وسیع ہیں

نوٹ: اس وقت چودھری خلیق الزماں نے اپنی سیٹ پر بیٹھے ہوئے کہا کہ اسکیم کو غور سے تو دیکھیے۔ میں نے جواب دیا کہ ہم قانون پیشہ ہر چیز کو غور سے پڑھتے ہیں، تب رائے قائم کرتے ہیں۔ ہم ان لوگوں کی طرح نہیں جو پولیٹیشن بنتے ہیں اور سمجھتے کچھ نہیں۔

تمام افسران ہندوؤں کے مقرر کردہ ہوں گے۔ آپ کے سیکشن میں بنائے ہوئے آئین میں مجموعی کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی ترمیم کر سکے گی، جس کی امداد خود آپ کے سیکشن "بی" اور "سی" کے غیر مسلم ممبر اور چند مسلم ممبر کریں گے۔ آپ کے لیے یونین سے نکلنا ناممکن ہوگا۔ نہ تو "بی" گروپ کی نہ "سی" گروپ کی اکثریت آپ کے ساتھ ہوگی۔ لہذا یہ اسکیم پاکستان کا خاتمہ کرتی ہے اور ان صوبوں کے مسلمانوں کو جہاں اسلامی تہذیب ہے خندق میں ڈالتی ہے جو لوگ اس کی تائید کر رہے ہیں یہ ناسمجھی سے کر رہے ہیں۔

ساری کونسل حیران تھی کہ میں مسلم لیگ پارٹی کا سکریٹری اپنی پارٹی کے لیڈر سے اختلاف کر رہا ہوں۔ میں نے کہا یہ پارٹی کا سوال نہیں بلکہ مسلمانوں

کی موت وزلیت کا ہے۔

قائد اعظم محمد علی جناح جو نہایت سلجھی ہوئی عقل والے آدمی ہیں انھوں نے صورت کی اہمیت کا اندازہ کرکے اپنی خاص طرز میں کونسل سے کہا کہ ہم بہت مشکل سے انگریزوں سے یہ مراعات حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں ورنہ وہ تو بالکل کانگریس کے ہاتھ میں تھے۔ اگر آپ اس کو منظور نہ کریں گے تو کیبنٹ مشن اور وائسرائے سب اختیارات کانگریس کے سپرد کر دیں گے۔ چونکہ انگلینڈ کی لیبر گورنمنٹ کانگریس کی طرفدار ہے اور وائسرائے شروع ہی سے متحدہ ہندوستان چاہتا ہے اگر کمیونل ایوارڈ پر بھی ایک کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی بنی تو اس میں بھی آپ اقلیت میں ہوں گے اور وہ جو چاہے گی وہ آئین بنائے گی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے اس ترکیب سے تقریر کی کہ کونسل مسلم لیگ جس میں زیادہ تر مجمع جوشیلے مسلمانوں کا ہے لیکن ان میں آئین کی اہمیت سمجھنے کی عقل نہیں، نہ وہ کیبنٹ مشن کی اسکیم کو سمجھ سکے بعض نے تو پڑھی تک نہ تھی۔ بیشتر تو اس خیال سے آئے تھے جیسے درباری لوگ دربار میں شریک ہونے جاتے تھے اور اسی کو عزت سمجھتے تھے کہ وہ بھی کرسی دار ہیں اور دربار میں گورنر کی اسپیچ پر عمل کرنا فخر سمجھتے ہیں اس قسم کے مجمع میں یہ ہمت کہاں تھی کہ وہ قائداعظم کی رائے میں کچھ چون وچرا کرتا لہٰذا ریزولیوشن پاس ہو گیا۔

سیڑھیوں سے جب اترنے لگے تو بہت لوگ میرے گرد جمع ہو گئے میں نے کہا کہ آپ نے اپنے مطالبہ پاکستان کو گڑھے میں ڈال کر دفن کر دیا ۱۹۴۰ء جس اصول پر لڑ رہے تھے وہ ختم کر دیا۔ صرف چند ممبریاں اگزیکٹو کونسل میں مل جائیں گی تو کیا، مگر پبلک کو تو نیا پاکستان کے لیے کہا گیا اب خود اس کو چھوڑ بھاگے۔ اس سے تو ہم ہندوؤں سے مراعات دوستی

Scanned with OKEN Scanner

کے ذریعہ حاصل کر لینے۔

جس وقت میں زور زور سے کہہ رہا تھا قائداعظم نیچے اُترے لیکن بجلئے اس کے کہ اپنی کامیابی کی بشاشت ان کے چہرے پر ہو سنجیدگی اور پریشانی عیاں تھی۔

مسٹر محمد نعمان ممبر سنٹرل اسمبلی نے بعد کو مجھ سے یہ اعتراف کیا کہ وہ یہ نہ سمجھ سکے تھے کہ وہ اپنے صوبہ کو کس قدر نقصان پہنچا رہے ہیں۔

بہرحال کیبنٹ مشن کے پلان کو منظور کر کے مسلم لیگ اور جناح صاحب نے اپنے کو زبردست نکتہ چینی کا محور بنا لیا کیونکہ پانچ چھ برس سے مسلم عوام کو جن بنیادوں پر متحرک کیا جا رہا تھا اب ان بنیادوں کو ہی ان کے پاؤں تلے سے کھسکایا جا رہا تھا حالانکہ یہ پلان ایک متحدہ ہندوستان اور مسلمانوں کے مستقبل کے لیے ایک نیک فال بن سکتا تھا لیکن اس کے لیے بنیادی ضرورت مخالف فریق پر پورا اعتماد اور اس کو محبت اور خلوص کے ساتھ اپنے موقف سے ہم آہنگ کرنا تھا لیکن یہ وہ بنیاد تھی جس کو خود جناح صاحب نے مسلسل تیشے لگا کر اتنا گہرا دفن کر دیا تھا کہ اب اس کی بحالی قریب قریب ناممکن ہو گئی تھی۔ چنانچہ جس اسلام کا نام لے کر ہندو سے نفرت کو زندگی کا ایک اہم شعار بنایا گیا اسی کا نام لے کر مولانا حسرت موہانی نے کونسل کے اجلاس میں اس قرارداد کی مخالفت کی اور کہا:

"ہم نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا، اسلام سے غداری کی، قرآن سے غداری کی۔"

قائداعظم اور مسلم لیگ جس دوراہے اور مخمصے پر پھنس گئی تھی اس سے اس کے "دوست" اور "دشمن" دونوں ہی حظ اٹھا رہے تھے اور اس کی حالت کچھ ایسی تھی جیسے مرے کو مارے شاہ مدار، چنانچہ روزنامہ انقلاب لاہور نے اپنی ۲۰ر جولائی ۱۹۴۶ء کی اشاعت میں ادارتی تبصرے میں لکھا تھا:

"اگر مرکز کو کسی شکل میں بھی قبول کرنا مسلمانوں کی سیاسی، اقتصادی،

Scanned with OKEN Scanner

معاشرتی، تعلیمی اور ثقافتی بے حسی کا سرچشمہ اور ہندو راج کے قیام کا مقصد تھا۔ اب اس میں سے پاکستان پیدا کرنے کی امیدیں کیونکر صورت پذیر ہوں گی۔ ہائی کمان کے موجودہ فیصلے کے حامیوں کو یا تو اعتراف کرنا چاہیے کہ مسٹر جناح نے پہلے جو کچھ فرمایا تھا وہ صحیح نہ تھا۔ حالانکہ ہمارے نزدیک وہ کاملاً صحیح تھا یا پھر یہ ماننا چاہیے کہ لیگ ہائی کمان نے اب جو فیصلہ کیا ہے وہ صحیح نہیں۔ دونوں چیزیں بیک وقت درست نہیں ہو سکتیں۔"

اور بقول مولانا حامد میاں

"مختصر یہ کہ مسلم لیگ نے مورخہ ۶ جون ۱۹۴۶ء کے اپنے اجلاس میں وزارتی مشن کی سفارشات منظور کرتے ہوئے نمائندہ اسمبلی کی شرکت منظور کر لی۔ یعنی تقسیم ہند اور پاکستان کے مطالبے کو خیر باد کہتے ہوئے ایک یونین، ایک مرکز، ایک اسمبلی تسلیم کر لی۔ عام مسلمان جو پاکستان کو اسلامی حکومت سمجھ کر اس کے لیے جان قربان کرنے کا تہیہ کر چکے تھے، خود اپنے زعما کی اس کمزوری سے متاثر ہوئے اور لیگ کی طرف سے ایک گونہ بے اعتمادی پیدا ہونے لگی۔"

اور اس موقع پر میرے محترم اور بزرگ دوست ڈاکٹر عاشق بٹالوی نے جو اس زمانے میں پروفیسر ڈاکٹر محمد عاشق ہوا کرتے تھے مسلم لیگ بٹالہ گورداسپور کے نمائندے کے طور پر ایک نہایت جامع اور "مدلل" بیان دیا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

ہم کو اس بات کا اعتراف کر لینا چاہیے کہ وہ پاکستان جس کی بنیاد قرارداد لاہور تھی جس کا گزشتہ چھ سال سے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پروپیگنڈہ کیا جا رہا تھا جس کے نام پر انتخابات کی جنگ لڑی گئی تھی اور جس کے ساتھ مسلمانوں کی موت اور زندگی کا تصور وابستہ کیا گیا تھا۔ وزارتی مشن نے اس کو منظور نہیں کیا۔ اندریں حالات اگر کوئی شخص مسلمانوں سے یہ کہنے کی جرأت کرتا ہے کہ پاکستان مل گیا ہے تو وہ اپنے

نفس کو دھوکہ دیتا ہے اور ساتھ ہی پوری قوم کو فریب کرنے کی مذموم کوشش کرتا ہے۔

قرار داد لاہور

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو مسلم نے تقسیم ہند کی جو قرارداد لاہور میں منظور کی تھی۔ اس میں پاکستان کا لفظ نہیں ہے۔ یہ محض اتفاقی طور سے ہماری سیاسی لغت میں داخل ہوگیا ہے۔ اس لیے اس لفظ کے محاسن ومعائب سے قطع نظر ہمیں اپنے سیاسی نصب العین کے لیے لامحالہ قرارداد لاہور ہی کو محور بنانا پڑتا ہے۔ اب تک قائداعظم نے کانگریس کے لیڈروں اور برطانوی حکومت کے نمائندوں سے وقتاً فوقتاً جو گفت وشنید کی ہے اس میں وہ مطالبہ پاکستان کی وضاحت کے لیے ہمیشہ قرارداد لاہور ہی کو معرض بحث میں لایا کرتے تھے۔ اس قرارداد کے پہلے حصہ میں تقسیم ہند کا اصول بیان کیا گیا ہے اور دوسرے حصہ میں مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کو اس بات کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ مجوزہ اصول کے تقسیم پر لکھا گیا۔ کانسٹی ٹیوشن مرتب کرے، افسوس ہے کہ سات سال کے عرصہ میں مجلس عاملہ نے قرارداد کے اس اہم ترین حصے کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ اگر ایک دستور مرتب ہوگیا ہوتا تو آج ہم اس الجھن میں گرفتار نہ ہوتے کہ پاکستان کیا ہے اور پاکستان کیا نہیں ہے۔ تاہم اس رنج وہ بحث کو چھوڑ کر مجلس عاملہ کے ذہین وفطین ممبروں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے واضح اور غیر مشتبہ فیصلہ کے باوجود سات سال کے عرصہ میں دستور کا خاکہ کیوں تیار نہیں کیا۔ ہمیں اس بات کی طرف توجہ کرنی چاہیے کہ مسٹر جناح نے اپنے اشارات سے پاکستان کا خاکہ مسلمان جمہور کے دماغوں میں اجاگر کیا ہے۔ گزشتہ سات سال میں قائداعظم اور مسلم لیگ کے ذمہ دار لیڈروں نے پاکستان کے متعلق جو کچھ کہا اور لکھا ہے اس سے مندرجہ ذیل باتیں پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہیں۔

Scanned with OKEN Scanner

۱ : مسلمان اور ہندو دو جداگانہ قومیں ہیں۔ مسلمان، ہندو کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔

۲ : پاکستان میں مسلمان ہندوؤں کے قبضے اور تسلط سے بے نیاز ہو کر اسلامی تصورات کے مطابق حکومت کریں گے۔

۳ : ہندوستان کسی ملک کا نام نہیں اور ہم ہندوستانی نہیں ہیں۔

۴ : ہندوستان نہ کبھی اکھنڈ تھا، نہ ہے، نہ رہے گا۔

۵ : شمال مغربی پاکستان سے شمال مشرقی پاکستان تک ہم کو ایک راستے کی ضرورت ہے جو ہماری ملکیت ہو گا۔

۶ : مسلمان ہندوستان میں ایک مرکزی حکومت کا تصور بھی گوارا نہیں کر سکتے۔

۷ : اگر پاکستان قائم نہ ہوا تو مسلمانوں کا نام ہندوستان کی سرزمین سے مٹ جائیگا

۸ : جنگ کے بعد ہم مرکز میں عارضی حکومت کو ایک لمحہ کے لیے بھی برداشت نہیں کریں گے۔

۹ : اگر پاکستان کا اصول تسلیم کر لیا جائے تو ہم مرکز میں عارضی حکومت قبول کر لیں گے۔

آج سے دو ماہ پہلے جب مسٹر جناح نے یہ الفاظ کہے تھے جو مذکورہ بالا شق ۹ میں درج ہے تو بعض لوگوں نے حیرت سے کان کھڑے کر لیے تھے کہ پاکستان کے فوری قیام کے مطالبے اور محض پاکستان کا اصول تسلیم کرانے میں زمین آسمان کا فرق ہے اور چونکہ جنگ کے بعد مرکز میں عارضی حکومت کا تصور بھی پاکستان کے لیے تباہ کن ہے اس لیے اس قسم کی عارضی حکومت بہر حال ناقابلِ قبول ہونی چاہیئے۔ لیکن ہم یہ سمجھ کر مطمئن ہو گئے تھے کہ پہلے پاکستان کا اصول تو تسلیم کر لیا جائے گا۔ خواہ اس کی عملی صورت پچاس سال کے بعد پیدا ہو۔

Scanned with OKEN Scanner

مشن کا فیصلہ

وزارتی مشن کے فیصلہ نے واضح، دوٹوک اور غیر مشتبہ الفاظ میں پاکستان کا اصول تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس موضوع پر مشن کے الفاظ ایسے صاف اور صریح ہیں کہ ان کی دوسری تعبیر قطعاً نہیں ہو سکتی۔ ملاحظہ فرمائیے:

مسلم لیگ اس بات کے لیے تیار تھی کہ پاکستان کی حدود کی ترمیم کا مسئلہ کچھ دیر کے لیے ملتوی کر دیا جائے اور سردست پاکستان کا اصول تسلیم کر لینا چاہیے۔ لیگ کا یہ مطالبہ دو وجوہ پر مبنی ہے۔

اوّل: یہ کہ مسلم اکثریت کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی خواہشات کے مطابق اپنے علاقے میں حکمرانی کرے اور

دوم: یہ کہ ... جن علاقوں میں مسلمانوں کی اقلیت ہے ان کو بھی پاکستان کی حدود میں شامل کیا جائے تاکہ انتظامی اور اقتصادی نقطۂ نگاہ سے پاکستان کی تجویز قابلِ عمل ہو سکے۔

پاکستان کی مجوزہ حدود میں مسلم اور غیر مسلم آبادیوں کا تناسب کچھ ایسا ہے کہ مسلم لیگ کی بیان کردہ تجویز کے مطابق ایک آزاد و مقتدر پاکستان کا قیام فرقہ وارانہ مسئلے کو حل نہیں کر سکتا۔ یہ بات بھی خلاف انصاف ہے کہ پاکستان کی مقتدر و خودمختار ریاست میں پنجاب بنگال اور آسام سے ان اضلاع کو شامل کیا جائے، جن کی غالب اکثریت غیر مسلموں پر مشتمل ہے۔

اس کے بعد وزارتی مشن نے پاکستان کے نظریے کے خلاف ایک ایک کر کے ذیل کے دلائل پیش کیے ہیں۔

۱: پنجاب، بنگال اور آسام کے صوبوں کو ان کی موجودہ حدود کے ساتھ پاکستان میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔

۲ : پنجاب، بنگال اور آسام کے ان اضلاع کو جہاں غیر مسلموں کی اکثریت ہے خارج کرکے جو پاکستان بنے گا وہ قابل عمل نہیں ہوگا اور نہ لیگ کو یہ صورت منظور رہے۔

۳ : اکھنڈ ہندوستان کے وسائل نقل وحمل اور رسل ورسائل کو (جن میں تار اور ڈاک کا انتظام بھی ہو) دو یا تین حصّوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔

۴ : دفاع کا مسئلہ ایسا نازک ہے کہ ہندوستان کو دو حصّوں میں تقسیم کرنا ممکن نہیں۔

۵ : ہندوستانی ریاستیں اور تقسیم شدہ برطانوی ہند کے مختلف حصوں کے ساتھ تعلقات قائم نہیں رکھ سکیتں۔

۶ : شمالی مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کے درمیان سات سو میل کا فاصلہ ہے اس فاصلے کی حفاظت بحالت جنگ وبصورت امن ہندوستان کے رحم پر ہے۔ اس واسطے ہندوستان کو اکھنڈ رکھنا ضروری ہے۔

تقسیم ہند کے خلاف یہ عذر پیش کر کے مشن نے آخر میں صاف صاف لکھا ہے :

" ہم حکومت برطانیہ کو ہرگز یہ مشورہ نہیں دیں گے کہ وہ اختیارات کی باگ ڈور جو اس وقت برطانیہ کے ہاتھ میں ہے تقسیم کر کے ہندوستان کی دو مختلف اور آزاد ریاستوں کے سپرد کردے۔"

مذکورہ بالا عبارت و اقتباس کو غور سے پڑھنے کے بعد اگر کوئی ستم ظریف یہ کہے کہ پاکستان کا فوری قیام اگرچہ منظور نہیں ہُوا۔ لیکن پاکستان کا اصول تسلیم کرلیا گیا ہے، لہٰذا اب ہمیں مرکز کی عارضی حکومت میں شریک ہو جانا چاہیے تو اس کا یہ قول اس قابل نہیں کہ سنجیدہ لوگوں کی محفل میں اس کا ذکر بھی کیا جائے۔

مسلمانوں کو بہ طیبِ خاطر یا بہ جبر و اکراہ یہ حقیقت تسلیم کرلینی چاہیے، کہ مشن نے پاکستان کا اصول منظور نہیں کیا۔

Scanned with OKEN Scanner

مرکز

مسلم لیگ کی ان قراردادوں کی روشنائی ابھی خشک نہیں ہوئی، جن میں یہ بار بار کہا گیا تھا کہ ہم ایک مرکز کو ہرگز قبول نہیں کریں گے اور لیگ کے بلند آہنگ لیڈروں کی وہ آواز بھی اب تک فضا میں گونج رہی ہے جس میں بہیم تکرار کے ساتھ یہ کہا گیا تھا کہ ہندوستان میں ایک مرکز خواہ وہ کسی صورت میں ہو ہم ہرگز قائم نہیں ہونے دیں گے مشن نے فیصلہ کر دیا ہے کہ ہندوستان میں ایک مرکزی حکومت ہوگی جن میں برطانوی ہند کے نمائندوں کے علاوہ ریاستیں بھی شامل ہوں گی۔ اس حکومت کو قانون سازی کے اختیارات بھی حاصل ہوں گے اور مندرجہ ذیل محکمے اس کے سپرد ہوں گے۔

۱ : فوج

۲ : معاملات خارجہ

۳ : وسائل نقل وحمل

۴ : ان محکموں کے انصرام وانتظام کے لیے روپیہ فراہم کرنے کا اختیار، یہ کہنا بیکار سی بات ہے کہ جس مرکزی حکومت کو فوج اور معاملاتِ خارجہ پر پورا اختیار ہو اس کے ہاتھ میں سارے ملک کی جان ہوتی ہے۔ فوج اور خارجہ پالیسی پر اقتدار حاصل کر لینے کے بعد ملک کی زندگی اور موت صرف مرکز کے ایک اشارے کی محتاج رہ جاتی ہے، مرکزی حکومت کی مجلسِ ساز میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کی تعداد مساوی نہیں ہوگی اس مجوزہ دستور ساز اسمبلی میں برطانوی ہند کے نمائندوں کی کل تعداد ۲۹۲ ہوگی جن میں مسلمانوں کی تعداد صرف ۸۰ ہے ۹۳ نمائندے ریاستوں کی طرف سے شریک ہوں گے جن میں غالباً ۸۰ غیر مسلم ہوں گے۔ ایسی مجلس دستور ساز سے توقع رکھنا کہ وہ مرکز میں مسلمانوں اور ہندوؤں کو مساوی حقوق

دے گی خام خیال ہے۔ سب سے بڑا ظلم یہ ہُوا ہے کہ مرکزی حکومت میں ریاستیں بھی شامل کر دی گئی ہیں۔ ریاستوں کی مجموعی آبادی دس کروڑ کے قریب ہے، جس میں بمشکل ایک کروڑ مسلمان ہوں گے۔ اتنی عظیم الشان غیر مسلم آبادی کو مرکزی حکومت کے ساتھ ملا کر برطانوی ہند کے مسلمانوں کے ساتھ حد درجہ ناانصافی کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ ریاستوں کا سیاسی رجحان بے انتہا خود غرضانہ اور رجعت پسندانہ ہے اس زمانے میں ریاستوں کے نمائندوں کے ساتھ مل کر ترقی پسندانہ حکومت قائم نہیں ہو سکتی، ۱۹۳۵ء کے فیڈریشن میں مسٹر جناح کو ایک بہت بڑا اعتراض یہ تھا کہ اس میں ریاستیں شریک ہوں۔

صوبوں کی حلقہ بندی

وزارتی مشن میں لے دے کے صوبوں کی حلقہ بندی ایک ایسی چیز ہے جس پر بعض ناداں دوست گھی کے چراغ جلا رہے ہیں اور دانا دوست ماتم و شیون برپا کر رہے ہیں۔ اسکیم کے اس حصہ کے حسن و قبح پر بحث کرنے سے قبل ایک مسلم لیگی کی حیثیت سے ہمیں یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیے کہ سیاسی منطق کی کسی بعید رس تاویل سے بھی ہم اس حلقہ بندی کو پاکستان کا نام نہیں دے سکتے۔ یہ حلقہ بندی ایک بہت بڑا فریب ہے، جسے وزارتی مشن نے جال ہمرنگ زمین بنا کر مسلمانوں کے لیے بچھایا ہے۔ ایک صوبہ کسی خاص گروہ میں شامل بھی ہو سکتا ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے مان لیجیے کہ پنجاب، سرحد اور سندھ ایک گروہ میں شامل ہونا منظور کرتے ہیں۔ اب استقلال ملکی کا تقاضا یہ ہے کہ اس گروہ کو مرکز کے استبداد سے الگ ہونے اور ایک آزاد اور خود مختار مملکت کی صورت اختیار کرنے کی اجازت ہونی چاہیے۔ وزارتی مشن نے اس

Scanned with OKEN Scanner

چیز سے انکار کیا ہے۔

ہماری ذاتی رائے یہ ہے کہ اگر ایک مرتبہ لیگ نے کانسٹی ٹیوشن بنانے والی اسمبلی اور مرکز کی عارضی حکومت کی شرکت قبول کرلی تو ہم ایک ایسے جال میں گرفتار ہوجائیں گے جس کی بندشیں روز بروز سخت ہوتی جائیں گی۔ اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ استقلال قومی کا وہ تصور جسے قرار دادِ لاہور یا پاکستان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ایک بھولا ہوا خواب بن کر رہ جائے گا۔ ممکن ہے کہ بعض لوگ یہ کہیں کہ مرکزی حکومت کے بغیر چارہ نہیں۔ ایسے خوش فہم حضرات کی خدمت میں گزارش ہے کہ اگر آپ مرکزی حکومت کے بغیر گزارہ نہیں کرسکتے تو کانگرس سے سمجھوتہ کرنے میں آپ کو کیا عذر تھا۔ کانگریس نے ۱۹۴۴ء کی دونوں قراردادوں میں اور پھر ستمبر ۱۹۴۵ کی قرارداد پونا میں یہ کہا تھا کہ ہندوستان کا آئین فیڈرل ہوگا۔ اور مرکز کے پاس صرف وہی اختیار ہوں گے جو صوبے اپنی رضامندی سے اس کی تحویل میں دینا پسند کریں گے۔ کانگریس نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر کوئی صوبہ مرکز کے تحت رہنا پسند نہیں کرے گا تو مرکزی حکومت بہ جبر اپنے ماتحت نہیں رکھ سکے گی۔ ہم نے کھلے لفظوں میں کانگریس کی اس قرارداد کو پاکستان کے منافی قرار دیا تھا۔ خدارا بتایا جائے کہ آج ہم کس منہ سے وزارتی مشن کے فیصلے کو پاکستان کے مترادف قرار دے کر اور اس کو ایک صحیفہ آسمانی سمجھ کر آنکھوں سے لگانے کو تیار ہوسکتے ہیں۔

خاتمہ سخن

مجلس دستور ساز کے نمائندے جس طریق سے منتخب ہوں گے اس مجلس میں اس بات کا فیصلہ کرنا کہ آیا فلاں مسئلہ فرقہ ورانہ ہے یا نہیں مشکل ہے نیز بنیادی حقوق اور اقلیتوں کے سوالات اور اس قسم کے بیسیوں پیچیدہ مسائل میں جن پر اس وقت بھی بے شمار اعتراض کیے جاسکتے ہیں اور جب دستور ساز

کے دوران ان کا تصفیہ غیر مسلم اکثریت کے ناخن تدبیر پہ آ کر ٹھہر گیا تو یہ سارا ڈھانچہ ہمارے لیے ایک وبال بن جائے گا اور اس سے چھٹکارا پانا مشکل ہوگا۔ سردست اس بات کو چھوڑ کر ایک خاص معاملہ کی طرف اشارہ کیے بغیر اس بحث کو ختم کرنا ممکن نہیں۔ اب تک ہم یہ سنتے آئے تھے کہ پاکستان کا سنگ بنیاد قرارداد لاہور ہے کیونکہ مسلم لیگ کے آئین میں اس قرارداد کو لیگ کا نصب العین تسلیم کیا جا چکا ہے۔ اب ۱۹/مئی ۱۹۴۶ء کو جب وہ خط وکتابت شائع ہوئی جو مسلم لیگ کے صدر اور کانگریس کے پریذیڈنٹ اور وزارتی مشن کے درمیان ہوتی رہی ہے تو ہماری نظر سے وہ خط بھی گزرا جو مسٹر جناح نے مشن کو لکھا تھا اور جس میں انھوں نے لیگ کے مطالبات درج کیے تھے جس میں وہ کانگریس سے تعاون کرنے کو تیار رہیں۔

ان مطالبات کے مطالعہ سے پہلی بار یہ حقیقت واضح ہوئی کہ قرارداد کی تفسیر اور عملی طور پر پاکستان کی تعریف کیا ہے اور اگر ہندوستان میں پاکستان قائم ہوا تو لیگ کے نقطۂ نگاہ سے اس کی آئینی صورت کیا ہوگی مسٹر جناح نے جو مطالبات درج کیے ہیں۔ ان میں ذیل کے نکات بہت اہم اور غور طلب ہیں۔

۱: ہندوستان میں ایک مرکزی حکومت ہوگی جس کے پاس ایگزیکٹو اختیارات ہوں گے اور دستور ساز اسمبلی نے منظور کیا تو اس حکومت کو قانون سازی کے اختیارات بھی مل جائیں گے۔

۲: اس مرکزی حکومت کی تحویل میں تین محکمے ہوں گے۔

ا : فوج

ب : معاملات خارجہ

ج : وسائل نقل وحمل

Scanned with OKEN Scanner

۳ : دستور ساز اسمبلی کو یہ اختیار بھی ہوگا کہ وہ ایسا قانون بنائے جس سے مرکزی حکومت کو روپیہ جمع کرنے کا حق مل جائے گا اگرچہ اسے ٹیکس لگانے کا حق نہیں ہوگا۔

۴ : پاکستانی علاقے کا دستور بن جانے کے بعد ہر صوبے کو یہ حق ہوگا کہ وہ چاہے تو پاکستان سے الگ ہو جائے۔ اس اختیار پر صرف اس صورت میں عمل ہو سکے گا۔ جب کسی صوبے کی مجموعی آبادی کا بیشتر حصہ الگ ہونے کا خواہش مند ہو۔

اس تمام بحث و تمحیص سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی ہے کہ مسلم لیگ کے صدر محترم کے نزدیک پاکستان کی صحیح اور قابل عمل تعریف کیا ہے اور اب پاکستان کا نعرہ لگاتے وقت ہمارے سامنے قرارداد لاہور نہیں بلکہ جناح کا وہ خط ہوگا جس میں انھوں نے پاکستان کی تشریح کی ہے اور یہی خط آئندہ گفت و شنید میں اسلامیانِ ہند کے متفقہ مطالبہ کی حیثیت اختیار کرے گا جس میں ایک مرکز سے اکھنڈ ہندوستان ہے، دو اسمبلیاں نہیں ہیں۔"

روزنامہ انقلاب لاہور ۶ جون ۱۹۴۶ء

بہر حال ڈاکٹر عاشق بٹالوی کے اس تفصیلی بیان دینے کا مقصد یہ ہے کہ اس امر کی نشان دہی کی جا سکے کہ اس وقت تک مسٹر جناح ایک متحدہ ہندوستان کو کسی نہ کسی صورت میں تسلیم کرنے کو تیار تھے، اس بارے میں جو پہلے کہہ آیا ہوں کہ لاہور ریزولیشن ایک لین دین کے لیے منظور کیا گیا تھا اس کی تصدیق ہو جاتی ہے اور اسی تضاد پر اب لے دے ہو رہی تھی۔

ذخیرہ کتب
انیس نقوی
03142893816 Scanned with OKEN Scanner

باب

فسادات کی بُنیاد کیسے پڑی؟

مسلم لیگ نے کیبنٹ مشن کی گروپنگ اسکیم کو قبول کر کے ایک شدید بحران کو دعوت دے دی اور غالباً خود قائداعظم کو بھی یہ خیال نہیں گزرا ہوگا کہ مسلم لیگ کے اندر کسی کو یہ یارا ہوگا کہ ان کے کسی فیصلے کی مخالفت کرے لیکن وہ یہ فراموش کر گئے تھے کہ انھوں نے خود ایک مرکز کے قیام کی شدت سے پچھلے پانچ چھ برس میں مخالفت کی ہے اس نے مسلمانوں اور مسلم لیگ کے پیروکاروں کے اندر ایک مرکز کا قیام اور اس کو تسلیم کرنا "مسلمان قوم" کے لیے موت کے پروانے پر دستخط کرنے کے مترادف بنا دیا تھا۔ اسی لیے چاروں طرف سے اس فیصلے کی مخالفت شروع ہوگئی، دوسرے مسلم لیگ اور قائد نے اس گروپنگ کو کانگریس سے پہلے منظور ہی اس لیے کیا تھا کہ کانگریس پر دباؤ ڈالا جا سکے کہ وہ اس کو منظور کر لے اور اس سے گریز نہ کرے۔ غالباً کانگریس کے کچھ زعما نے مسلم لیگ کے اس کھیل کو بھانپ لیا۔ ویسے بھی خود کانگریس کے اندر دو گروپ تھے۔ ایک طرف وہ لوگ جو صحیح معنوں میں فیڈرل نظام کے حامی تھے ان میں پیش پیش مولانا ابوالکلام آزاد تھے اور وہ بجا طور پر سمجھتے تھے کہ کیبنٹ مشن نے بہت حد تک ان کی پیش کردہ فیڈرل اسکیم کو اپنی گروپنگ اسکیم میں اپنا لیا ہے اس لیے وہ دل و جان سے اس گروپنگ اسکیم کے حامی تھے لیکن دوسرے قائدین کانگریس اس گروپنگ اسکیم کو کانگریس کے خیالات کے مطابق ایک آزاد اور خود مختار مجلس آئین ساز پر پابندی تصور کرتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے ایک قرارداد ۲۵ جون ۱۹۴۶ء کو منظور کی اور پھر اسی قرارداد کو ۶ جولائی ۱۹۴۶ء کو بمبئی میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی میں توثیق

Scanned with OKEN Scanner

کے لیے پیش کیا۔ اس قرارداد پر پنڈت جواہر لال نہرو نے جو تقریر کی اس نے برصغیر کو ایک ایسے بحران سے دوچار کیا جس کا نتیجہ برصغیر کی تقسیم میں ہی نہیں بلکہ قتل و غارت پر منتج ہوا۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے قرارداد کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ:-

"آئین سازی کے پلان کو منظور کرنے کے معنی صرف یہ ہیں کہ ہم اس پلان کے تحت قائم ہونے والی دستور ساز اسمبلی میں بیٹھنا منظور کرتے ہیں لیکن جب دستور ساز اسمبلی ایک مرتبہ معرضِ وجود میں آجائے گی تو اس پر ان ضابطوں یا اس آئینی خاکے کی پابندی، جو کابینہ مشن کے پلان میں درج ہیں، ہرگز لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ دستور ساز اسمبلی ایک خود مختار ادارہ ہوگی اور جس قسم کا آئین چاہے بنا سکے گی۔"

اس تائید کے بعد کانگریس کی قرارداد منظور کر لی گئی۔

تاریخ برصغیر کا اہم موڑ

اجلاس کے فوراً بعد پنڈت جواہر لعل نہرو نے اپنی پریس کانفرنس میں ایک نامہ نگار کے سوال پر کہ آپ اس بیان کی وضاحت کریں جو آپ نے کانگریس کے اجلاس میں دیا ہے کہ کانگریس نے لمبی مدت کی اسکیم منظور کی نہ قلیل مدت کی۔ سوائے اس کے کہ کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی میں شریک ہوں۔

نہرو نے جواب دیا:-

"آپ نے اس خط و کتابت کو پڑھا ہے جو کانگریسی پریذیڈنٹ اور کیبنٹ مشن کے درمیان ہوئی ہے؟ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہم نے صرف کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی میں شرکت منظور کی ہے اور اس کے ساتھ وہ طریقہ منظور کیا ہے جس سے الیکشن ہو کر اس میں جائیں اور وہاں جا کر جو ہم کریں گے انگریز کا کوئی دباؤ ہم پر نہیں ہوگا۔ صرف اسی بات کا خیال کرنا ہے کہ ہم اسمبلی کو ٹوٹنے نہ دیں اور اس کا کام ختم کریں۔

Scanned with OKEN Scanner

کیبنٹ مشن سے ہم نے دریافت کیا تھا کہ کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی کو شاہانہ اختیارات ہوں گے۔ اس کا جواب قریب قریب اثبات میں ہے۔ صرف دو شرائط ہیں ایک اقلیتوں کا تحفظ، دوسرا معاہدہ۔ اگر انھوں نے ہم سے معاہدہ ہمیں برابر سمجھ کر کیا تو ہم کریں گے اور اگر دباؤ ڈال کر شرائط منوانا چاہیں تو ہم منظور نہیں کریں گے اور اگر انگریز نے چاہا کہ وہ ملک پر اس وقت تک قابض رہیں گے جب تک ہم سے شرائط نہ منوالیں تو ہماری ان سے لڑائی ہو گی۔ رہا اقلیتوں کا سوال تو یہ ہمارا اندرونی معاملہ ہے۔ اس کو ہم بغیر کسی مداخلت کے خاص کر انگریزوں کی مداخلت کے طے کریں گے۔

کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی میں کامیابی سے آئین بنانا صرف ہمارے اوپر حد قائم کرتی ہے۔ ہم کو اس کی پرواہ نہیں کہ کیبنٹ مشن کیا خیال کرتا ہے، جہاں تک گروپ بنانے کا سوال ہے تو اغلب یہ ہے کہ کوئی گروپ نہیں بنے گا۔ سیکشن اے گروپ کے خلاف طے کرے گا اور چار، ایک کی شرط لگاتا ہوں کہ صوبۂ سرحد بھی گروپ کے خلاف جائے گا۔ اس طرح گروپ بی بھی ختم ہو جائے گا۔ آسام اس کے خلاف ہوگا کہ بنگال کے ساتھ شریک ہو۔ لیکن میں کہہ نہیں سکتا کہ کیا فیصلہ ہو۔ چونکہ وہاں رائے برابر ہیں۔ لیکن میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ آخر میں جا کر آسام بنگال کے ساتھ گروپ میں شامل نہیں رہے گا۔ اس طرح سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گروپوں کا معاملہ ختم ہو جائے گا اور قائم نہ رہے گا۔ سوائے مسلم لیگ کے کوئی دوسرا گروپ اس کے حق میں نہیں اور صوبائی رقابت کام کرے گی۔ سیکشن بی کے صوبہ جات میں گروپ کے حق میں اور مخالفت میں لوگ برابر برابر ہیں۔ صوبۂ سرحد و سندھ میں اقتصادی وجوہات کی بنا پر اس کی سخت مخالفت ہے کہ وہ پنجاب کے ساتھ شامل کیے جائیں حتیٰ کہ سندھ کی مسلم لیگ بھی اس کی مخالف ہے کہ سندھ کو پنجاب سے ملحق کیا جائے۔ چونکہ پنجاب

ترقی یافتہ ہونے کے باعث زبردستی کرنے والوں کا صوبہ ہے۔ باوجود مسلم لیگ کے حکم کے یہ دونوں صوبے والے، پنجابیوں سے ڈرتے ہیں کہ وہ ان کی اقتصادی ترقی کبھی نہ بڑھنے دیں گے۔ اور سیاسیات میں ان پر حاوی ہو جائیں گے۔

فی الحال ہم کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی کے الیکشن میں لگے ہوئے ہیں اور یہ معلوم نہیں کہ نیشنل گورنمنٹ کب اور کس طرح بنے گی۔ لیکن بظاہر ہے کہ نگران (CARE-TAKER) گورنمنٹ زیادہ دیر نہیں چلے گی۔"

یونین گورنمنٹ کی بابت پنڈت نہرو نے کہا:

"کیبنٹ مشن نے تین مضامین اس کے پاس رکھے ہیں۔ امور خارجہ، دفاع اور مواصلات ونقل وحمل اور ان کے لیے روپے کی فراہمی اور دفاع اور کیمونیکیشن کے تحت بہت سے کارخانے ہیں اور دفاع ایک وسیع محکمہ ہے جس کے تحت کارخانے بنیں گے اور ان میں توسیع ہوتی رہے گی۔ اسی طرح غیر ممالک سے تجارت بغیر امور خارجہ کے محکمہ کے توسط سے نہیں ہو سکتی اس زمرے میں بہت سے سوال آئیں گے۔ یہ سب مرکز یونین گورنمنٹ سے تعلق رکھیں گے۔"

پنڈت جواہر لال نہرو کی اس پریس کانفرنس پر اس برصغیر کی تاریخ میں زبردست لے دے ہوئی ہے اور اس پر پنڈت جی کے دوستوں اور دشمنوں دونوں نے زبردست لتے لیے ہیں اور ان کی واحد شخصیت کو اس امر کا ذمہ دار قرار دیا ہے کہ انھوں نے اس پریس کانفرنس کے ذریعے مسلم لیگ اور اس کے قائد کو گروپنگ کے متفقہ فارمولا سے نکلنے اور اس کے خلاف بغاوت کرنے پر مجبور کر دیا اور اس طرح سے مسلم لیگ اور قائداعظم کے پاس تقسیم برصغیر کے علاوہ اپنی بقا کا کوئی اور راستہ نہ چھوڑا۔

جانباز مرزا لکھتے ہیں:

"شطرنج کے مہرے اِدھر اُدھر کرنے والے کا نام کھلاڑی نہیں بلکہ سوچ اور فکر سے

Scanned with OKEN Scanner

مات کھائی ہوئی بازی جیتنے والے کا نام کھلاڑی ہے۔ سیاست بھی ایک بساط ہے۔ یہ کھیل جذبات کا نہیں، عقل کا متحمل ہے۔ کسی فیصلے پر پہنچنے سے پہلے اس کے دُور رس نتائج پر غور کرنا ضروری ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیاسی ذہن کا آدمی جذباتی نہیں بلکہ اس کا دل اور دماغ یخ بستہ ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ فریقِ مخالف کو بھی اس کے فیصلے کا اندازہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

جواہر لعل نہرو پولیٹیشن نہیں بلکہ جذباتی آدمی تھے۔ یہی وجہ ہوئی کہ انھوں نے کانگریس کی جیتی ہوئی بازی ہرا دی۔ مسلم لیگ اپنے ۶ جون کے ریزولیشن میں دس سال کے لیے پاکستان کا مطالبہ ملتوی کر چکی تھی۔ لیکن جواہر لعل کے ۱۰ جولائی کے پریس بیان نے مسلم لیگ میں پھر سے جان ڈال دی۔ چنانچہ خود مولانا ابوالکلام آزاد اپنی کتاب "ہماری آزادی" کے صفحہ ۱۴۱ پر بہت حد تک اس موقف کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"میں یہاں صاف صاف لکھ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جواہر لعل کا بیان غلط تھا۔ یہ کہنا صحیح نہیں تھا کہ کانگریس اپنی مرضی کے مطابق پلان میں جو ترمیم چاہتی تھی کر سکتی تھی۔ دراصل ہم نے یہ تسلیم کر لیا تھا کہ مرکزی حکومت وفاقی ہو گی اور مرکز کے ماتحت تین محکمے لازمی طور پر ہوں گے۔ بقایا محکمے صوبوں کے حدود و اختیارات میں رہیں گے۔ ہم نے یہ بھی مان لیا تھا کہ صوبے تین گروپوں اے، بی، سی میں تقسیم کر دیے جائیں گے۔ ان شرائط میں کانگریس اپنی طرف سے معاہدہ میں شریک ہونے والی دوسری جماعتوں کی رضامندی کے بغیر کوئی تبدیلی کرنے کی مجاز نہیں تھی۔ مسلم لیگ نے کیبنٹ مشن پلان کو تسلیم کر لیا تھا۔ کیونکہ اس وقت یہ معلوم ہوتا تھا کہ برطانوی حکومت اس سے زیادہ رعایت نہیں کرے گی۔

مسٹر جناح نے لیگ کونسل میں تقریر کرتے ہوئے پوری وضاحت کے ساتھ کہا تھا کہ وہ پلان کو منظور کر لینے کی سفارش صرف اس لیے کر رہے ہیں کہ اس سے بہتر چیز حاصل نہیں کی جا سکتی۔

اس لیے مسٹر جناح مصالحت کی گفتگو کے نتائج سے کچھ بہت خوش نہیں

تھے۔ وہ صرف اسی لیے ناراض ہو گئے تھے کہ اس کے سوا چارہ نظر نہیں آرہا تھا۔ جواہر لعل کا بیان ان کے لیے ایک غیر متوقع حادثہ ثابت ہوا۔"

مولانا آزاد نے اپنے تجزیے میں گروپنگ اسکیم کی ناکامی کی ذمہ داری پنڈت جواہر لال نہرو اور ان کے جذباتی رویے پر ڈالی ہے اور ویسے عام طور پر ہمارے یہاں کے مورخ اور تجزیہ نگار برصغیر کی سیاسی تاریخ کے اس اہم موڑ اور اس کے نتائج کی تمام تر ذمہ داری اس وقت کے صدر کانگرس پنڈت جواہر لال نہرو پر ڈال دی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ گروپنگ اسکیم کو ناکام بنانے کی ذمہ داری فقط پنڈت جواہر لال پر ڈالنا صریحاً زیادتی ہے اور تاریخ کے واضح حقائق سے منہ موڑنا اور جھٹلانا ہے کیونکہ حقیقت یہ تھی کہ کیبنٹ مشن پلان کے مطابق وجود میں آنے والی دستور ساز اسمبلی صحیح معنوں میں خود مختار اور آزاد نہ تھی کیوں کہ یہ ایک واضح مقصد اور حدود کے تحت وجود میں آرہی تھی اور ان حدود کا تعین کر دیا گیا تھا اور کہہ دیا گیا کہ یہ یہ شعبے یونین کے پاس ہوں گے اور اس کے باہر تمام شعبے صوبوں کے پاس ہوں گے وغیرہ وغیرہ مگر کانگرس اور دستور ساز اسمبلی کو کلیتہً آزاد اور خود مختار ادارہ بنا کر دراصل دو مقاصد حاصل کرنا چاہتے تھے کہ ان کی اکثریت پر آنچ نہ آنے پائے اور دوئم وہ آزاد ہوں کہ اس دستور ساز اسمبلی کو جس رُخ چاہیں موڑ سکیں چنانچہ خود گاندھی جی نے پہلے دن ہی کیبنٹ مشن پلان پر جو بیان دیا جو میں پچھلے ابواب میں بیان کر آیا ہوں اپنے بیان میں واضح کر دیا تھا:

" دستور ساز اسمبلی ایک خود مختار ادارہ ہو گا مثلاً مشن نے مرکز کے لیے بعض محکمے تجویز کیے ہیں دستور ساز اسمبلی چاہے تو ان کی تعداد میں کمی بیشی کر دے اسی طرح دستور ساز اسمبلی اگر چاہے تو ہندو اور مسلم امتیاز جسے مشن نے بامر مجبوری تسلیم کیا ہے" بالکل اڑا دے

اب اس کا کیا مطلب ہے؟ کہ کیبنٹ مشن جو دے رہا ہے گاندھی جی اس سے بھی ہاتھ روک رہے ہیں۔

Scanned with OKEN Scanner

اس سے بھی زیادہ حیران کن بات تو خود مولانا ابوالکلام آزاد کی ہے انھوں نے اس دور کے دس گیارہ برس بعد جب اس دور کی نقشہ کشی کرتے ہیں تو گرد وپیش اسکیم یا برطانوی کابینہ کے منصوبہ کی ناکامی کی ذمہ داری کُلیتہً پنڈت جواہر لال نہرو پر ڈال دیتے ہیں اور اپنا دامن صاف بچا جاتے ہیں۔ چنانچہ میں نے اسی لیے مولانا ابوالکلام آزاد کا موقف بھی پہلے ابواب میں تفصیل سے دیا ہے جس کا اظہار انھوں نے اپنی سیاسی یادداشتوں "ہماری آزادی" میں کیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ کیبنٹ پلان ۔ کے اعلان کے بعد گاندھی جی کا ردِ عمل آیا جس کا اُوپر ذکر کر دیا ہے اس کے بعد فوری طور پر مولانا ابوالکلام آزاد جو اس وقت تک کانگرس کے صدر تھے، نے ایک خط برطانوی مشن کے سربراہ لارڈ پیتھک لارنس کو لکھا جس میں مولانا واشگاف الفاظ میں لکھتے ہیں :

" کانگرس کی رائے میں جس وقت دستور ساز اسمبلی بن جائے گی وہ ایک خود مختار اور با اختیار ادارہ ہوگا اور اس اعتبار سے اس کو حق حاصل ہوگا کہ وہ مشن کی سفارشات اور اس کے طریق کار جس طرح وہ ہے ترمیم کر سکے "۔

اب اس کا کیا مطلب ہے کہ دستور ساز اسمبلی کی حدود کا جو تعین کابینہ کے پلان میں کیا گیا ہے وہ کانگرس تسلیم نہیں کرتی، اب اکیلے پنڈت جواہر لال نہرو کو اکیلے اس پلان کی ناکامی کا ذمہ دار ٹھہرانا کہاں کی دیانت ہے اور مولانا خود اس سے دامن کیسے چھڑا سکتے ہیں۔ اس لیے انھوں نے یہ اقدام کسی جذباتی رویے کے تحت نہیں اٹھایا بلکہ وہ دل وجان سے اس موقف کے حامی تھے وہ آئین ساز اسمبلی کو کلیتہً آزاد دیکھنا چاہتے تھے اور ساتھ ہی وہ ایک مضبوط مرکز کے حامی بھی تھے اور اس موقف میں وہ سبھی ہم نوا اور متحد تھے بلکہ وہ سردار پٹیل کے ہم نوا تھے اور اس وقت کانگریس کا جو دایاں بازو کہلاتا تھا وہ سب اسی موقف کے حامی تھے، ان کی اغراض مختلف ہو سکتی ہوں لیکن موقف ایک ہی تھا کہ مضبوط مرکز اور ہندوستان کی ایکتا ان کے نزدیک لازم وملزوم تصور ہوتے تھے، سردار پٹیل اور ان کے ہم نوا تو شعوری طور پر ہندوستان کے بڑے بڑے صنعت کاروں اور

سرمایہ داروں کی خواہشات کی نمائندگی کر رہے تھے، ان کو ان صنعت کاروں کے لیے ایک وسیع منڈی کی ضرورت تھی اور یہ ضرورت ایک مضبوط مرکز ہی پوری کر سکتا تھا۔ اور جواہر لال نہرو بھی دراصل ہندوستان کی عظمت اور برتری کے لیے مضبوط مرکز کو ضروری سمجھتے تھے کیونکہ ان کے نزدیک ملکی وسعت کے ساتھ ساتھ مضبوط مرکز پورے ملک کی صنعتی ترقی کی رفتار کو تیز کرنے کے لیے ایک اہم ضرورت ہے ان کا یہی خواب تھا جس نے ان کو ہندوستانی پرچم میں اشوکا چکر کا نشان ظاہر کرنے پر مائل کیا۔ لیکن یہاں رُک کر ایک اور پہلو پر بھی غور کر لینا چاہیے جس کی طرف پنڈت جواہر لال نہرو نے واضح طور پر نشان دہی کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ ان کی ایک طرح کی اس پیشین گوئی پر غور کیجئے جو انھوں نے گروپنگ کے بارے میں کی تھی۔ انھوں نے کہا تھا یہاں میں ان کا یہ اقتباس دہرا رہا ہوں کیونکہ یہ بہت اہم ہے۔

" جہاں تک گروپ بنانے کا سوال ہے تو اغلب یہ ہے کہ کوئی گروپ نہیں بنے گا۔ سیکشن اے۔ گروپ کے خلاف طے کریگا اور چار ایک کی شرط لگاتا ہوں کہ صوبہ سرحد بھی گروپ کے خلاف جائے گا۔ اس طرح گروپ بھی ختم ہو جائے گا۔ آسام اس کے خلاف ہوگا کہ بنگال اس کے ساتھ ہو...... اس طرح دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ گروپوں کا معاملہ ختم ہو جائے گا اور قائم نہ رہے گا۔ سوائے مسلم لیگ کے کوئی دوسرا گروپ اس کے حق میں نہیں اور صوبائی رقابت کام کرے گی۔۔ سیکشن بی کے صوبہ جات میں گروپ کے حق میں اور مخالفت میں لوگ برابر ہیں۔ صوبہ سرحد و سندھ میں اقتصادی وجوہات کی بنا پر اس کی سخت مخالفت ہے کہ وہ پنجاب کے ساتھ شامل کیے جائیں حتیٰ کہ سندھ مسلم لیگ بھی اس کے مخالف ہے کہ سندھ کو پنجاب کے ساتھ نتھی کیا جائے، چونکہ پنجاب ترقی یافتہ ہونے کے باعث زبردستی کرنے والوں کا صوبہ ہے اور باوجود مسلم لیگ کے حکم کے دونوں صوبہ

والے ۔۔ سندھ اور سرحد پنجابیوں سے ڈرتے ہیں۔"

یہ باتیں پنڈت جواہر لال نہرو نے ۱۹۴۶ میں لکھی تھیں لیکن یہ ایسے سیاست دان کے الفاظ تھے جس کی معروضی حالات پر گہری نگاہ تھی اس کو قومیتوں اور صوبوں کی خواہشوں اور تمناؤں اور ان کے تضادات کا پورا پورا ادراک تھا، اس کو علم تھا کہ صرف سیاسی جماعت سے محبت اور اس کا احترام معروضی حالات کو بدلنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ بالآخر ہر خطے کے عوام کے اپنے مفادات ہر قسم کی وفاداریوں پر حاوی ہو جاتے ہیں۔ کیا تاریخ نے آج ہر بات کو صحیح ثابت کر نہیں دکھایا۔ کیا آج ہندوستان کی ایکتا کے ساتھ جذباتی وفاداریوں کے باوجود آسام نے بنگالیوں کی بالادستی قبول کی ہے، کیا آج سکھ اور ہندو دونوں پنجاب کے باشندے ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے متصادم نہیں، کیا ہمارے ہاں سندھ اور سرحد نے پنجاب کی بالادستی کے خلاف پچھلے چالیس برس سے احتجاج اور مزاحمت کی تحریک نہیں چلا رکھی، کیا بنگلہ دیش اسی وجہ سے الگ نہیں ہوا۔

یہ تمام باتیں جو پنڈت جواہر لال نہرو نے اس دور میں کہی تھیں۔ اس وقت ان کی پوری ماہیت نہ ابوالکلام سمجھ پائے اور نہ مسلم لیگ اور اس کی قیادت تو اس کی اہل ہی نہیں تھی۔ قائداعظم یہ نہیں سمجھ سکتے تھے کہ ہندوستان کے بسنے والے ایک قوم نہیں ہیں۔ ہر خطے اور ہر قومیت کے اپنے اپنے تقاضے ہیں اور اس کا برملا اظہار تو سر یامین نے اسی وقت کر دیا جب اس نے مسلم لیگ کونسل میں گروپنگ اسکیم کی منظوری کے خلاف تقریر کرتے ہوئے یوپی اور بہار کے مسلمانوں کے الگ تشخص کا اظہار کیا تھا اور اس خطے کے مسلمانوں کو ہندو اسلامی تہذیب کا محافظ اور پیغامبر قرار دیا تھا۔ اس بنیادی بالادستی اور برتری کا احساس سر یامین کو اس وقت بھی تھا اور ان کے بھائی بندوں کو آج بھی ہے۔ اسی وجہ سے وہ آج بھی سندھی نہیں بن پائے اور آج بھی امروہہ اور میرٹھ عزیز ہیں ان کو۔ میرے نزدیک یہ ایک مقدس جذبہ ہے جو کبھی مر نہیں سکتا۔

Scanned with OKEN Scanner

اس برِصغیر کی تحریکِ آزادی جس میں پاکستان کے حصول کی جدوجہد شامل ہے میں ایک المیہ ہو تو اس کا ذکر کیا جائے لیکن ان راہوں میں تو ہماری قیادت قدم قدم پر المیوں سے دوچار ہوئی ہے اور ہم ان المیوں سے دامن چھڑانے کے نااہل ثابت ہوتے رہے ہیں اور نہ ہی ہم یہ سمجھ پائے ہیں کہ برطانوی سامراج کس کس قسم کا دام ہم رنگ زمین پھیلائے ہوئے تھا اور وہ اپنے دام پر اتنا نازاں تھا کہ وہ اپنی ہر شہہ سے پہلے برصغیر کی قیادتوں کو متنبہ بھی کر دیتا تھا اور کہہ دیتا تھا کہ جو جی میں آئے کر دیکھو مات سے بچ نہیں سکتے۔ چنانچہ جب کابینہ کے پلان نے واضح کر دیا تھا:

> "اگر ہندوستان میں امن نہ رہا تو وہ انقلابوں کا گھر بن جائے گا اور اس کی آزادی کسی اہمیت کی مالک نہیں رہے گی، ملک میں سخت خونریزی ہوگی اور آئے دن فتنہ و فساد برپا ہوں گے۔ لیکن اس کی ذمہ داری ہم پر نہیں بلکہ خود ہندوستان پر عائد ہوگی"۔

اچھا اب ذرا دیکھیے کہ کس طرح برطانوی کیبنٹ مشن پلان نے قدم بقدم کانگرس اور مسلم لیگ کو دوبارہ ایک ایسی گلی میں لا کھڑا کیا جہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا سوائے قتل و غارت کے، فرقہ وارانہ فسادات کے، سوائے نفرت اور انتقام کے ایسی نفرت اور انتقام جس کے شعلوں کو وقت اور مہ و سال کی مدتیں بھی شاید نہ مٹا سکیں۔

قائداعظم کا اعلان

جواہر لال نہرو کے بیان کے فوراً بعد مسلم لیگ کے صدر مسٹر محمد علی جناح نے پریس بیان کے ذریعے اعلان کیا کہ:

> کانگریس کے صدر کے اس اعلان کے بعد صورت حال پر دوبارہ غور کرنے کی ضرورت پیدا ہو گئی ہے۔ چنانچہ لیاقت علی خان کو لیگ کونسل کا اجلاس طلب کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔
>
> مسلم لیگ کونسل نے دہلی میں کیبنٹ مشن پلان کو اس لیے تسلیم کیا تھا کہ اس کو یقین دلایا گیا تھا کہ کانگریس نے بھی اس کو منظور کر لیا ہے اور

ہندوستان کا جو دستور بنے گا، اس کے لیے یہ پلان بنیاد کا کام دے گا
اب چونکہ کانگریس کے صدر نے اعلان کر دیا ہے کہ کانگریس دستور ساز اسمبلی
میں اپنی اکثریت کے بل پر اسکیم میں تبدیلی کر سکے گی۔ اس لیے اقلیتیں اکثریت
کے رحم و کرم پر ہوں گی۔ جواہر لال نہرو کے اعلان کا مطلب یہ ہے کہ
کانگریس نے کیبنٹ مشن پلان کو مسترد کر دیا ہے۔ اس لیے وائسرائے کو
چاہیے کہ مسلم لیگ کو جس نے پلان قبول کر لیا ہے، وزارت بنانے
کی دعوت دیں۔"

کیبنٹ مشن کی رپورٹ

۱۸ جولائی ۱۹۴۶ء کو وزیر ہند پیتھک لارنس اور سر سٹیفورڈ کرپس نے برطانوی پارلیمنٹ کے سامنے اپنے مشن کی جو رپورٹ پیش کی اس کے چند اہم نکات درج ذیل ہیں۔

۱: کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی کی تشکیل کو دونوں پارٹیوں نے منظور کر لیا اور وہ جلد وجود میں آجائے گی۔

۲: اس اصول پر عارضی حکومت نہیں بن سکی۔ جو ۱۶ جون کو پیش کی گئی تھی۔ اب دفعہ ۸ کے مطابق دوسری صورت پیش کی جائے گی تاکہ دونوں بڑی پارٹیاں منظور کر لیں۔

۳: اس کا افسوس ہے کہ سکھوں کو کوئی خاص صوبہ نہیں دیا جا سکا اور ان کا مطالبہ کہ ان کو مسلمانوں کے برابر سمجھا جائے منظور نہیں کیا گیا۔ چونکہ وہ صرف پینتالیس لاکھ ہیں، جبکہ مسلمان ۹ کروڑ اور مسلمان تمام ہندوستان میں ہیں اور یہ ایک صوبہ میں۔ تاہم ان کو ایڈوائزری کمیٹی کے ذریعے مزید حقوق دیے جائیں گے اور ایسا علاقہ تجویز کیا جائے گا، جہاں ان کی اکثریت ہو۔

۴: ڈاکٹر امبیدکر، نے دباؤ میں آکر ان حقوق میں ترمیم کر دی تھی جو کیمیونل ایوارڈ کے ذریعے، انتخاب جداگانہ کے ذریعے ان کو دیا گیا تھا اور یہ منظور کر لیا تھا کہ اچھوت

Scanned with OKEN Scanner

قوم کے لوگ اپنے میں سے چار چار ہر حلقہ انتخاب میں منتخب کریں اور پھر ہندوؤں سے مشترک ہو کر مخلوط انتخاب ان چاروں میں سے ایک کا ہو۔ اسی طرح گزشتہ انتخاب ہوئے اور ڈاکٹر امبیدکر کی پارٹی کو شکست فاش ہوئی اور کانگریس نے سب سیٹیں جیت لیں۔ اب کانگرس کے ساتھ اچھوتوں کی بہت اکثریت ہے اور ڈاکٹر امبیدکر کے طرف دار صرف بمبی اور سی پی میں ہیں۔ لہٰذا کانگریس حق بجانب ہے کہ اچھوتوں کا نمائندہ ان کا نامزد کردہ ہو۔ اور جگ جیون رام جو اچھوت قوم کا ہے اس کا بڑا اثر ہے وہ کانگریسی ہے۔

۵ : ہم نے ہندوستان کو صرف تین گروہوں میں تقسیم کیا۔ مسلمان، سکھ، جنرل جس میں بقایا سب ہیں"۔

وائسرائے بنام قائداعظم

صدر کانگریس کی پریس کانفرنس کے جواب میں مسلم لیگ کے صدر نے جو بیان دیا، اس سے حالات میں نئی تبدیلی آئی۔ اس کے پیش نظر وائسرائے ہند لارڈ ویول نے ۲۲ جولائی کو مسلم لیگ کے صدر مسٹر جناح کو حسب ذیل خط لکھا:

"میں اپنے ارادے کو ظاہر کرتا ہوں کہ میں جلد از جلد کیئر ٹیکر گورنمنٹ کی بجائے مخلوط گورنمنٹ بناؤں گا۔ لہٰذا میں آپ کو بحیثیت آپ کے صدر مسلم لیگ ہونے کے اور کانگریس کے صدر کو اپنی تجاویز جو ذیل میں درج ہیں پیش کر رہا ہوں:

۲ : میں خیال کرتا ہوں کہ آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ ان گرمیوں میں اور گزشتہ سال شملہ پر ناکامی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ہمارے مذاکرات خفیہ نہ رہ سکے۔ اور اس کے مشتہر ہونے سے دقتیں پیدا ہوئیں۔ لہٰذا میں استدعا کرتا ہوں کہ ہمارے مذاکرات کے شروع میں بالکل رازداری سے کام لیا جائے۔ کم از کم ابتدا میں میری اور دونوں پریذیڈنٹوں کی جو گفتگو ہو اس کا اظہار کسی چوتھے شخص پر نہ ہو۔ میں جانتا ہوں کہ آئندہ آپ کو اپنی ورکنگ کمیٹی سے مشورہ لینا

ہوگا لیکن فی الحال ان پہ ظاہر نہ ہو۔ عارضی حکومت اس طرح بنے گی ۔

ا: حکومت میں چودہ ممبر ہوں گے ۔

ب: چھ ممبر جن میں سے ایک اچھوت ذات کا ہوگا، کانگریس نامزد کرے گی۔ پانچ ممبر مسلم لیگ نامزد کرے گی۔ بقایا تین ممبر اقلیتوں کے جن میں ایک مخصوص سکھوں میں سے ہوگا۔ وائسرائے اپنے اختیار سے نامزد کریں گے کانگریس، لیگ کو ایک دوسرے کے نامزد کردہ ارکان پہ کوئی اعتراض کا حق نہ ہوگا۔ صرف وائسرائے کو یہ دیکھنا ہوگا کہ نامزد کردہ اشخاص موزوں ہیں یا نہیں ۔

ج: محکمہ جات کی تقسیم اس کے بعد ہوگی، جب دونوں پارٹیاں اس کو منظور کر کے اپنے اپنے نام بھیج دیں گی۔ مسلم لیگ اور کانگریس کو منصفانہ طور پہ بڑے محکمے دیے جائیں گے ۔

د: عارضی حکومت کا اقتدار وہی رہے گا جس کا تذکرہ میں نے اپنے خط مورخہ ۳۰ مئی میں، جو مولانا آزاد کے نام لکھا تھا، کیا ہے ۔

۳: میں اس کو پسند کروں گا، اگر کانگریس خوشی سے منظور کر کے کہ یہ بات طے کر لی جائے کہ بڑے فرقہ وارانہ مسئلے پر اس وقت تک کوئی فیصلہ نہ ہوگا، جب تک دونوں بڑی پارٹیاں اس کو منظور نہ کر لیں اگرچہ میں اس کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ چونکہ مخلوط حکومت اسی اصول پر قائم کی جاتی ہے۔

۴: میں یقینی طور پہ امید کرتا ہوں کہ آپ کی پارٹی ان شرائط پر حکومت میں حصہ لے گی۔ جبکہ آئین سازی کا کام چلتا رہے گا۔ میرے خیال میں ہندوستان کو بہترین فائدہ رساں ثابت ہوگا۔ میں تجویز کرتا ہوں کہ اب مزید مذاکرات پہ وقت ضائع نہ کیا جائے اور کام فوراً شروع کر دیا جائے اگر آپ یہ دیکھیں کہ اگزیکٹو کونسل ان اصولوں پہ عمل نہیں کرتی یا ان شرائط پر کام کرنا نہیں چاہتی تو آپ اس وقت علیحدہ ہو سکتے ہیں لیکن مجھے امید ہے کہ آپ منظور

Scanned with OKEN Scanner

کر کے تعاون کریں گے۔

۵: برائے مہربانی مجھ کو جلد جواب دیجیے کہ آیا مسلم لیگ ان شرائط پر حکومت میں شریک ہوتی ہے یا نہیں۔ میں نے ایسا ہی خط پنڈت نہرو کو لکھا ہے، جس کی نقل ملفوف ہے۔"

مسلم لیگ کا اجلاس

پنڈت نہرو کے بیان، پارلیمنٹ میں وزیر ہند کی رپورٹ اور وائسرائے کے خط پر غور کرنے کے لیے ۲۷ جولائی کو بمبئی میں آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس قائداعظم کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں دو دن کی بحث کے بعد ۲۹ جولائی کو مندرجہ ذیل قرار دادیں منظور ہوئیں۔

ریزولیوشن ۱

۶ جون کو کونسل آف آل انڈیا مسلم لیگ نے اس اسکیم کو جو کیبنٹ مشن اور وائسرائے نے ۱۶ مئی کو جاری کی تھی اور جس کی وضاحت ۲۵ مئی کے بیان میں کر دی تھی۔ اگرچہ کیبنٹ ڈیلی گیشن کی اسکیم مسلم لیگ کے اس مطالبہ سے کہ چھ صوبوں کا خود مختار پاکستان بنا دیا جائے کم تھی تاہم لیگ نے یونین مرکزی حکومت کو دس سال کے واسطے اس لیے منظور کر لیا تھا چونکہ مرکز میں صرف تین امور رکھے گئے تھے یعنی امور خارجہ، دفاع اور کمیونیکیشن۔ اسکیم میں بنیادی تحفظ تھا کہ چھ مسلم صوبے سیکشن "بی" اور "سی" میں شامل کر دیے جائیں جہاں وہ صوبائی اور گروپ کا آئین اپنی مرضی سے بلا مداخلت یونین کے بنائیں گے اس میں یہ بھی مدنظر تھا کہ ہندو مسلم تعلقات میں جمود ہو گیا ہے وہ رفع ہو اور ملک کو آزادی ملے۔ اس ریزولیوشن کو پاس کرنے میں کونسل پر بڑا اثر پریذیڈنٹ مسلم لیگ کی اس یقین دہانی کا تھا کہ وائسرائے نے یقین دلایا ہے کہ ایگزیکٹو کونسل میں ۵ مسلم لیگ، ۵ کانگریس، ایک سکھ، ایک یا تو ہندوستانی عیسائی یا اینگلو انڈین لیا جائے گا اور بڑے محکمہ جات لیگ و کانگریس میں برابر برابر تقسیم ہوں گے۔ کونسل نے صدر مسلم لیگ

کو اختیار دے دیا تھا کہ وہ اگزیکیٹو کونسل بنائی جانے میں مناسب کارروائی کرے۔ اسی ریزولیوشن میں کونسل نے یہ اختیار اپنے ہاتھ میں رکھا تھا کہ اگر واقعات میں تبدیلی ہوئی تو کونسل بھی اپنے رویہ پر نظر ثانی کرکے اس میں تبدیلی کرے گی۔

برٹش گورنمنٹ نے مسلم لیگ کے ساتھ غیر وفاداری اور ۵ : ۵ : ۲ کے تناسب کو کانگریس کے دباؤ میں آکر بدل دیا اور اس فارمولے کو جس کی بنا پر کونسل نے منظوری دی تھی بدل کر ۵ : ۵ : ۳ کا فارمولا بنایا۔ چونکہ اس پر بھی وہ کانگریس کو رضامند نہ کر سکے لہذا کیبنٹ مشن اور وائسرائے نے ۱۵ جون کو اعلان کیا کہ وہ ۱۶ جون کو اپنے آخری فیصلے کا اعلان کردیں گے چنانچہ ۱۶ جون کو صدر مسلم لیگ کے پاس اس دن کی اسکیم کی یہ نقل وائسرائے نے بھیجی جو پارٹی اس کو منظور کرے گی اور دیگران کی جو منظور کریں مخلوط گورنمنٹ بنائی جائے گی۔ یہ شرط وضاحت کے ساتھ دفعہ ۸ میں ۱۶ جون کی اسکیم میں درج ہے۔

باوجود اس کے کہ ۱۶ جون کو عارضی حکومت کا جو فارمولا تھا وہ ۵ : ۵ : ۲ فارمولا کے خلاف تھا لیکن پھر بھی ان تحفظات کی بنا پر جن کا یقین وائسرائے نے اپنے خط مورخہ ۲۰ جون میں پریذیڈنٹ مسلم لیگ کو دلایا تھا، لیگ نے منظور کر لیا۔

لیکن وائسرائے نے ۱۶ جون کے بیان کو کیبنٹ مشن کے قانونی دفاع کے غیر ایماندارانہ معنی دفعہ ۸ کے پہنانے کی وجہ سے بالائے طاق رکھ دیا اور یہ معنی پہنائے کہ چونکہ دونوں بڑی پارٹیوں نے اسکیم مورخہ ۱۶ مئی منظور کر لی ہے۔ اس لیے عارضی حکومت کا فارمولا از سر نو بنایا جائے گا۔

اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ دفعہ ۸ کے یہ معنی نکل سکتے ہیں تاہم کانگریس نے ۱۶ مئی کی اسکیم کو مشروط طریقہ پر مانا تھا اور جو غلط معنی کانگریس نے اس کو پہنائے تھے ان کے تحت میں منظور کیا تھا جیسا کہ کانگریس کے پریذیڈنٹ کے خط مورخہ ۲۵ جون اور کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ریزولیوشن مورخہ ۲۶ جون سے صاف عیاں ہے اور یہ منظوری درحقیقت نامنظوری کے برابر ہے لہذا ۱۶ جون کی اسکیم کو جو قطعی فیصلہ تھا، چھوڑنا سخت ناانصافی ہے۔ یہاں تک اسکیم ۱۶ مئی اور بیان ۲۵ مئی کا تعلق ہے اس کو صرف مسلم لیگ نے منظور کیا ہے۔

کانگریس نے اس کو منظور نہیں کیا چونکہ باوجود وضاحتی بیان کے جو ۲۵ مئی کو وائسرائے اور کیبنٹ مشن نے جاری کیا کانگریس اس پر اڑی رہی کہ جو معنی وہ سمجھتی ہے وہ درست ہیں۔ کانگریس نے یہ صاف ظاہر کر دیا ہے کہ وہ محض اس بات پر تیار ہوئی ہے کہ کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی میں جائے مگر بنیادی اصولوں کو اور شرائط مندرجہ کو ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ یہ بھی کانگریس نے اعلان کیا ہے کہ کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی کو خود مختارانہ شاہی اختیارات ہیں وہ کسی پابندی کی یا شرائط کی یا بنیادی اصولوں کی جن پر وہ وجود میں آئے گی پابند نہ ہوگی اور جو چاہے گی وہ فیصلہ کرے گی ان باتوں کی وضاحت کے ساتھ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جلسہ سے جو ۶ جولائی کو بمبئی میں ہوا کانگریس کے لیڈروں نے خطاب کیا۔ پھر پنڈت جواہر لال نہرو نے پریس کانفرنس میں ۱۰ جولائی کو یہی کہا پھر پارلیمنٹ میں بیان کے بعد ۲۳ جولائی کو دہلی کی پبلک میٹنگ میں کہا۔

لہذا دونوں بڑی پارٹیوں میں سے صرف مسلم لیگ نے ۱۶ مئی کی اسکیم کو منظور کیا ہے اور اسی معنوں میں سمجھا ہے جو ۲۵ مئی کو وضاحت کے ساتھ بیان کیے گئے تھے لیکن باوجود اس کے کہ صدر لیگ نے اپنے بیان مورخہ

Scanned with OKEN Scanner

۱۳ جولائی میں جو حیدر آباد دکن سے شائع ہوا اس طرف توجہ دلائی مگر نہ تو سیکریٹری آف اسٹیٹ لارڈ پیتھک لارنس نے ہاؤس آف لارڈس میں نہ سر اسٹیفورڈ کرپس نے پارلیمنٹ میں کوئی ایسی تجویز پیش کی جس کے ذریعہ کانگریس کو ان اختیارات سے باہر کام کرنے سے روکا جاسکے جن کی بنیاد پر کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی بنے گی۔ لارڈ پیتھک لارنس نے صرف یہ خوش خیالی ظاہر کردی کہ جب کام شروع ہوگا تو وہ دوسری پارٹیوں کے ساتھ انصاف سے تعاون کریں گے۔

جس وقت کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی بنے گی اور اس نے کارروائی شروع کردی۔ اس وقت کوئی قوت ایسی نہ ہوگی جو کانگریس کے بنیادی اور روحانی اصولوں کے خلاف کرنے سے روکے جن کو وہ اپنے دوٹوں کی اکثریت کے زعم پر کرنا چاہے گی خواہ وہ اسکیم کے کتنے ہی خلاف ہوں۔

چونکہ کانگریس نے الیکشن میں کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی میں ذات والوں کی بڑی اکثریت حاصل کرلی ہے لہذا وہ اپنی اس پالیسی پر عمل کریں گے جس کا اعلان کرچکے ہیں کہ وہ صوبوں کو گروپ میں بنانے کی بنیادی شرط ختم کردیں گے اور یونین کے اختیارات کو وسیع کردیں گے جو محض تین امور پر محدود تھے۔!

کیبنٹ مشن اور وائسرائے یہ متواتر کہتے رہے ہیں کہ بنیادی شرائط اس وجہ سے رکھی گئی ہیں تاکہ دونوں بڑی پارٹیاں کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی میں شریک ہوکر آئین سازی کرسکیں اور اسکیم کے نظریہ کو قائم رکھ کر اس پر عمل کریں کانگریس کے رویہ نے ثابت کردیا کہ وہ اتحاد کے ساتھ اس نظریہ کے تحت کام کرنے کو تیار نہیں ہے اور اب وہ حالات ختم ہوگئے۔ یہ واقعات اور برٹش گورنمنٹ کی پالیسی جس میں مسلم قوم کے حقوق کی قربانی کی گئی اور دوسری کمزور قوتوں کی خاص کر اچھوت کی قربانی کی گئی، ملا کر

دیکھا جائے تو صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ آئین ساز اسمبلی میں مسلم لیگ کی شرکت خالی از خطرہ نہیں لہذا مسلم لیگ اپنے اس فیصلہ کو واپس لیتی ہے جو اس نے کیبنٹ مشن کی اسکیم مورخہ ۱۶ مئی کی بابت دیا تھا اور جس کی منظوری کی اطلاع صدر لیگ نے سیکرٹری آف اسٹیٹ کو ۶ جون کو دے دی تھی۔

ریزولیوشن ۲

"چونکہ کونسل آف انڈیا مسلم لیگ نے کیبنٹ مشن اسکیم مورخہ ۱۶ مئی کو کانگریس کی غیر صلح کن حرکات کی وجہ سے اور برٹش گورنمنٹ کی مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ شکنی کی وجہ سے نامنظور کر دیا ہے اور

چونکہ مسلم لیگ نے تمام کوششیں اس پر ختم کر دیں کہ صلح کے ساتھ آئین بن جائے اور چونکہ کانگریس اسی پر تلی ہوئی ہے کہ ہندوستان میں ذات والے ہندوؤں کا راج انگریز کی مدد سے قائم ہو جائے اور چونکہ واقعات نے ثابت کر دیا کہ ہندوستان میں پاور پالٹیکس کا زور ہے اور انصاف پر مبنی کام کرنے کا ہندوستان کے معاملات میں وجود باقی نہیں اور

چونکہ اب یہ پوری طرح ظاہر ہو گیا کہ مسلمان اس کے بغیر ہرگز نہ مانیں گے کہ فوراً آزاد اور خود مختار پاکستان قائم ہو اور وہ ہر ممکن طریقے سے اس کو روکیں گے کہ زبردستی کوئی آئین ساز اسمبلی بنائی جائے یا آئین لمبی مدت کا یا قلیل مدت کا بنایا جائے۔ یا کوئی عارضی حکومت بغیر ان کی رضامندی کے مرکز میں بنائی جائے۔

کونسل آف انڈیا مسلم لیگ کو یہ یقین ہو گیا ہے کہ اب وقت آگیا ہے کہ مسلمان قوم ڈائرکیٹ ایکشن اختیار کرے تاکہ اپنے جائز حقوق حاصل کر سکے اور اپنی عزت و وقار کو محفوظ کرے اور انگریزوں سے نجات پائے اور آئندہ ذات والے ہندوؤں کے غلبہ سے محفوظ رہے۔

لہذا مسلمانوں سے اپیل کی جاتی ہے کہ ہر فرد اپنی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ کے پیچھے کھڑا ہو جائے اور ہر قربانی دینے کو تیار ہو جائے۔

یہ کونسل لیگ کی ورکنگ کمیٹی کو ہدایت کرتی ہے کہ وہ ڈائریکٹ ایکشن کا پروگرام تیار کرے تاکہ اس میں پالیسی پر جو اوپر بیان کی گئی ہے عمل کیا جا سکے اور مسلمانوں کو اس لڑائی کے واسطے تیار کیا جائے جو اس کے واسطے جب ضرورت ہو گی لڑنی پڑے گی۔

بطور احتجاج کے اور اپنے غصہ کے اظہار کے واسطے جو برٹش کے رویہ سے ہوا ہے۔ کونسل مسلمانوں کو ہدایت کرتی ہے کہ وہ اپنے خطابات جو غیر ملکی گورنمنٹ نے عطا کیے ہیں، واپس کر دیں۔"

اب اس پورے ڈرامے کے متعلق خود اس وقت کے وائسرائے ہند لارڈ ویول کے تاثرات ملاحظہ ہوں جو انھوں نے اپنی ڈائری میں رقم کیے وہ لکھتے ہیں :۔

"۲۹ جولائی ۱۹۴۶ء آج صبح وزیر اعظم کا تار ملا جس میں ایک بار مجھ سے کہا گیا تھا کہ میں مارس گاڑ کو سیاسی مشیر رکھ لوں۔ وزیر اعظم کو غالباً یہ بتایا گیا ہے کہ میں آئی۔سی۔ایس افسروں کے مشوروں کے قبول کرنے کے سوا اور کچھ نہیں کرتا۔ اور اسی لیے میرے سیاسی فیصلے درست نہیں ہوتے یعنی واضح طور پر کانگرس کے حق میں نہیں ہوتے۔ میرا خیال ہے کہ میری JUDGEMENT ہز میجسٹی کی حکومت سے اچھی ہے اور میں یہی کہوں گا کہ اگر ہز میجسٹی کی حکومت کو یہ بات پسند نہیں تو وہ کوئی اور وائسرائے تلاش کرے کیوں کہ میں بُت بن کر نہیں رہنا چاہتا۔

مسلم لیگ اب بھر گئی ہے یہ سب کچھ مشن کا کیا دھرا ہے اور کرپس جو کانگریس کی جیب میں تھا کی بد دیانتی کا نتیجہ ہے اس میں میری حماقت اور کمزوری بھی شامل ہے کہ میں کرپس کی بد دیانتی کو پہلے نہ بھانپ سکا اور نہ ہی اس بد دیانتی کا مقابلہ ہی کر سکا۔ مشن کے روانہ ہونے کے

بعد نہرو کا غیر ذمہ دارانہ بیان ہے' میں پیراگراف ۸ کے بارے میں اپنے کو مجرم محسوس نہیں کرتا۔ میرا ہمیشہ یہ خیال تھا کہ ہماری تشریح درست ہے لیکن میں اس بات کا مجرم ضرور ہوں کہ میں کرپس کی چالیں نہ دیکھ سکا۔ اور کانگریس کے ۱۶ مئی کے اعلان کی غیر مخلصانہ منظوری میں فریق بننے سے انکار نہ کر سکا اور نہ دیکھ سکا کہ کرپس اور پیتھک لارنس کانگریس کو یہ اعلان قبول کرنے پر آمادہ کرنے میں کتنی بددیانتی کا مظاہرہ کر رہے ہیں سارے مذاکرات میں یہ واحد اہم نکتہ تھا جس پر لیگ نے لیڈر نے میری "تائید کرنے سے انکار کر دیا۔ اور مجھے بھی مجبوراً ہار ماننا پڑی۔"

مسلم لیگ کونسل نے ۲۹ جولائی کو بمبئی میں منعقدہ اپنے اجلاس میں یہ قرارداد کہ وہ کیبنٹ مشن تجاویز کی منظوری واپس لیتی ہے اور اب پاکستان کے حصول کے لیے ڈائریکٹ ایکشن کرے گی۔ لیگ نہرو کے متعدد غیر ذمہ دارانہ بیانات کی وجہ سے ایسا کرنے پر مجبور ہوئی۔ نہرو نے برملا یہ اعلان کیا تھا کہ کانگرس سوائے آئین ساز اسمبلی میں جانے کے اور کسی بات پر رضامند نہیں ہوئی اور یہ کہ اس کے خیال میں کوئی گروپنگ نہیں ہوگی جسے مسلم لیگ سب سے زیادہ اہمیت دے رہی تھی اور یہ کہ کیبنٹ مشن کا جو ارادہ یا خیال تھا اس کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

جناح ہمیشہ یہ کہتے رہے تھے کہ کانگریس کی طرف سے کیبنٹ مشن کی تجاویز کی منظوری خلوص پر مبنی نہیں ہے۔ نہرو کے ان بیانات نے اس ضمن میں ان کے اور مسلم لیگ کے موقف کی تائید کر دی۔ انھوں نے اعلان کیا کہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ کانگریس نے ان تجاویز کو ہرگز قبول نہیں کیا۔ مسلم لیگ کونسل نے ۶ جون کے پیراگراف ۸ کی عجیب و غریب اور غیر ذمہ دارانہ تشریح کی بھی شکایت کی جو کیبنٹ مشن اور وائسرائے کر رہے ہیں۔"

اب ایک طرف وائسرائے ہند لارڈ ویول کا اس ڈرامے کے بارے میں اپنا شدید ردِ عمل تھا اور وہ اس پورے المیہ کی ذمہ داری لارڈ سٹیفورڈ کرپس اور ان کے رفقا پر ڈال رہے تھے اب ظاہر ہے کہ یہ تمام ڈرامہ انھوں نے اپنے آپ تو نہیں کھیلا ہوگا اس کی پوری ڈائریکشن برطانوی حکومت نے سوچ سمجھ کر دی ہوگی۔

اب اس پورے دور کا تذکرہ مولانا ابوالکلام آزاد اپنی کتاب "ہماری آزادی" میں ۱۰؍جولائی ۱۹۴۶ء کو جواہر لعل کے بیان اور ۲۹ جولائی کے لیگ ریزولیشن نے حالات کو جس موڑ پر لا کھڑا کیا تھا۔ اس کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"میں اس نئی صورت حال سے سخت پریشان ہُوا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ جس اسکیم کے لیے میں نے اتنی جدّوجہد کی تھی وہ خود ہمارے ہاتھوں برباد ہو رہی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ معاملہ کی موجودہ صورت حال پر غور کرنے کے لیے ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ فوراً طلب کرنی چاہیے" چنانچہ ۸؍اگست ۱۹۴۶ کو وار دھا میں ورکنگ کمیٹی کا جلسہ طلب کر لیا گیا جس میں تقریر کرتے ہوئے میں نے کہا کہ :

اگر ہم صورت حال کو بگاڑنے سے بچانا چاہتے ہیں تو ہمیں یہ بات صاف کر دینا چاہیے کہ کانگریس کی رائے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ریزولیوشن میں ظاہر کر دی گئی ہے اور کوئی شخص چاہے کانگریس کا صدر ہی کیوں نہ ہو اس کو بدلنے کا مجاز نہیں ہے۔

ورکنگ کمیٹی بڑی مشکل میں پڑ گئی۔ ایک طرف کانگریس کے صدر کی عزّت پر حرف آتا تھا، دوسری طرف جو سمجھوتہ اتنی مشکل سے حاصل کیا گیا، خطرے میں تھا۔

صدر کے بیان کی تردید کرنے سے کانگریس کمزور ہوتی لیکن کیبنٹ مشن پلان کو چھوڑنا ملک کو تباہی کی نذر کرنا تھا۔

Scanned with OKEN Scanner

بالآخر ہم نے ایک ایسے ریزولیوشن کا مسودہ تیار کیا جس میں پریس کانفرنس کا کوئی ذکر نہیں تھا مگر آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے فیصلے کی حسب ذیل الفاظ میں دوبارہ توثیق کی گئی تھی۔

ورکنگ کمیٹی کو یہ دیکھ کر افسوس ہوا ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل نے پچھلے فیصلے کو منسوخ کرتے ہوئے یہ طے کیا ہے کہ وہ دستور ساز اسمبلی میں شریک نہیں ہو گی۔

ایسے دور میں جبکہ ہم بیرونی حکومت کی ماتحتی سے مکمل آزادی کی طرف تیزی سے جا رہے ہیں اور جب وسیع اور پیچیدہ سیاسی اور معاشی مسائل کا سامنا کرنا اور ان کو حل کرنا ہے۔ ہندوستان کے عوام اور ان کے نمائندوں کے درمیان زیادہ سے زیادہ اشتراک عمل درکار ہے تاکہ یہ تبدیلی خوشگوار طریقے پر عمل میں آئے اور تمام متعلقہ لوگوں کے لیے مفید ثابت ہو۔

کمیٹی اس بات سے واقف ہے کہ کانگریس اور مسلم لیگ کے مقاصد اور نقطہ نظر میں فرق ہے۔ پھر بھی ملک کے اجتماعی مفاد اور ہندوستانی قوم کی آزادی کی خاطر کمیٹی ان تمام لوگوں سے اشتراک عمل کی اپیل کرتی ہے جو ملک کی آزادی اور بہبودی چاہتے ہیں اس امید میں کہ قومی فرائض کی ادائیگی میں اتحاد عمل کرنے سے ہندوستان کے بہت سے مسائل حل کرنے کی صورت نکل آئے گی۔

کمیٹی کے علم میں مسلم لیگ کے اعتراضات آئے ہیں، جن میں منشا یہ دکھانا ہے کہ کانگریس نے ان تجویزوں کو جو ۱۶ مئی کے بیان میں درج تھیں، مشروط طریقے پر تسلیم کر لیا ہے۔ کمیٹی اس بات کو واضح کر دینا چاہتی ہے کہ اس نے اسکیم کو پورا پورا تسلیم کر لیا ہے۔ اگرچہ وہ ان تمام تجاویز کو جو ۱۶ مئی کے بیان میں درج ہیں پسند نہیں کرتی۔ اس نے اس کی تشریح اس

مقصد سے کی ہے کہ اسکیم میں جو تضاد نظر آتے ہیں ان کو دور کر دیا جائے اور ان اصولوں کی روشنی میں جو حکومت کے "بیان" میں درج ہیں، ان باتوں کا ذکر کر دیا جائے جو غلطی سے نظر انداز کر دی گئی ہیں۔ کمیٹی یہ سمجھتی ہے کہ صوبجاتی خود مختاری کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور ہر صوبے کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی گروپ میں شامل ہو یا نہ ہو، تشریح کے سلسلے میں جو سوالات پیدا ہوں گے ان کا فیصلہ اس طریق کار کے مطابق طے کیا جائے گا جو بیان میں مقرر کیا گیا ہے اور کانگرس دستور ساز اسمبلی میں اپنے نمائندوں کو ہدایت دے گی کہ وہ اس کے مطابق عمل کریں۔

ورکنگ کمیٹی نے اس بات پہ زور دیا ہے کہ دستور ساز اسمبلی کو فرمانروا کی حیثیت سے آخری فیصلہ کرنے کا اختیار ہوگا۔ یعنی اسے حق ہوگا کہ کسی بیرونی طاقت یا اقتدار کی مداخلت کیے بغیر ہندوستان کے لیے ایک دستور وضع کرے۔ لیکن یہ قدرتی بات ہے کہ وہ اپنے منصب کو ادا کرتے وقت ان حدود کا لحاظ رکھے گی جو اس کے عمل کے ساتھ وابستہ ہیں اس لیے وہ آزاد ہندوستان کا دستور مرتب کرنے میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کرے گی اور اس کی گنجائش رکھے گی کہ ان تمام لوگوں کو، جن کے مطالبے یا اعتراض حق بجانب معلوم ہوتے ہوں، زیادہ سے زیادہ آزادی اور اطمینان حاصل ہو۔ اس مقصد کی خاطر اور اسی خواہش کے تحت کہ وہ دستور ساز اسمبلی میں باعمل شرکت کرے اور اس کو کامیاب بنائے۔

ورکنگ کمیٹی نے اپنا ریزولیوشن ۲۶ جنوری ۱۹۴۷ کو منظور کیا تھا، جس کے بعد ۷ جولائی ۱۹۴۶ء کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے تصدیق کر دی کہ کانگریس، آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اس فیصلے پہ قائم ہے اور اس کے مطابق وہ دستور ساز اسمبلی میں کام کرے گی۔

Scanned with OKEN Scanner

ورکنگ کمیٹی کو توقع ہے کہ مسلم لیگ اور دُوسری پارٹیاں قوم کے اور خود اپنے مفاد کی خاطر اس عظیم کام میں شریک ہوں گی۔

مولانا ابوالکلام آزاد اپنی یادداشتوں میں آگے چل کر لکھتے ہیں :-

" جواہر لعل میرے عزیز ترین دوست ہیں انھوں نے ہندوستان کی قومی زندگی کو ترقی دینے میں کسی سے کم حصہ نہیں لیا ہے ۔ انھوں نے ہندوستان کی آزادی کے لیے محنت کی ہے اور تکلیفیں اٹھائی ہیں اور آزادی کے بعد وہ ہمارے قومی اتحاد اور ترقی کی علامت بن گئے ہیں پھر بھی مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ وہ کبھی کبھی اپنے جذبات کی رو میں بہہ جاتے ہیں ۔ یہی نہیں بسا اوقات وہ معاملوں کے خالص نظری پہلو سے اس درجہ متاثر ہوتے ہیں کہ واقعی صورت حال کا صحیح اندازہ نہیں کر پاتے ۔

دستور ساز اسمبلی کے بارے میں انھوں نے جو بیان دیا اس کا ذمہ دار بھی یہی مجرد علمی بحث کا شوق ہے ۔ اسی نظری رجحان کی وجہ سے انھوں نے اس قسم کی غلطی ۱۹۳۷ء میں کی تھی ۔ ان انتخابات میں بمبئی اور یوپی کے علاوہ پورے ملک میں مسلم لیگ بُری طرح ناکام رہی تھی ۔ بنگال میں گورنر نے لیگ کی حکومت بنانے کا تقریباً فیصلہ کر لیا تھا ۔ مگر کرشک پرجا پارٹی کی کامیابی نے بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا ۔ لیگ نے اس طرح دوسرے مسلم اکثریت کے صوبوں میں جیسے کہ پنجاب ، سندھ اور صوبہ سرحد نے بڑا نقصان اٹھایا تھا ۔ بمبئی میں اس نے کئی نشستیں حاصل کیں ، مگر سب سے بڑی کامیابی یوپی میں ہوئی تھی ، جس کی خاص وجہ یہ تھی کہ یہاں لیگ کو جمعیتہ علمائے ہند کی حمایت حاصل ہو گئی ۔ جمعیتہ نے اس خیال کے ماتحت لیگ کی حمایت کی تھی ، کہ انتخاب کے بعد مسلم لیگ کانگریس کے ساتھ اشتراک عمل کرے گی ۔

چودھری خلیق الزمان اور نواب اسماعیل خاں اس وقت یوپی مسلم لیگ کے

Scanned with OKEN Scanner

لیڈر تھے۔ جب میں وزارت بنانے کے سلسلے میں لکھنؤ آیا تو ان دونوں سے بات کی۔ ان دونوں نے مجھے یقین دلایا کہ وہ نہ صرف کانگریس سے تعاون کریں گے بلکہ کانگریس کے پروگرام کی پوری پوری حمایت کریں گے۔ قدرتی طور پر ان کو امید تھی کہ نئی حکومت میں مسلم لیگ بھی شریک کی جائے گی۔ مقامی حالات کچھ ایسے تھے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی دوسرے کو چھوڑ کر وزارت میں شامل نہیں کیا جا سکتا تھا، یا دونوں لیے جاتے یا دونوں چھوڑ دیے جاتے۔ اس لیے میں نے امید دلائی تھی کہ دونوں لے لیے جائیں گے۔ اگر وزارت صرف سات ارکان پر مشتمل ہوتی، تو ان میں دو مسلم لیگی ہوتے اور باقی سب کانگریسی۔ اگر کابینہ نو ممبروں کی ہوتی تو کانگریس کی اکثریت میں اور اضافہ ہو جاتا۔ مجھ سے گفتگو کے بعد ایک نوٹ تیار کیا تھا کہ مسلم لیگ پارٹی کانگریس سے اشتراک عمل کرے گی اور کانگریس کا پروگرام قبول کرے گی۔ نواب اسماعیل خاں اور خلیق احمد خاں دونوں نے اس پر دستخط کر دیے۔ اس کے بعد بہار کی وزارت کے قیام کے لیے میں لکھنؤ سے پٹنہ کے لیے روانہ ہو گیا۔

کچھ دنوں کے بعد میں الہ آباد واپس آیا اور یہ معلوم کر کے سخت افسوس ہوا کہ جواہر لعل نے چودھری خلیق الزمان اور نواب اسماعیل کو لکھ دیا ہے کہ ان میں سے صرف ایک ہی کو وزارت میں لیا جا سکے گا۔ انھوں نے لکھا تھا کہ مسلم لیگ پارٹی طے کر سکتی ہے کہ ان میں سے کون لیا جائے لیکن جیسے کہ میں کہہ چکا ہوں کہ صورت حال کچھ ایسی تھی کہ ان میں سے صرف ایک شامل نہیں ہو سکتا تھا، اس لیے ان دونوں نے معذرت کر دی اور لکھا کہ وہ جواہر لعل نہرو کی پیش کش قبول نہیں کر سکتے۔

یہ واقعہ بہت ہی افسوسناک تھا۔ اگر یوپی مسلم لیگ کی طرف سے تعاون کی جو پیش کش کی گئی تھی وہ منظور کر لی جاتی تو عملی طور پر مسلم لیگ کانگریس میں مدغم ہو گئی ہوتی۔ جواہر لعل نہرو نے اپنے عمل سے یوپی میں لیگ کو

نئی زندگی بخش دی۔ ہندوستانی سیاست کا جس نے بھی مطالعہ کیا ہے، وہ جانتا ہے کہ مسلم لیگ کی دوبارہ تنظیم یو پی میں کی گئی۔ مسٹر جناح نے صورت حال سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور جارحانہ اقدامات کا ایک سلسلہ شروع کر دیا، جس کا آخری نتیجہ پاکستان کا قیام تھا۔

مجھے معلوم ہے کہ پرشوتم داس ٹنڈن نے ان تمام معاملات میں نمایاں حصہ لیا تھا اور جواہر لعل کی رائے اور فیصلہ پر اثر ڈالا تھا۔ مجھے ٹنڈن کے خیالات کبھی قابلِ لحاظ نہیں معلوم ہوئے اور میں نے جواہر لعل کو اس پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ وہ اپنی رائے پر سختی سے عمل نہ کریں۔ میں نے ان سے کہا کہ مسلم لیگ کو وزارت میں شامل نہ کرنا، ان کی بہت بڑی غلطی ہے۔ میں نے ان کو اس سے بھی آگاہ کیا کہ ان کے اس طرزِ عمل کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ مسلم لیگ میں نئی جان پیدا ہو جائے گی اور اس طرح ہندوستان کی آزادی میں نئی مشکل کھڑی ہو جائے گی۔ جواہر لعل نے مجھ سے اتفاق نہیں کیا اور اپنے نقطۂ نظر کو صحیح قرار دیا۔ انھوں نے یہ دلیل دی کہ جب مسلم لیگ کے کل چھبیس ممبر ہیں تو کیبنٹ میں ایک سیٹ سے زیادہ مطالبہ نہیں کر سکتی۔ جب میں نے دیکھا کہ جواہر لعل نہرو اپنی جگہ سے جنبش کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، تو میں واردھا گیا اور گاندھی جی سے ہدایات حاصل کرنی چاہیں۔ جب میں نے پوری صورت حال وضاحت کے ساتھ بیان کی تو انھوں نے مجھ سے اتفاق کیا اور کہا کہ وہ جواہر لعل کو مشورہ دیں گے کہ اپنے فیصلہ میں مناسب ترمیم کریں۔ جب جواہر لعل نے معاملہ کو دوسرے رنگ میں پیش کیا تو گاندھی جی ان کی بات مان گئے اور جتنا اصرار ان کو کرنا چاہیے تھا، نہیں کیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یو پی میں مسلم لیگ سے سمجھوتہ نہیں ہو سکا۔ مسٹر جناح نے اس صورت حال سے پورا فائدہ اٹھایا اور پوری لیگ کو کانگریس کا مخالف بنا دیا۔ انتخابات کے بعد

Scanned with OKEN Scanner

مسٹر جناح کے بہت سے حامی ان کو چھوڑنے کے لیے تیار ہو گئے تھے مگر اب وہ دوبارہ ان کو اپنے حلقہ میں شامل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

جواہر لعل کی ۱۹۳۷ء کی غلطی کافی اہم تھی مگر ۱۹۴۶ کی غلطی اس سے بھی زیادہ نقصان دہ ثابت ہوئی۔

کانگریس کا مذکورہ ریزولیوشن اس کا خوبصورت اقرار تھا مسلم لیگ کے رہنما اگر اس اعتراف گناہ کو قبول کر لیتے تو بگڑی سنور جاتی۔ لیکن ۲۹ جولائی ۱۹۴۶ء کے ڈائریکٹ ایکشن کا فیصلہ مسلم لیگ کے راستے کی دیوار بن گیا۔ مقررہ دن کے لیے لیگ کونسل کے اجلاس سے بیشتر ۱۹۴۶ء کو مسلم لیگ کنونشن دہلی کے موقعہ پر سر فیروز خاں نون اعلان کر چکے تھے کہ:—

"نہ تو ہندو کو معلوم ہے، نہ انگریز کو کہ ہم پاکستان حاصل کرنے کے لیے کس حد تک جائیں گے۔ اس وقت ہم ایک بہت بڑے حادثے کی دہلیز پر کھڑے ہیں۔ اگر انگریز نے ہم پر اکھنڈ بھارت تھوپنے کی کوشش کی تو ہم وہ تباہی و بربادی لائیں گے جو ہلاکو خان اور چنگیز خاں کی بربادیوں کو بھی شرمندہ کر دے گی اور اس کی تمام تر ذمہ داری انگریز پر ہوگی۔"

قائداعظم بذات خود اس قسم کے جذباتی سیاستدان نہیں تھے۔ مگر سر فیروز خاں نون ایسے عاقبت نا اندیش لوگوں نے جذباتی باتیں کہہ کر ماحول میں ایسا اشتعال پیدا کیا کہ قائداعظم کو بھی ان کی ہاں میں ہاں ملانا پڑی۔ ورنہ کانگریس ریزولیوشن کے بعد بات ختم ہو چکی تھی۔ اس کے باوجود بھی قائداعظم نے "یوم راست اقدام" کے موقعہ پر ایک اخباری بیان میں کہا کہ:

"اس دن کا مقصد ہند کے طول و عرض میں مسلم عوام پر ان قراردادوں کی وضاحت کرنا ہے جو آل انڈیا مسلم لیگ نے ۲۹ جولائی کو بمبئی میں منظور کی تھیں، نہ کہ کسی دوسری صورت میں راست اقدام کرنا۔ اس لیے میں مسلمانوں کو از حد تاکید کرتا ہوں کہ وہ ان ہدایات پر پوری طرح کاربند رہیں اور ان کی سختی سے پابندی کریں۔ نظم و ضبط کا پورا خیال رکھیں اور دشمنوں کے ہاتھوں میں نہ کھیلیں۔"

Scanned with OKEN Scanner

قائد اعظم کا بیان

کانگریس ورکنگ کمیٹی کی قرارداد کے بعد قائد اعظم نے حسب ذیل جوابی بیان جاری کیا :-

"برٹش کیبنٹ مشن نے اپنی اسکیم مورخہ ۱۶ مئی، ۲۵ مئی میں لمبی میعاد والی اسکیم اور عارضی حکومت، دونوں کو ایک ہی اسکیم کے جزو قرار دیا تھا۔ دونوں کا دار و مدار ایک دوسرے پر تھا۔ مسلم لیگ نے دونوں جزو منظور کر لیے تھے۔ کانگریس نے ۱۶ جون کی اسکیم نامنظور کر دی اور ۱۶ مئی کو اسکیم کو مشروط اور محدود طور پر منظور کیا۔

کیبنٹ ڈیلی گیشن اور وائسرائے نے ۱۶ جون کی اسکیم کو خارج کر دیا اور کانگریس کے فیصلوں کو جو ۲۵ اور ۲۹ جون کو ان کے پاس پہنچائے گئے غلط طور پر ۱۶ مئی کی اسکیم کی منظوری تصور کر لیا۔ اس کے بعد وائسرائے نے کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی کے الیکشن یہ کہہ کر ملتوی کرنے سے انکار کر دیا کہ انتظام کافی ہو چکا ہے لیکن عارضی حکومت کا انتظام تو بالکل مکمل ہو چکا تھا۔ ایگزیکیٹو کونسل کے ممبروں کے استعفے ان کے ہاتھ میں تھے اور ۱۶ جون کے بیان کے مطابق ۲۶ جون کو نئی حکومت بننے والی تھی۔ لیکن اس کو خارج کر دیا۔ اس وجہ سے مسلم لیگ آزاد ہو گئی۔ چونکہ اسکیم بالکل خارج ہو گئی۔ اس معاملے میں صرف کونسل آف انڈیا مسلم لیگ ہی کوئی فیصلہ دے سکتی تھی۔ لہٰذا اس کو بمبئی میں ۲۷ تا ۲۹ جولائی تک کے لیے طلب کر لیا گیا اور اس نے اپنی منظوری جو ۶ جون کو دی تھی، واپس لے لی۔

اس دوران ہم نے کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی کے الیکشن اس لیے لڑے کہ نااہل لوگ اس میں نہ آنے پائیں اور ہم نے بچانوے فی صد نشستیں جیت لیں۔

پیشتر اس کے کہ کونسل مسلم لیگ کا اجلاس ہوا۔ ۶، ۷ جولائی کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی میں جو تقریریں ہوئیں اور کانگریس پریذیڈنٹ جواہر لعل نہرو نے

Scanned with OKEN Scanner

جو بیان ۱۰ر جولائی کو پریس کانفرنس میں دیا۔ اس نے مسلم حلقوں میں تشویشناک خیالات پیدا کر دیے۔ لیاقت علی خان نے دہلی سے اور میں نے ۱۳ جولائی کو حیدرآباد دکن سے بیان جاری کیا۔ یہ دونوں بیان اخبارات میں شائع ہو گئے۔

۱۸ جولائی کو جو بحث (لندن) پارلیمنٹ میں ہوئی۔ اس میں وائسرائے اور کیبنٹ مشن کے اس فعل کو "۱۶ جون کی اسکیم کو خارج کیا جائے"، منظوری دے دی گئی اور اس کا مطلق خیال نہ کیا کہ کانگریس کے لیڈروں کا کیا ارادہ ہے اور اس پر بھی توجہ نہ کی کہ آسام میں اسمبلی سے جو نمائندے کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی کے واسطے منتخب ہوئے۔ ان کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ گروپ سی میں ہرگز شریک نہ ہوں۔ اگرچہ یہ مشتبہ ہے کہ آسام اسمبلی کو ایسی ہدایت دینے کا اختیار بھی تھا، تاہم یہ ظاہر ہے کہ اکثریت والے فرقہ کا کیا ارادہ ہے اور یہ ۱۶ر مئی والی اسکیم کی اہم شرط کے منافی ہے۔"

انٹیرم گورنمنٹ

۲۹ جولائی کے لیگ ریزولیوشن اور اگست کی کانگریس قرارداد کے بعد ۱۲ر اگست ۱۹۴۶ء کو وائسرائے ہند لارڈ ویول نے اعلان کیا کہ :-

"ہز ایکسی لینسی وائسرائے نے ملک معظم کی حکومت کی منظوری سے کانگریس کے صدر پنڈت جواہر لعل نہرو کو دعوت دی ہے کہ وہ عارضی حکومت کی فوری تشکیل کے بارے میں تجویز پیش کریں اور اس سلسلے میں بہت جلد آکر وائسرائے سے ملیں چنانچہ کانگریس پریذیڈنٹ نے یہ دعوت منظور کر لی ہے۔ نیز یہ بھی ہدایت کی ہے کہ وہ مسٹر جناح کا تعاون حاصل کرنے کی بھی کوشش کریں۔"

اس پر نہرو ۱۴ر اگست کو مسٹر جناح سے ملاقات کا وقت لے کر ۱۵ر اگست کو انھیں بمبئی جاکر ملے۔ اس ملاقات کا ذکر مسٹر محمد علی جناح نے ۱۸ر اگست کو ایک بیان کے ذریعے یوں کیا کہ :

"جو تجاویز جواہر لعل نے پیش کیں وہ یہ تھیں کہ کانگریس وزارت بنائے گی اور

Scanned with OKEN Scanner

۱۴ نشستوں میں سے ۵ نشستیں مسلم لیگ کو دینے پر تیار ہے اور باقی نشستیں کانگریسی نمائندوں سے پُر کی جائیں گی، جن میں ایک کانگریس کا پسند کردہ مُسلمان بھی شامل ہوگا۔ نیز یہ کہ یہ کابینہ صرف موجودہ مرکزی اسمبلی کے سامنے جواب دہ ہوگی، جہاں کہ کانگریس کو ایک مسلمان ووٹ کے مقابل میں کم از کم تین ووٹ حاصل ہیں اور مزید یہ کہ وائسرائے ایک آئینی گورنر جنرل ہوگا وہ کسی تجویز کو مسترد کرنے کا اپنا حق استعمال نہیں کرسکے گا اور نہ کوئی بیرونی طاقت اس کابینہ کے کاموں میں مداخلت کرسکتی ہے۔

یہ نہیں ہے کہ وہ موجودہ آئین کے مطابق گورنر جنرل کی ایگزیکٹو کونسل مرتب کررہے ہیں، بلکہ اس طرح مرتب کی ہوئی حکومت ایک عارضی قومی حکومت ہوگی، یہ وہ پلان ہے جس کا اظہار جواہرلعل نہرو نے مجھ سے کیا اور یہ ظاہر ہے کہ میں اس قسم کی تجاویز کو قطعاً منظور نہیں کرسکتا تھا۔ کیونکہ اس کو منظور کرنے کے بعد مسلم مُطالبہ اور ہماری منزل پاکستان پر گفتگو کرنے کے لیے کچھ باقی نہیں رہتا۔"

اس موقعہ پر چودھری خلیق الزمان کہتے ہیں :۔

"مسلم لیگ نے وائسرائے کے سامنے یہ شرط بھی رکھی کہ نیشنل گورنمنٹ میں کانگریس اپنے کوٹے سے بھی کسی مسلم ممبر کو شریک نہ کرے۔ میں نے اس کی سخت مخالفت کی اور کہا کہ ایک مسلمان ممبر بہر نوع ہم سے قریب تر ہوگا۔

عارضی حکومت کی حیثیت

قائداعظم سے ملاقات کے بعد کانگریس کے پریذیڈنٹ اور عارضی حکومت کے نامزد وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے ۱۶ر اگست کو عارضی حکومت کی تشریح کرتے ہوئے مختصراً کہا :۔

"یہ عارضی حکومت محض وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل نہیں ہوگی بلکہ اب آزاد حکومت ہوگی۔ وائسرائے کی حیثیت آئینی صدر کی ہوگی۔"

Scanned with OKEN Scanner

مولانا آزاد کی تشریح

عارضی حکومت میں کانگریس کی شمولیت کی وضاحت کرتے ہوئے کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ممبر مولانا ابوالکلام آزاد نے ۱۸ر اگست کو کہا :۔

" سب جانتے ہیں کہ کانگریس نے عارضی حکومت کی تجاویز کو مشروط ہونے کی بنا پر رد کر دیا تھا۔ وائسرائے نے اب نیا دعوت نامہ بھیجا ہے جو غیر مشروط ہے اور کانگریس آزاد ہے کہ جو تجاویز چاہے پیش کرے لیکن لیگ اور دیگر فرقوں سے مصالحت کے پیش نظر کانگریس کسی نئی تجویز کو پیش کرنے سے باز رہی اور وہ پہلی ہی بنیاد پر عارضی حکومت بنانے کے لیے تیار ہے یعنی چھ کانگریسی پانچ لیگی اور تین دیگر اقلیتوں کے نمائندے۔ کل چودہ ۔"

لیگ نے قطعی طور پر اسے تسلیم کر لیا تھا۔ چنانچہ کانگریس کے رد کر دینے کے بعد بھی وہ اسی بنیاد پر عارضی حکومت بنانے پر مُصر رہی ۔ اسی طرح کانگریس نے وہ پیش کش لیگ کے سامنے رکھ دی ہے، جسے وہ برطانیہ کی طرف سے پہلے قبول کر چکی ہے ۔صرف فرق اتنا ہے کہ اب برطانیہ نہیں بلکہ کانگریس کابینہ بنا رہی ہے ۔ بدقسمتی سے مسٹر جناح نے کانگریس کی طرف سے تعاون کی اپیل کو رد کر دیا ۔

وقت بہت نازک ہے اور خطرات سے پر ہے ۔ لہذا غصہ اور جلد بازی سے کوئی قدم نہ اٹھانا چاہیے ۔ برطانیہ اس پر رضامند ہو گیا ہے کہ بغیر اس کی مداخلت کے ہندوستانی خود معاملات طے کریں ۔مسلم لیگ کے لیڈروں کی ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی ہیں ۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کانگریس نے دوستی کا جو ہاتھ بڑھایا ہے وہ اسے پکڑتے ہیں یا حقارت سے جھٹک دیتے ہیں ۔

میں پھر مسلم لیگ کے لیڈروں سے اپیل کرتا ہوں کہ ٹھنڈے دل سے صورت حال کا جائزہ لیں اور ایک ایسا فیصلہ کریں جو ملک اور قوم کے لیے فائدہ مند ہو ۔

Scanned with OKEN Scanner

لیکن جب یہ بیان شائع ہوا تو اس وقت مسلم لیگ کے راست اقدام نے صورت حال کُلیتہً بدل دی تھی اور اس تبدیلی نے فسادات کی ایک ایسی رَو کو جنم دیا جس نے پھر کبھی تھمنے کا نام نہیں لیا۔ آزاد ہندوستان میں تو انسان —— ہندو، مسلمان، سکھ آج بھی ان فرقہ وارانہ اور مذہب کے نام پر لڑے جانے والے فسادات کے شعلوں میں بھسم ہو رہا ہے اور پاکستان میں چونکہ ہم نے پہلے دن سے ہی ان کا صفایا کر دیا تھا یا ان کو نقل مکانی پر مجبور کر دیا تھا۔ اس لیے یہاں پر وہ فسادات کی شدت دیکھنے میں نہیں آئی لیکن اس کے باوجود ہندوستان میں جب فساد ہوتے ہیں تو ہم بھی جہاں ہندوؤں کی کچھ آبادیاں ہیں وہاں پر چڑھ دوڑنے سے گریز نہیں کرتے اور نہ ہی ان کے مندروں اور عبادت گاہوں کو نذرِ آتش کرنے سے گریزاں ہوتے ہیں۔ یہ ہے دونوں آزاد مملکتوں کا ورثہ جو کسی نہ کسی انداز میں ہم آج بھی سینے سے لگائے ہوئے ہیں اور ہم پاکستانیوں کو جب ہندو مارنے کو نہیں ملتے تو پھر دیوبندی، بریلوی پر چڑھ دوڑتا ہے، شیعہ سنی کی گردن پکڑ لیتا ہے۔ اور نہیں تو پھر مہاجر اور سندھی ایک طرف ہو جاتے ہیں اور پنجابی اور پٹھان ان کی زد میں آجاتا ہے۔ مدتوں مہاجر اور سندھی ایک دوسرے سے دست و گریباں رہے۔ غرضیکہ خون ہماری زبان کو لگ گیا۔

یہ ہے ہمارا نفسیاتی ورثہ جو برطانوی سامراج ہمیں تحفہ میں دے گیا ہے۔ اور اس موقع پر سرکاری اعلانیہ جس کا میں دو بار ذکر کر آیا ہوں کو دھیان میں رکھنا ہو گا۔ چنانچہ اس اعلانیہ میں جس خون ریزی کی طرف اشارہ کیا گیا وہ واضح طور پر ۱۶ر اگست ۱۹۴۶ء سے روزمرہ کا معمول بن گئی۔

ذخیرہ کتب
انیس نقوی
03142893816

Scanned with OKEN Scanner

باب ۸

برِصغیر فسادات کی زد میں

ڈائریکٹ ایکشن کے بارے میں آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا اجلاس جو ۲۹ جولائی ۴۶ء کو منعقد ہُوا، کی اختتامی نشست میں قائدِاعظم محمد علی جناح نے اس قرارداد کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا تھا:

ہم نے ایک تاریخی فیصلہ کیا ہے اس سے پہلے مسلم لیگ نے اپنی پوری تاریخ میں آئینی اصولوں کو ہمیشہ ملحوظ رکھا ہے اور کوئی بھی گفتگو غیر آئینی انداز میں نہیں کی ہے اور پوری جدوجہد آئینی حدود کے اندر رہتے ہوئے کی ہے لیکن ہمیں آج برطانیہ اور کانگریس نے اپنے اقدام سے ایسی پوزیشن میں لا کھڑا کر دیا ہے جہاں ہمیں آئینی انداز اور آئینی طور طریقوں کو خیرباد کہنا پڑا ہے۔ کیونکہ ہمیں دو محاذوں پر لڑنا پڑ گیا ہے، ایک کانگریس کے محاذ پر اور دوسرا برطانیہ کے محاذ پر اور ہم کو ان ہی دونوں پارٹیوں کے ساتھ جو تلخ گفتگو کرنی پڑی تو ہمیں محسوس ہوا کہ یہ دونوں پارٹیاں مسلح ہیں ایک کے پاس اقتدار ہے اور اس اقتدار کی حفاظت کے لیے توپ تفنگ ہے اور دوسری پارٹی کے پاس عدم تعاون اور سول نافرمانی کا ہتھیار ہے، ایسے حالات میں ہمارے پاس بھی پستول ہونی چاہیے۔“

سو قائدِاعظم نے ۲۹ جولائی ۱۹۴۶ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کونسل سے جو قرارداد پاس کروائی تھی وہ ایک پستول تھی یعنی برطانیہ اور کانگرس پہ ایک زبردست عوامی دباؤ ڈالنا اور صرف دباؤ ہی نہیں۔ یہ ایک نئے انداز کا اعلان تھا کہ اگر زبانی کلامی بحث سے مسلمان مطمئن نہیں ہوتے تو نوبت خانہ جنگی تک پہنچ سکتی ہے۔ یہ قدم اس خانہ جنگی کے خوف اور ڈراوے کو متشکل

کرنے کی طرف ایک اہم قدم تھا لیکن ایک بات جو قائد اعظم محمد علی جناح اپنی تمام فراست، ذہانت اور فطانت کے باوجود فراموش کر رہے تھے کہ انھوں نے تمام عمر نہ "پستول" چلائی ہے نہ ہی "پستول چلانے" کے ڈھنگ سیکھے ہیں اور نہ ہی انھوں اپنی جماعت کی تربیت ہی ان طور طریقوں پر کی ہے اگر انھوں نے ان طور طریقوں پر جماعت کو منظم کرنے کا اشارہ بھی کیا ہوتا تو پھر یہ تعلقہ دار، یہ بڑے زمیندار یہ "سر" اور یہ "خان بہادر" ان کے گرد جمع نہ ہوتے اور ان کے تمام قریبی دوست بھاگ بھاگے ہر قدم پر وائسرائے سے پوچھنے نہ جاتے۔ پھر یہ ایک مختلف قسم کی مسلم لیگ ہوئی اور وہ مسلم لیگ اب تک کبھی کی کانگریس سے مشترکہ جدو جہد کے بل پر اپنے مطالبات منوا چکی ہوتی کیونکہ اس وقت کانگریس کو بھی یہ علم ہوتا کہ دوسری طرف جس سے اس کو حقوق کے متعلق گفتگو کرنی ہے وہ بھی جدو جہد کے اسلوب جانتی ہے اور وہ بھی برطانیہ پر اسی طرح دباؤ ڈال سکتی ہے اس لیے اس کو اس جماعت سے تمیز اور برابری کے ساتھ گفتگو کرنی ہوگی۔ لیکن اب مسلم لیگ کو وائسرائے کے جلو میں اپنی برابری تسلیم کروانے کے لیے جتن کرنے پڑتے ہیں۔ سو یہ بنیادی فرق تھا مسلم لیگ اور کانگریس کے دباؤ میں۔ کیونکہ عوامی دباؤ کو منظم کرنا ... اور اس کو کسی تحریک کی شکل میں متشکل کرنا ایک فن ہے جو حقیقتاً سائنس کی حدوں کو چھوتا ہے اس لیے اس فن میں مہارت طویل ریاضت سے آتی ہے۔ کانگریس نے پہلی بار ۱۹۰۶ میں بدیشی مال کے بائیکاٹ کا نعرہ لگایا تھا اس دن سے کانگریس مختلف تحریکوں کو منظم کرتی چلی آئی تھی۔ اس نے مختلف الخیال گروہوں کو اپنے جلو میں بیٹھنے کی اجازت دی اس نے آل انڈیا کسان سبھا کے ذریعے کسانوں کے مطالبات کو اپنایا، خود گاندھی جی نے اپنی پہلی تحریک بہار کے کسانوں کے مسلمانوں کے لیے چلائی تھی، اس لیے صرف ایک دن میں یہ کہہ دینا کہ ہم نے بھی "پستول" خرید لیا ہے اس سے مسئلہ حل نہیں ہو جاتا۔ اناڑی پستول چلانے والے اکثر و بیشتر گولی اپنے پر ہی چلا لیتے ہیں۔ قائد اعظم آئینی لڑائی اور وکیلانہ مباحثوں کے ماہر ہوں تو ہوں لیکن کسی عوامی تحریک کو متشکل کرنا اور اس کو پھر اپنے دائرہ اختیار اور قابو میں رکھنا ان کے بس کی بات نہیں تھی لیکن مصیبت یہ تھی کہ وہ ایسی بند گلی میں پہنچ گئے تھے جہاں سے ان کو نکلنے کا راستہ ہی نظر نہیں آتا تھا چنانچہ یہ راست اقدام کی قرارداد

Scanned with OKEN Scanner

اسی بوکھلاہٹ اور پریشانی کا مظہر تھی۔ چنانچہ جانباز مرزا اس راست اقدام کے بارے میں لکھتے ہیں :-

" زمین اور موسم کا خیال کیے بغیر جو کسان کھیتی باڑی کرتا ہے وہ فصل کاٹتے وقت کھیتوں سے تہی دامن اٹھتا ہے۔ بامُراد وہی ہے جس نے بیج بکھیرنے سے پیشتر فضاؤں سے سمجھوتہ کیا، ہواؤں سے ہمکلام ہُوا اور برستے بادلوں پر اعتماد کر کے بیلوں کی جوڑی کو کھیتوں میں جوت دیا۔

جنگ سیاست کی ہو کہ تلوار کی۔ اس کے لیے بھی میدان کا ہموار ہونا ضروری ہے۔ عوام کے دلوں کو ٹٹولنا، حکومت کے ارادوں سے باخبر ہونا، ملک کے معاشی حالات کا اندازہ کرنا تحریک کے رہنماؤں کے لیے اسی قدر اہم اور ضروری ہے جس قدر کہ کسان کے لیے موسموں کا اتا پتا رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

برصغیر کی سیاسی تحریکات کی محرک جماعتوں نے انگریز کے خلاف جس قدر تحریک چلائیں ان کا آغاز متعینہ تاریخوں سے قریباً چھ ماہ پیشتر سے کیا۔ اس دوران عوام کا اعتماد حاصل کرنے کے علاوہ غیر ملکی حکمرانوں کے طرزِ عمل کا بھی جائزہ لیتے۔ تحریک کی ابتدا صحافتی کالموں سے ہوتی، جس میں تحریک کے اغراض و مقاصد درج ہوتے۔ دوسرے مرحلے پر عوامی اجتماع جن میں لیڈر لوگوں کو تحریک کی حمایت پر آمادہ کرتے۔ اس طرح بات آگے بڑھتی۔ اتنے میں ملک آئندہ جدوجہد کے لیے تیار ہو جاتا۔ کارکن اپنے کو مصائب و آلام کے لیے آمادہ کرتے۔ جبکہ قائداعظم نے یوم راست اقدام منانے سے صرف ایک دن پہلے یعنی ۱۴ اگست (۱۹۴۶) کو پروگرام دیا کہ عوام قرارداد کے مطابق اس دن کو پُرامن طور پر منائیں"۔

مسلم لیگ اپنی پیدائش سے اس وقت تک آئینی جماعت کی حیثیت سے چلی آ رہی تھی۔ اس کے لیڈر اور رو کر یا تو سرمایہ دار قسم کے تن آسان لوگ تھے یا پھر سرکاری خطاب یافتہ حضرات کا اس پر قبضہ رہا۔

Scanned with OKEN Scanner

۱۹۰۶ء سے (جب مسلم لیگ قائم ہوئی) ۱۹۴۶ء تک ہندوستان اور خاص کر ملت اسلامیہ پر انگریزوں اور ہندوؤں کی جانب سے اکثر سیاسی اور مذہبی حملے ہوئے مسلم لیگ زیادہ سے زیادہ کاغذی احتجاج تک محدود رہی اور بس۔

۲۹ جولائی (۱۹۴۶ء) کو مسلم لیگ کی تاریخ میں پہلا دن تھا۔ جب اس جماعت کے صدر مسٹر محمد علی جناح نے بمبئی کے اجلاس میں ایک قرارداد کے ذریعے ہندو اور انگریز کے خلاف ڈائریکٹ ایکشن کا فیصلہ کیا۔ مسلم لیگ اور کارکنوں کے لیے یہ فیصلہ ایسا ہی تھا جیسے پہلی جماعت کے طالب علم کے ہاتھ میں بی اے کا کورس دے کر کہا جائے کہ وہ اسے پڑھے۔ ظاہر ہے کہ وہ اس عمل میں ناکام رہے گا پھر ایسی لڑائی کے لیے تجربہ بھی ضروری ہے۔ کانگریس اور احرار یا ایسی دیگر جماعتیں تو سالہا سال سے ایسے جھگڑوں میں ملوث رہنے کی عادی تھیں۔ لیکن لیگ والے ایسے شریف زادے، نوابزادے اور صاحبزادے ان الجھنوں میں پڑنے کے عادی کہاں تھے۔ مگر قائد اعظم کے حکم سے انحراف بھی ان کے لیے مشکل تھا۔ خیر.....

۱۶ اگست کو راست اقدام کی تیاریاں ہونے لگیں۔ بالآخر یہ دن سارے ہندوستان میں نہایت پُرامن طریقے سے منایا گیا۔ البتہ کلکتہ مسلم لیگ نے اپنے قائد کے حکم سے بغاوت کرتے ہوئے یوم راست اقدام کے ساتھ نفیر جہاد پاکستان کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان کا جو نتیجہ نکلا اس کے لیے یکم ستمبر ۱۹۴۶ء کے نوائے وقت لاہور میں "مسلم لیگ کا یوم راست اقدام" کے زیر عنوان ایک مضمون شائع ہوا۔ اس کے چند اقتباس درج ذیل ہیں جس سے اندازہ ہو گا کہ قائد کے حکم سے انحراف کے بعد کلکتہ میں یوم راست اقدام یا نفیر جہاد پاکستان کیسے منایا گیا:

"مسلم لیگ کے راست اقدام کے فیصلے نے پاکستان کی تحریک کو ایک نیا موڑ عطا کیا۔ مسلم لیگ کے راست اقدام کا فیصلہ مسلمانوں کے لیے سر دھڑ اور جان کی بازی لگا کر پاکستان حاصل کرنے کے عزم کا اظہار تھا۔" لڑ کے لیں گے پاکستان، بٹ کے رہے گا ہندوستان"

○

۳۱ جولائی ۱۹۴۶ء کو قائداعظم نے اخبار نویسوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "برطانوی حکومت کی طرح کانگریس نے تلوار لٹکا رکھی ہے اور یہ ڈر ہے کہ اگر کانگریس کی پوری طرح دلجوئی یا تشفی نہ کی گئی تو وہ پھر سے مہم شروع کر دے گی، جو ۱۹۴۲ء کے مقابلے میں ہزار گنا بدتر ہو گی۔" آگے چل کر وہ کہتے ہیں:۔

" انگریزوں کے پاس مشین گنیں ہیں اور اپنی بات کی جو چاہیں تاویلیں کر سکتے ہیں۔ کانگریس ایک اور طرح کے ہتھیار سے پوری طرح لیس ہے۔ اسے آسانی سے چٹکیوں میں اُڑایا جا سکتا ہے۔ اس لیے ہم بھی اپنے دفاع اور تحفظ کے لیے آئینی جدوجہد کو خیرباد کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں اور ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ راست اقدام کے لیے تیاریاں کریں۔ جس طرح اور جب بھی وقت آئے گا اس پر عمل درآمد شروع کر سکیں۔"

○

چنانچہ اپنے قائد کے اس فرمان کے مطابق مسلم لیگ نے کلکتہ میں اس دن کو منانے کے لیے ایک جامع اور مضبوط پروگرام بنایا اور یوم راست اقدام کا نام یوم نفیرِ جہادِ پاکستان تجویز کیا۔

○

ان دنوں بنگال کے وزیراعظم جناب حسین شہید سہروردی تھے، ان کو پوری تائید "یوم راست اقدام یا نفیرِ جہادِ پاکستان" کے سلسلے میں حاصل تھی۔ کلکتہ مسلم لیگ کو مسلم نوجوانوں، محلہ وار جوڑ میلوں کے ہزاروں بنگالی اور غیر بنگالی مسلمان کارکنوں مسلم لیگ رضاکاروں اور ورکروں کا مضبوط اور منظم جتھہ نصیب تھا جو کلکتہ مسلم لیگ سے ہدایت ملتے ہی اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کلکتہ اور اس کے مضافات میں حرکت میں آسکتا تھا۔

○

Scanned with OKEN Scanner

یوم راست اقدام کو کامیاب بنانے کے لیے پبلسٹی اور پروپیگنڈہ کے محاذ پر جتنا کام کیا اس کی نظیر پورے ہندوستان میں نہیں ملے گی۔ سینکڑوں کی تعداد میں یوم نفیر جہاد پر مضامین، کتابچے لکھے جو لاکھوں کی تعداد میں اُردو بنگلہ اور انگریزی میں طبع ہُوئے۔ نہ صرف کلکتہ اور اس کے مضافات میں بلکہ سارا بنگال، بہار اور چھوٹا ناگپور کے علاقوں میں تقسیم کیے گئے۔ تمام مساجد کو بھیج دیے گئے کہ وہ خطبہ جمعہ سے پہلے پڑھ کر سنائیں اور یوم نفیر جہاد پاکستان کی افادیت اور اہمیت کو سمجھائیں اور اس مشورے کے حق میں سب سے تائید و تصدیق کا ووٹ حاصل کریں۔

○

مسلمانو! پاکستان کے جانباز مجاہدو! یوم نفیر جہاد پاکستان کو کامیاب بنانے کے لیے سر پر کفن باندھ کر گھروں سے نکل پڑو۔ جوق در جوق، گروہ در گروہ، لاکھوں کی تعداد میں کلکتہ کے میدان میں جمع ہو کر اتحاد کا مظاہرہ کرو کہ دشمنوں پر لرزا طاری ہو جائے۔ اتنے زور سے پاکستان زندہ باد اور نعرہ تکبیر لگاؤ کہ قبر کے مُردے بھی اس آواز کو سن کر قبروں سے باہر نکل پڑیں۔ بہرے بھی سن لیں اور گونگے بھی بول اٹھیں۔

○

۱۶ اگست ۱۹۴۶ء کو ڈائریکٹ ایکشن ڈے سارے ہندوستان میں منایا گیا۔ لیکن کلکتہ میں یوم راست عمل صحیح معنوں میں یوم نفیر جہاد پاکستان ثابت ہوا۔ کلکتہ اور اس کے اطراف و کناف میں عظیم بھیانک اور خوفناک فساد پھوٹ پڑے۔ اخبار اسٹیٹس مین" کلکتہ نے ان فسادات کو "THE GREAT CALCUTTA KILLINGS" کا نام دیا تھا۔ مشرقی کمان کے انچارج جنرل آفیسر کمانڈنگ ان چیف لفٹیننٹ جنرل سر فرانس ٹکر کے قول کے مطابق صرف ایک رات میں تین انگریز بٹالیوں نے ۵۰۴ نعشیں اٹھائیں۔ یہ صورت احوال ۱۶ اگست

۱۹۴۶ء سے ۲۲ اگست ۱۹۴۶ء تک جاری رہی تھی۔

○

کلکتہ کے یوم راست اقدام میں جانی اور مالی ہر دو حیثیتوں سے نقصان زیادہ مسلمانوں کا ہُوا تھا۔

○

۱۵ اگست ۱۹۴۶ء بنگال اسمبلی نے ۱۶ اگست کو یوم تعطیل منانے کا فیصلہ کیا تو اس پر بنگال اسمبلی کے ہندو ممبروں کا جو ردِ عمل ہُوا تھا۔ اس سے واضح تھا کہ آنے والے کل کو کلکتہ میں کیا ہونے والا ہے۔

○

کلکتہ میں مسلمانوں کی آبادی پچیس تیس فیصدی سے زیادہ نہ تھی لیکن یہ آبادی اپنے اثر ورسوخ کے اعتبار سے موثر و فعال آبادی تھی۔ ۱۶ اگست کے راست اقدام کے جلسے میں کم از کم پانچ لاکھ مسلمان شریک ہوئے تھے۔ یہ مسلمان کلکتہ اور اس کے مضافات سے خاک و خون میں کھیلتے ہُوئے آگ کا دریا پھلانگ کر کلکتہ میں جمع ہُوئے تھے۔

○

انھیں پہلے سے بتایا گیا تھا کہ کانگریس، ہندو مہاسبھا، بنگال کے دہشت پسند گروہ اپنی امکانی کوشش مسلمانوں کے اس عظیم الشان جلسہ کو ناکام بنانے کی کوشش کریں گے اور خوفناک صورت حالات پیدا کر دیں گے۔"

○

مندرجہ بالا مضمون کی دوسری قسط جو ۸ ستمبر ۴۷ ۱۹ کے نوائے وقت میں شائع ہوا۔ دو اقتباس :-

۱۷ اگست کو سہروردی کے مکان پر اجلاس ہوا جس میں تمام خیال کے لوگوں نے شرکت کی۔ جہاں امن کمیٹی بنائی گئی۔ اسی دن کلکتہ شہر میں فوج اور پولیس کی نگرانی میں امن کی خاطر جلوس نکالا گیا۔

○

ہندوؤں نے شمالی کلکتہ سے فساد کی ابتدا کی۔ اینگلو انڈین اور پولیس مسلمان محلوں میں جا کر انھیں ہندوؤں کے خلاف اور ہندوؤں کے محلوں میں جا کر انھیں مسلمانوں کے خلاف اُبھارتے رہے"۔

○

ان اقتباسات کے بعد راست اقدام کے سلسلے میں مسلم لیگی احباب کی رائے بھی ملاحظہ ہو۔ سریا مین اپنی یادداشتوں میں لکھتے ہیں :-

۱۶ اگست ۱۹۴۶ء کو کلکتہ میں کئی دن سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں سخت کشیدگی پیدا ہوگئی تھی۔ ہندو ڈائریکٹ ایکشن کا مفہوم یہ سمجھتے تھے کہ مسلمان ان کو ماریں گے اور لوٹیں گے۔ اُدھر مسٹر حسین شہید سہروردی نے جو بنگال کے وزیر اعظم ہیں اور لیگ کے سرآوردہ ممبر ہیں ناعاقبت اندیشی سے آج کی عام تعطیل کر دی اور ڈائریکٹ ایکشن کس طرح ہوگا۔ اس کی کوئی ہدایت نہیں کی۔ مسلم لیگ نے ہر وسیشن نکالا۔ اس کے ہمراہ بھی غنڈے ہو گئے ادھر ہندو غنڈے بھی جمع ہو گئے اور خوب کشت و خون ہوا' ہزارہا آدمی زخمی ہوئے صدہا مارے گئے' آگ لگائی گئی، مال لوٹا گیا اور خوب شور وشغب رہا کروڑوں کا نقصان ہوا اور آپس کی فضا ایسی خراب ہو گئی جو پاکستان بننے میں حائل ہوگئی۔ مسٹر ست نرائن سنہا بیرسٹر ابھی کلکتہ سے آئے ہیں۔ جہاں وہ فسادات کا جائزہ لینے گئے تھے۔ وہ ہندو ممبران سے میرے سامنے کہہ رہے تھے

Scanned with OKEN Scanner

کہ شروع میں تو مسلمانوں نے ہندوؤں کو خُوب مارا اور بنگالی ہندو خوب پٹا۔ لیکن بعد میں سکھ ٹیکسی چلانے والے اور دوسرے سکھ کرپانیں نکال کر اور بہاری ہندو، ہندووں کے ساتھ ہوگئے تو پھر مسلمانوں کو خوب مارا اور خون بہایا۔

مجھ کو یہ سن کر سخت افسوس ہوا کہ حسین شہید سہروردی جو ہشیار آدمی ہے اس نے کیا حماقت کی کہ ہندووں کو موقع دے دیا کہ وہ سیکشن سی میں شریک ہونے سے قطعی انکار کر دیں۔ اول تو سیکشن سی میں مسلمانوں کا تناسب ۳۶ ہے اور ہندوؤں کا ۳۴ ۔ یہ کوئی اکثریت نہیں۔ اگر دو ووٹ ادھر سے ادھر ہو جائیں جوا غلب ہے تو اکثریت ادھر کی ادھر ہو جائے گی۔

ست نرائن سنہا میرا پُرانا دوست ہے۔"

○

چوہدری محمد علی سابق وزیراعظم پاکستان اپنی کتاب ظہور پاکستان میں لکھتے ہیں:۔

یہ دن سارے ہندوستان میں کلکتے کے سوا امن وسکون سے گزر گیا۔ کلکتہ میں فقید المثال فساد ہُوا، جسے کلکتہ کا قتلِ عام کہا جانے لگا۔ اگرچہ بنگال مسلم اکثریت کا صُوبہ تھا۔ لیکن اس کے دارالحکومت کلکتہ کی بیشتر آبادی ہندو تھی، مسلمان صرف ۲۴ فیصد تھے۔ اس زمانے میں مسلم لیگی وزارت برسر اقتدار تھی۔ اور حسین شہید سہروردی وزیراعلیٰ تھے۔ مشرقی کمان کے جنرل آفیسر کمانڈنگ انچیف لفٹیننٹ جنرل سر فرانسس ٹکر کے بیان کے مطابق اگست کے پہلے نصف میں کلکتے کے بڑے بڑے جلسوں میں کانگریس اور مسلم لیگ کے لیڈروں نے جو تقریریں کیں وہ اشتعال انگیز اور تندوتیز تھیں۔ سب تقریروں کا ہدف مخالف فرقہ ہوتا تھا۔ ۱۵ر اگست کو جب حکومت بنگال نے یوم راست اقدام یعنی ۱۶ر اگست کو عام تعطیل کا دن قرار دینے کا اعلان کیا تو بنگال اسمبلی میں بڑی تلخ بحث ہُوئی۔ بحث سے واضح ہوگیا کہ ہندو اس حکم پر کس قدر برہم تھے۔ ان کی برہمی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس سے پہلے کلکتہ کے تمام ذرائع آمدورفت

Scanned with OKEN Scanner

کو معطل کرنے کے لیے ہڑتالیں کرانے کی کانگریس کو کم و بیش اجارہ داری حاصل تھی۔"

○

چودھری خلیق الزماں شاہراہِ پاکستان میں لکھتے ہیں :

" ہندوستان اور پاکستان میں جتنا اتلافِ جان و مال ہُوا۔ اس کا ذکر کرنا بیکار ہے۔ اب چودہ برس بعد قلب و جگر کے ناسُوروں کو کُریدنے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔ اس لیے جہاں تک ممکن ہوگا۔ اس کے ذکر سے گریز کروں گا۔ باوجود اس کے کہ لکھنا پڑتا ہے کہ کلکتہ میں ۱۶ اگست ۱۹۴۶ء کو اتنا بڑا فرقہ وارانہ فساد ہُوا جس سے پہلے کوئی اس کی نظیر نہیں ملتی۔ یُوں تو فساد دو تین ہفتے چلتا رہا، مگر سب سے زائد اتلافِ جان پہلے ہفتے میں ہُوا۔"

○

سیّد نور احمد مارشل لا سے مارشل لا تک میں لکھتے ہیں :

" ڈائریکٹ ایکشن کا دن پورے ہندوستان میں منایا گیا اور امن و امان سے گزر گیا لیکن کلکتہ میں اس نے شروع ہی سے ہندو مسلم فساد کی صورت اختیار کر لی اور یہ فساد ہر لمحے شدت اختیار کرتا رہا۔ فساد کس نے شروع کیا اور کس طرح شروع ہُوا۔ اس کے متعلق کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہندو اخباروں نے مسلمانوں پر اور مسلمان اخباروں نے ہندوؤں پر ذمہ داری ڈالنے کی کوشش کی۔

بنگال میں اس وقت مسٹر حسین شہید سہروردی کے زیرِ قیادت مسلم لیگ وزارت برسرِ اقتدار تھی۔ اس بات سے ہندو اخباروں کو فساد کی بیشتر ذمہ داری مسٹر سہروردی کے سر تھوپنے کا بہانہ مل گیا۔"

○

عُلمائے حق میں مولانا سیّد محمد میاں لکھتے ہیں :

" ۱۶ اگست کو صوبہ یو پی میں کسی جگہ فساد نہیں ہُوا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ

یوپی گورنمنٹ کے وزیر داخلہ مسٹر رفیع احمد قدوائی نے اس موقع پر دانشمندی کا ثبوت دیا اور اعلان کیا کہ لیگ کے پروگرام میں حکومت یوپی کسی قسم کی مداخلت کا ارادہ نہیں رکھتی۔"

○

۱۶ اگست ۱۹۴۶ء کو کلکتہ میں ہولناک قتل و غارت گری شروع ہوئی اور کم و بیش ایک ہفتہ تک اس کا سلسلہ انتہائی شدومد سے جاری رہا۔ اخباری بیانات کے موجب، اربوں روپوں کا مالی نقصان تاجروں کو برداشت کرنا پڑا۔ لاکھوں انسان بے خانماں ہوئے اور چالیس ہزار مرد، عورتیں اور بچے بدترین دہشت و بربریت کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔
۔لیگی لیڈروں نے دھمکی دی تھی کہ مسلمان، ہلاکو اور چنگیز کی یاد تازہ کریں گے مگر واقعہ یہ ہے کہ محشر کدہ کلکتہ کے فسادات میں ہندو اور مسلمانوں نے انسانیت اور انسانی ہمدردی سے دامن جھاڑ کر جس درندگی سے کام لیا۔ ہلاکو اور چنگیز کی روحیں اس سے کانپ اٹھیں۔

○

تمام اخبارات میں مقتولین کی تعداد دس ہزار آئی ہے۔ مگر ۱۰ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو سرہنری ٹوٹنہم گورنر وسطی ہند نے بیان کیا کہ حکومت بنگال نے کلکتہ کے فسادات کے ہلاک شدگان کی تعداد چار ہزار بتائی ہے۔ حقیقت کا اس سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ مصدقہ اطلاعات کے مطابق ہلاک شدگان کی تعداد چالیس ہزار سے زائد ہے۔ حکومت بنگال نے صرف ان لاشوں کو شمار کیا، جو گلی کوچوں میں پائی گئیں۔ باقی جو لاشیں دریا بُرد کی گئیں وہ شمار نہیں کی گئیں۔

○

سید محمد عثمان سیکرٹری کلکتہ ضلع مسلم لیگ نے ایک اشتہار شائع کیا جس کے مندرجہ ذیل عنوانات تھے:

Scanned with OKEN Scanner

٭ آل انڈیا یوم نفیرِ جہادِ پاکستان اور دس کروڑ مسلمانانِ ہند کی لام بندی

٭ اسلامی ہند اور اسلامی دنیا کی آزادی کے لیے مسلم لیگ کا انقلابی قدم۔

٭ نفیرِ جہاد پر لبیک کہو۔ ملت اسلامیہ کی لام بندی کا اعلان کرو اور اپنے دورِ جدید کا فاتحانہ آغاز کرو۔

٭ کوشش کرو کہ کوئی تندرست مسلمان گھر میں نہ رہے۔

٭ مسلمانو! اٹھو۔ نئی شان سے اٹھو۔ طوفان و سیلاب بن کر اٹھو اور دنیا کو اپنی اُٹھان، اپنے اُبھار اور اپنے انقلاب سے حیران کر دو۔

اس طویل پوسٹر کے آخر میں درج تھا:

۱۶ اگست ۱۹۴۶ء کا یہ آل انڈیا مظاہرہ پاکستان کی انقلابی جنگ اور ہمارے نئے دورِ جہاد کا مظاہرہ کا آغاز ہے پس لازم ہے کہ آپ کم از کم دس لاکھ انسانوں کا ایسا مظاہرہ پیش کیجیے کہ اندھے بھی دیکھ لیں، بہرے بھی سن لیں اور گونگے بھی بول اٹھیں کہ مسلمان قوم اللہ کی زبان اللہ کی اٹل تقدیر ہے اور آزادی اس کا حق ہے۔ یاد رکھیے یہ مسلمانانِ ہند کی آل انڈیا جماعت مسلم لیگ کا پہلا انقلابی اقدام ہے۔"

برطانوی افسروں کی شہادت

کلکتہ کے فسادات کے سلسلے میں اَن گنت داستانیں رقم ہوئی ہیں ایک شہادت ہے جیرالڈ ہور موزکی۔ یہ اس برطانوی فوج میں جو اس زمانے میں فورٹ ولیم میں متعین تھا وہ کہتا ہے:۔

"فضا میں ایک عجیب و غریب قسم کی مایوسی تھی، یہ مون سون کی ایک گرم حبس والی صبح تھی، اور جب کیپٹنگ کی ڈراونی شب والے کلکتے میں صبح ہوئی تو وہ جیوٹ مل کے مسلم مزدور شہر میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔ یہ سب لوگ راست اقدام کا یوم منانے کے لیے جا رہے تھے۔ اس جلسے کو بنگال کے چیف منسٹر مسٹر حسین شہید سہروردی اور دوسرے مسلم لیگی قائدین نے خطاب کرنا تھا ہمیں قلعہ

میں صبح ساڑھے نو بجے رپورٹیں ملنی شروع ہو گئی تھیں کہ ہندوؤں نے ٹلہ اور بناچیہ پلوں پر رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں تاکہ مسلمان شہر کے اندر داخل نہ ہو سکیں لیکن کالینہ کے کمانڈر بریگیڈیئر جے۔ پی۔ سی میکنلے نے اپنے تمام فوجیوں کو احکام صادر کر دیے تھے کہ وہ اپنی بیرکوں میں ہی رہیں اور باہر مت نکلیں۔ اس طرح سے ہندوستان کے سب سے بڑے شہر کو جو ایک آتش فشاں ہے اور بات بات پر اشتعال اس کے رگ و پے میں ہے بالکل بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا اور سہروردی نے تمام سرکاری دفاتر اور ملازمین کو تین دن کی لمبی چھٹی دے دی یعنی جمعہ ہفتہ، اتوار۔"

"فرقہ وارانہ فسادات صبح سات بجے مانک ٹولہ کے علاقہ میں شروع ہوئے اور یہ پورا دن جاری رہے اور تمام شہر فسادات کی زد میں آگیا"

اسی رات کو بنگال کے گورنر بڑوز نے وائسرائے ویول کو ان فسادات کی جو اطلاع دی اس میں بتایا تھا:

"شام چھ بجے تک کی اطلاعات کے مطابق پورا شہر فرقہ وارانہ فسادات کی زد میں ہے، دکانوں کو لوٹا جا رہا ہے زیادہ تر ہتھیار جو استعمال ہو رہے ہیں وہ پتھر اور اینٹیں ہیں۔ کئی ایک مقامات پر بندوقیں بھی استعمال ہوئی ہیں اور یہ دونوں فرقوں کی جانب سے استعمال ہوئی ہیں۔ خنجر زنی کی بھی کئی ایک وارداتوں کی اطلاع ملی ہے۔ شمالی کلکتہ کے ہندو تاجروں کا خوف اور ڈر سب سے اہم واقعہ یہ ہے اور صبح سے ان کے متاثر ہونے کی اطلاعات بہت خاصی مل رہی ہیں۔ اس وقت یہ فسادات فرقہ وارانہ ہیں اور برطانیہ کے خلاف کوئی واقعہ نہیں ہوا۔"

مشرقی کمانڈ کے لیفٹیننٹ جنرل سر فرانسس ٹکر کو اس کی انٹیلی جنس نے رپورٹ بھیجی کہ اس سہ پہر کو اوچرلونی یادگار OCHTERLONY MONOMENT پر جمع ہونے والے ایک مسلم اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

Scanned with OKEN Scanner

"کیبنٹ مشن ایک فریب تھا اور میں دیکھوں گا کہ پنڈت نہرو بنگال پر کیسے حکومت کرتا ہے اور برطانیہ اس کی کیسے امداد کرتا ہے۔ یہ راست اقدام مسلمانوں کی جدوجہد آزادی کا پہلا قدم ہے"۔ سہروردی نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ گھروں کو جلدی لوٹ جائیں اور مزید اس نے یہ بھی کہا کہ اس نے پولیس اور فوج کو کہہ دیا ہے اور انتظامات کر لیے ہیں کہ وہ آپ کے کسی کام میں مداخلت نہیں کرے گی چنانچہ ہمارے خفیہ دستوں نے جو نگرانی پر معمور تھے بتایا ہے کہ جو اجتماع ہو رہے تھے ان میں بڑی تعداد میں مسلم غنڈہ عناصر بھی موجود تھے اور جیسے ہی یہ جلسہ ختم ہوا ان کی تعداد میں معتد بہ اضافہ ہو گیا۔ چنانچہ جلسے کے اختتام کے ساتھ ہی ان تمام عناصر نے ہندو تجارتی مراکز کا رُخ کیا جہاں انھوں نے اپنا لوٹ مار کا دھندا شروع کر دیا اور لوٹ مار کے بعد دکانوں کو نذرِ آتش کرنا شروع کر دیا۔ سوا چار بجے سہ پہر کو قلعے کے ہیڈ کوارٹر نے خفیہ اشارہ سے تمام مراکز کو مطلع کر دیا کہ پورا شہر فسادات کی زد میں ہے"۔

شام کو چھ بجے کرفیو نافذ کر دیا گیا اور ۸ بجے شہر کو جب فوج کے حوالے کیا گیا تو فوج نے دیکھا کہ پوری کالج سٹریٹ مارکیٹ سے شعلے بلند ہو رہے ہیں اور جو دکانیں اور مکان محفوظ رہ گئے وہ سب لُٹ چکے ہیں اور بقول میجر لیور مور کلکتہ کا پورا منظر تباہی و بربادی کا منظر تھا، جگہ جگہ لاشوں کے انبار لگے ہوئے تھے اور صاف معلوم ہو رہا تھا کہ جو غریب، نادار، کمزور لوگ تھے وہ غنڈوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے ہیں اور اس طرح سے پوری صورت حال ایک مزاج کی کیفیت تھی جہاں تہذیب کا کوئی نام و نشان نظر نہیں آ رہا تھا اور جگہ جگہ ایسا دکھائی دیتا تھا کہ عوام نے گِدھوں کا رُوپ دھار لیا ہے۔ جنھوں نے انسانوں کی بوٹیاں نوچ لی ہیں"۔

جنرل ٹکر لکھتے ہیں :۔

"فروری ۴۶ء کے ہنگاموں نے ہمیں خاصا پریشان کیا تھا (یاد رہے یہ ہنگامے آزاد ہند فوج کے قیدیوں کی رہائی کے سلسلے میں جس میں ہندو مسلم نے متحد ہو کر برطانوی سامراج کے خلاف زبردست ہنگامے بپا کیے تھے) لیکن اب کے صورت حال بالکل ہی مختلف ہے

Scanned with OKEN Scanner

یہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے جنونیوں اور وحشیوں کو کھلا چھوڑ دیا گیا ہے اور کلکتہ کی غنڈہ برادری نے پورے شہر کو اپنے قبضہ میں لے لیا ہے۔ پولیس دُور دُور بھی نظر نہیں آ رہی تھی ٹیکسیاں اور بسیں بالکل ناپید تھیں۔ رکشاؤں پر جہاں بھی نظر پڑی ان کو نذرِ آتش کر دیا گیا۔ لوگوں کے لیے اپنے کاموں پر جانا ناممکن ہو گیا تھا۔ تمام غنڈے شہر میں کھلے عام دندناتے پھرتے تھے اور وہ ہر قسم کے اسلحہ، لوہے کی سلاخوں، لاٹھیوں، ڈنڈوں اور خنجروں سے لیس تھے ان کا موڈ بہت خطرناک دکھائی دیتا تھا۔ پولیس تھانے کے قرب و جوار میں قتل و غارت ہو رہی تھی اور کوئی روکنے والا نہ تھا اور جہاں پولیس پہنچ بھی جاتی وہاں ان کے اپنی گاڑیوں سے نکلتے نکلتے لوگ قتل ہو جاتے اور کچھ نہ کر سکتے تھے۔

پیر ۱۹ اگست ۱۹۴۶ء کو میجر لیور مور کی پلٹن نے صرف ایک گلی کے ناکے سے ۱۵۰ نعشیں اٹھائیں۔ اس پورے علاقے میں اس قدر بدبو اور تعفن پھیلا ہوا تھا کہ جب فوج کی پلٹن نے اس کو صاف کیا تو وہاں کے ایک باشندے نے مشکور و ممنون ہو کر پلٹن کمانڈر کی تواضع شمپین کی دو بوتلوں سے کی۔ علاقے میں تعفن اور بدبو کا یہ عالم تھا کہ فوج کے لیے بغیر ناک اور منہ پہ خول چڑھائے یہاں سے گزرنا اور نعشیں اٹھانا ناممکن ہو رہا تھا۔ مجھے صرف ایک علاقے سے نعشوں کو ہٹانے میں دو دن لگ گئے۔ صرف اس ایک کمپنی کمانڈر کے علاقے سے پانچ سو سات نعشیں اٹھائی گئیں۔ اس بدبو اور تعفن کی وجہ سے ہیضہ کے پھیلنے کا شدید خطرہ تھا۔

۱۹ اگست ۴۶ء کی رات تک نعشوں کی بدبو اور تعفن سے صورت حال اس قدر خراب ہو گئی کہ حکومت بنگال کو اعلان کرنا پڑا کہ ہر فوجی کو فی نعش پانچ روپے ادا کیے جائیں گے۔ چنانچہ اس صورت حال کے بارے میں میجر ڈوبنے لکھتا ہے:

"برطانوی فوجیوں کی موجودگی کے سوا پورا شہر قبرستان دکھائی دیتا تھا۔ شہر بجلی کی روشنیوں سے منور ہو رہا تھا لیکن ان روشنیوں میں سوائے نعشوں اور ملبے کے ڈھیروں کے کچھ اور نظر نہیں آ رہا تھا۔ کوڑے کرکٹ کی گاڑیاں بھی نعشوں سے اٹی پڑی تھیں اور وہیں سڑکوں پر گلی سڑی پڑی تھیں کیونکہ ان کو دھکیلنے والا کوئی نہ تھا۔ جب یہ معلوم ہوا کہ انگریز

فوجی نعشیں اکھٹی کر کے اٹھا رہے ہیں تو پھر مختلف ملبے کے ڈھیروں اور آتش زدہ مکانوں کے نیچے پڑی ہوئی نعشوں کی نشان دہی بھی ہوئی نہ دبی ہوگئی تمام رات یہ مہم جاری رہی۔

ٹھیک سے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ان تین دنوں میں کتنی جانیں تلف ہوئیں اور کتنے لوگ کلکتہ کے اس المناک فساد میں لقمہ اجل بنے لیکن جنرل ٹکر کا اندازہ ہے کہ ۱۶ ر اگست سے ۲۰ ر اگست تک ۱۶ ہزار کے قریب بنگالی قتل ہوئے اور اس سے کہیں زیادہ ہگلی کے ذریعے باہر نکلنے میں کامیاب ہو گئے اور کئی دنوں تک یہی وہ واحد راستہ تھا جہاں سے مرد، عورت، بچے، بوڑھے سبھی بھاگم بھاگ باہر نکلنے میں مصروف رہے، حتٰے کہ بقول مارگریٹ بروک گاڑیاں اتنے مسافروں کو لے جانے سے قاصر تھیں۔ چنانچہ سٹیشن پر ہی ہندو اور مسلمان الگ الگ کیمپ خود بخود قائم ہوگیا۔ یہ برصغیر کی تقسیم کے آغاز کی نشانیاں تھیں۔

۲۱ر اگست ۱۹۴۶ء کو وائسرائے ویول نے برطانیہ میں وزیر ہند پیتھک لارنس کو اپنی رپورٹ میں لکھا کہ موجودہ اندازہ کے مطابق مرنے والوں کی تعداد تین ہزار اور زخمیوں کی تعداد سترہ ہزار ہے اور کانگرس کو اس امر کا پختہ یقین ہے کہ موجودہ فسادات سوچے سمجھے منصوبے کے تحت بنگال کی مسلم لیگ وزارت نے شروع کیے ہیں لیکن وائسرائے کو اس وقت تک اس طرح کا کوئی واضح ثبوت نہیں ملا تھا۔ ویسے اب تک جو شہادتیں موصول ہوئی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوؤں سے زیادہ مسلمان مرے ہیں۔"

اگست کے آخری دنوں میں جناح نے کلکتہ کے فسادات کے بارے میں ایک بیرونی خبر رساں ایجنسی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا:

"اگر کانگرس حکومتیں اسی طرح سے مسلمانوں کو دباتی رہیں اور ظلم کا نشانہ بناتی رہیں تو پھر فسادات کو روکنا کیسے ممکن ہوگا میرے نزدیک اس پورے مسئلے کا سوائے قیام پاکستان کے کوئی اور حل نہیں ہے۔ ہم پاکستان میں غیر مسلموں اونچی ذات کے ہندوؤں کے تحفظ کی ضمانت دیتے ہیں جن کی تعداد پاکستان میں اڑھائی کروڑ ہو گی اور ہم ان کے ہر قسم کے مفادات کی دیکھ بھال کریں گے۔ ہندوستان کی آزادی

Scanned with OKEN Scanner

کا یہ سب سے فوری اور موثر حل ہے اور اسی میں اس برصغیر کے بسنے والوں کی ترقی اور خوش حالی کا راز پنہاں ہے۔

لیکن وقت نے قائد اعظم کی ان توقعات کو غلط ثابت کردیا۔ نہ پاکستان اقلیتوں کو تحفظ دے سکا اور نہ ہندوستان ہی اپنے یہاں کی اقلیتوں کے جان و مال کو محفوظ رکھ سکا اور یہ ایک عذاب ہے جو مسلسل آج بھی اس برصغیر کو کسی نہ کسی انداز میں برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔

ذخیرہ کتب
انیس نقوی
03142893816

Scanned with OKEN Scanner

باب ۹

فسادات کا تسلسل

ایک طرف برصغیر کی بساط سیاست پر اقتدار کی جنگ لڑی جا رہی تھی دوسری طرف پوری صورت حال ان قائدین کے ہاتھ سے نکلتی دکھائی دے رہی تھی اور دراصل اس صورت حال کا اندازہ دوسری جنگ عظیم کے فوراً بعد ہی ہونا شروع ہو گیا تھا اور عامۃ الناس جس طرح جنگ کے بعد کی صورت حال سے متاثر ہوئے تھے، یہ تمام اسی بے چینی کا شاخسانہ تھا۔ اس بے چینی نے ایک قسم کی مسلح جد وجہد کا جذبہ پیدا کر دیا تھا۔ آزاد ہند فوج کی تشکیل اس جذبے کا پہلا اور واضح اظہار تھا اور پھر جنگ کے بعد آزاد ہند فوج کے افسروں پر قائم کیے جانے والے مقدمات اور ان مقدمات کے نتیجے میں دی جانے والی سزاؤں کے خلاف جس جرأت اور متشددانہ انداز میں برصغیر کے عوام نے اپنے ردِعمل کا اظہار کیا وہ بھی اس نئے موڑ کی نشاندہی کر رہا تھا اور پھر خود ہوائی فوج اور ملاحوں کی بغاوتوں نے جو رنگ اختیار کیا وہ اس نئے دور کی واضح نشانیاں تھیں، ان سب نشانیوں کا میں ذکر کر آیا ہوں لیکن ان واضح نشانیوں کے اظہار نے بھی برصغیر کے مختلف علاقوں میں ایک قسم کے غیر متوازی ردِعمل کو واضح کر دیا یعنی برصغیر کے صنعتی شہروں اور بندرگاہوں میں بسنے والے محنت کشوں اور شہریوں پر اس صورت حال کے خلاف جو ردِعمل بے حد شدید اور مرنے مارنے کا تھا لیکن شمالی ہند میں جن میں موجودہ پاکستانی علاقے شامل تھے، کا ردِعمل مقابلتہً بہت نرم اور غیر متشددانہ تھا اور یہ دراصل صنعتی اور زرعی علاقوں کی ترقی اور نشو و نما میں جو بنیادی فرق تھا اس کا اظہار اب آزادی کی تحریکوں میں بھی واضح ہونے لگا تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بمبئی، کلکتہ اور مدراس جو صنعتی مراکز تھے وہاں عوام نے

فوج اور پولیس کے خلاف باقاعدہ مورچے قائم کیے، انہی شہروں میں فوج، ہڑتالیوں اور آزاد ہند فوج کی حمایت میں ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں مزدور اپنے کارخانوں سے نکل کھڑے ہُوئے۔ یہ موڑ تھا جس نے ایک طرف برطانوی سامراج کو پریشان کر دیا اور اسے یہ محسوس ہونے لگا کہ ایک ایک کر کے تمام متشددانہ ادارے اس کے ہاتھ سے نکلتے جا رہے ہیں۔ دوسری طرف خود کانگرس اور مسلم لیگ کے قائدین کو بھی پریشانیاں لاحق تھیں کہ اگر ان کو جلد سے جلد اقتدار نہ ملا تو بائیں بازو کے عناصر ان کے خلاف بغاوت کروانے میں کہیں کامیاب نہ ہو جائیں چنانچہ یہ بہت ہی اہم مقاصد تھے جو ایک طرف برطانیہ کو دوسری طرف کانگرس اور مسلم لیگ کو جلدی جلدی قدم اٹھانے پر مجبور کر رہے تھے لیکن ان تینوں پارٹیوں کے اپنے تضادات اتنے گہرے تھے کہ وہ عوام کے خوف کے باوجود ان کو مسائل کے حل میں کوئی راہ دکھائی نہیں دے رہی تھی اور یہ تاخیر عوام کی بے چینی میں اضافہ کر رہی تھی اور یہی بے چینی تھی جو مسلمان اور ہندوؤں کے نچلے بیروزگار، بے کار اور لفنگے عناصر کو فسادات کے لیے اکساتی تھی اور اس پر کانگرس اور لیگ کا تصادم جلتی پر تیل کا کام کر رہا تھا۔ چنانچہ اس کا پہلا اظہار کلکتہ کے فسادات کی صورت میں ظاہر ہُوا اور یہ دراصل ایک طرح سے پہلے فسادات تھے۔ جو براہِ راست اوپری طبقہ کی اقتدار کی سیاست کے نتیجے میں بپا ہُوئے اور اس نے ایک ایسا سلسلہ شروع کیا جو تقسیم برصغیر اور اس کے بعد تک ختم نہ ہو سکا۔

دراصل مسلم لیگ کا مقصد راست اقدام سے برطانیہ اور کانگرس دونوں پر زبردست دباؤ ڈالنا تھا لیکن مسلم لیگ کے اس راست اقدام نے جو نتائج برآمد کیے، وہ ان کی خواہش اور توقع کے بالکل برعکس نکلے۔ یہ درست ہے کہ شروع میں ان فسادات نے وائسرائے کو بہت حد تک پریشان اور خوف زدہ کر دیا۔ چنانچہ ان فسادات کے بعد جب پنڈت نہرو عارضی حکومت کے ارکان کی فہرست لے کر وائسرائے ہاؤس پہنچ گئے تو قائداعظم قدرے پریشان ہوئے کیونکہ ان کا اور مسلم لیگ کا تو خیال تھا کہ ان فسادات کی شدت سے کانگرس پریشان ہو گی لیکن کانگرس نے اس ڈائریکٹ ایکشن اور فسادات سے بالکل دوسرا نتیجہ اخذ کیا اور وہ اب مسلم لیگ کو کھلے بندوں شکست دینے کے لیے تیار دکھائی دینے لگے چنانچہ پنڈت نہرو نے جس سختی کے

ساتھ وائسرائے ویول کے ساتھ گفتگو کی وہ اس امر کی شہادت ہے۔ چنانچہ جب وائسرائے نے یہ فہرست دیکھ کر کلکتہ کے فسادات کا ذکر چھیڑنے کی کوشش کی اور کہا کہ ایسے حالات میں مسلم لیگ کا حکومت سے باہر رہنا حالات کو مزید ناخوشگوار بنا دے گا۔ یہ سُننا تھا کہ پنڈت نہرو قدرے مشتعل ہو گئے اور انھوں نے وائسرائے کو صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ آپ کی یہ تجویز مُفسد عناصر کی حوصلہ افزائی کا باعث ہو گی۔ جہاں تک مسٹر جناح سے گفتگو کا تعلق ہے کانگرس اس سے آگے نہیں جا سکتی، اس غصیلے اور اشتعال انگیز فضا میں یہ گفتگو ختم ہو گئی اور وائسرائے نے پنڈت نہرو کی فہرست رکھ لی اور کہا کہ وہ وزیر ہند سے مشورہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اس پر تو پنڈت نہرو قریب قریب آپے سے باہر ہو گئے اور کہا کہ آپ اب ایک نیا تماشہ رچانا چاہتے ہیں۔ ایک طرف آپ کانگرس کو عبوری حکومت بنانے کی دعوت دے چکے ہیں دوسری طرف آپ اس ذمہ داری کو واپس لے رہے ہیں۔ اس سے آپ نے اپنی پوزیشن کو مضحکہ خیز بنا لیا ہے۔ نیز اب کلکتہ کے فسادات کے بعد مسٹر جناح کو مطمئن کرنا اب ہمارے لیے ناممکن ہے اور یہی نہیں بلکہ مسلم لیگ کی نشستوں کو اگر خالی رکھا جاتا ہے تو اس سے عوام میں حکومت کے بودا پن اور غیر مستحکم ہونے کا تاثر پیدا ہونا یقینی ہو گا۔ لہٰذا ان پر غیر لیگی مسلمانوں کا تقرر کر دینا چاہیے۔ بہر حال یہ ملاقات فیصلہ کن نہ بن سکی اور اس کے اگلے دن مولانا آزاد نے وائسرائے سے ملاقات کی اور اس میں اس امر پر اصرار کیا کہ خود مسلمانوں کے مفاد میں یہ ضروری ہے کہ ایک مضبوط قومی حکومت قائم کر دی جائے تاکہ وہ پوری طرح سے امن و امان قائم کرنے میں ممد ہو۔"

اس کے بعد ۲۲ اگست ۱۹۴۶ء کو پنڈت جواہر لعل نہرو نے وائسرائے کو ایک خط ارسال کیا جس میں پوچھا گیا تھا کہ اب تاخیر کے کیا معنی ہیں؟ کیا اب آپ ملک کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ پورا سیاسی عمل مسٹر جناح کے انتظار میں رکا پڑا ہے۔

ویول ممکن ہے کہ نہرو کے اس دھمکی آمیز خط کے سامنے سپر نہ ڈالتے لیکن برطانوی لیبر حکومت نے فوری ہدایت کی کہ مسٹر جناح کو راضی کرنے کی کوشش ضرور کرو لیکن یہ خطرہ مول نہ لو کہ اس کوشش میں کانگریس کے تعاون سے بھی ہم محروم ہو جائیں چنانچہ اس حکم کی

بنا بریں وائسرائے نے مسلم لیگ کی ناراضگی سے بے نیاز ہو کر عارضی حکومت کے ارکان کا اعلان کر دیا چنانچہ ۲۴ اگست ۱۹۴۶ کے سرکاری اعلان کے مطابق ہز مجسٹی شہنشاہ نے گورنر جنرل کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبران کے استعفے منظور کر لیے اور مندرجہ ذیل افراد کو ایگزیکٹو کونسلر مقرر کیا۔

۱۔ پنڈت جواہر لعل نہرو
۲۔ سردار ولبھ بھائی پٹیل
۳۔ ڈاکٹر راجندر پرشاد
۴۔ مسٹر آصف علی
۵۔ مسٹر سی راجگوپال اچاریہ
۶۔ مسٹر سرت چندر بوس
۷۔ ڈاکٹر جان میتھائی
۸۔ سردار بلدیو سنگھ
۹۔ سر شفاعت احمد خاں
۱۰۔ مسٹر جگ جیون رام
۱۱۔ سید علی ظہیر
مسٹر کاوس جی۔ ہرمس جی بھابا

دو مزید مسلمان ممبروں کی شرکت کا بعد میں اعلان کیا جائے گا۔

اس موقع پر وائسرائے نے ایک نشری تقریر میں دوبارہ مسلم لیگ کو پیش کش دہرائی کہ منجملہ ۱۴ اراکین ایگزیکٹو کونسل کے ۵ اراکین مسلم لیگ کے ہوں اور ۶ کانگرس کے اور ۳ اقلیتوں کے نمائندے ہوں"۔ اگر لیگ کے نام ایسے دیے جو مجھے اور شہنشاہ معظم کو منظور ہوں تو ان کو فوراً حکومت میں لے لیا جائے گا۔"

بہر حال وقتی طور پر کانگرس کی بالادستی تسلیم ہو گئی اور اس کی حکومت قائم ہو گئی جیسے ہی یہ حکومت قائم ہوئی تو ہوا کا رُخ بدلنے لگا اور بنگال اسمبلی کے اینگلو انڈین اور یورپین گروپ نے جو پہلے حکومت بنگال اور حسین شہید سہروردی کی وزارت عظمیٰ کے پشت پناہ

Scanned with OKEN Scanner

تھے اور کلکتہ کے فسادات میں براہ راست ملوث تھے، مطالبہ شروع کر دیا اور یہ مطالبہ کانگریس اراکین کی ہم نوائی سے شروع کیا گیا کہ "اس وزارت کو فوراً برخاست کیا جائے کیونکہ یہ نظم و ضبط قائم رکھنے میں ناکام رہی ہے"۔

لطف یہ ہے کہ اس مطالبے کے فوراً بعد وائسرائے بہ نفس نفیس کلکتہ پہنچے اور انھوں نے یورپین اور اینگلو انڈین کو ڈانٹ پلائی اور اس مطالبہ سے باز رہنے کی ہدایت کی چنانچہ اس کے بعد ہی یورپین اور اینگلو انڈین پھر سے سہروردی کی وزارت کے حامی و مؤید ہو گئے۔ دراصل برطانوی حکومت مسلم لیگ کو بحیثیت ایک کانگریس دشمن ادارے کے قائم رکھنا چاہتی تھی اس لیے اس کو کمزور کرنا اس کی پالیسی نہ تھی اسی لیے وائسرائے نے سہروردی کی حکومت کو محفوظ بنانے میں پورا کردار ادا کیا۔

وائسرائے کے بیان کے بعد قائداعظم نے اس کے جواب میں ایک طویل بیان دیا اور ساتھ ہی کہا کہ وائسرائے اور پنڈت نہرو سے ملاقاتوں کے دوران واضح کر دیا تھا کہ ایسی صورت میں مسلم لیگ کی مجلس عاملہ اور کونسل سے اپنے فیصلہ کی تبدیلی کی توقع عبث ہے۔

بقول سرپامین قائداعظم نے اپنے اس بیان کے آخر میں کہا :

" اس کے بعد وائسرائے اور کانگریس لیڈروں میں ایک ہفتہ تک میرے بغیر علم و اطلاع کے جو خفیہ مشورے ہوتے رہے اور سوائے اس اعلان کے۔ جو گزشتہ شب ہوا مجھ کو کوئی علم نہیں جس میں عارضی حکومت بننے کا اعلان ہے چونکہ وائسرائے نے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ انھوں نے مجھ کو کیا پیش کش کی تھی اور میرے جواب کا کوئی ذکر نہیں کیا، لہذا میں کل خط و کتابت شائع کرتا ہوں"۔

سرشفاعت احمد پر حملہ

۲۵ اگست ۱۹۴۶ء وائسرائے ہند کی عبوری حکومت کے نامزد ممبر سرشفاعت احمد پر رات آٹھ بجے شملہ میں دو مسلم نوجوانوں نے حملہ کر دیا ہے۔

وہ سیروتفریح سے واپس آرہے تھے کہ دھرنگاہ کے قریب انھیں چھرا گھونپ دیا گیا۔ اس حملہ میں ان کے جسم پر سات زخم آئے۔ سر، سینہ اور گردن کے زخم مہلک تھے انھیں فوراً ہسپتال بھیج دیا گیا۔

اس حادثے کا ذکر کرتے ہوئے سر محمد یامین خاں اپنی کتاب "نامۂ اعمال" کے حصہ دوم کے صفحہ ۱۱۹ پر رقمطراز ہیں :

"شفاعت احمد خاں یہاں شملہ پر چہل قدمی کے لیے حسب معمول ایک تنہا سڑک پر جا رہے تھے کہ پیچھے سے ایک دل جلے کشمیری نوجوان نے گردن پر چھرا دے مارا اور بھاگ گیا۔ گردن پر گہرا زخم لگا اور خون بہت نکلا۔ یہ زمین پر گر گئے اور بے ہوش تھے۔ وہاں سے اٹھا کر ایک قریب کے گھر میں لے جایا گیا اور ان کے بھائی کرنل رحمٰن اور بیگم رحمٰن کو اطلاع ہوئی، وہ فوراً آئے۔

کرنل رحمٰن بہت غصّے میں بھر گئے اور محمد جان کے سامنے جو قریب میں رہتے تھے کہا، اگر شفاعت احمد مر گئے تو میں جناح کو پھانسی دلوا دونگا۔ لوگوں نے سمجھایا کہ ایسی بات نہ کہیے۔

سرجن آ گئے۔ گردن پر ٹانکے لگے اور شفاعت احمد بچ گئے۔ مجھ کو بعد میں معلوم ہُوا کہ سازش اصل میں یہ تھی کہ چوٹ سے زخمی کر کے کھڈ میں دھکیل دیں تاکہ سر کی چوٹ سے یہ معلوم ہو کہ پہاڑ سے گرنے سے موت ہوئی ہے اور تمام ہڈیاں پسلیاں ٹوٹ جائیں گی۔ اگر زندہ بچ جائیں تو بھی آئندہ مفلوج اور بے کار ہو جائیں گے۔

شفاعت احمد حملے سے بچ گئے۔ مگر مسلم لیگیوں میں اس واقعہ سے ڈر پھیل گیا کہ اگر کسی نے غداری[1] کی تو اس کا بھی یہی حشر ہوگا۔"

---

[1] سر شفاعت احمد وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل میں آنے سے پیشتر مسلم لیگ میں شامل تھے

Scanned with OKEN Scanner

سر محمد یامین خاں حکومت برطانیہ کے خطاب یافتہ ہیں اور سنٹرل اسمبلی میں مسلم لیگ کے پارلیمنٹری سیکرٹری رہ چکے ہیں۔ ان کی مندرجہ بالا عبارت سے مترشح ہوتا ہے کہ سر شفاعت احمد پر قاتلانہ حملہ سوچے سمجھے پروگرام کا ایک حصہ تھا۔ جسے سر یامین خاں نے بے نقاب کر دیا۔ ورنہ ہو سکتا تھا کہ شفاعت احمد کے بعد مسٹر آصف علی اور علی ظہیر بھی ایسے حملے کا شکار ہوتے۔ بہرحال اس واقعہ نے حالات کو جس نہج پر پہنچا دیا تھا اس کی واضح نشاندہی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ یہ صورت حال تھی جس پر ہندوستان کے اندر اور باہر مسلم لیگ کی سیاست میں تشدد کی آمیزش کے خلاف خاصی لے دے شروع ہو گئی اور اسی فضا سے متاثر ہو کر مسٹر سہروردی کو اپنی صفائی پیش کرنی پڑی۔

مسٹر سہروردی کا بیان

۱۶ اگست کو راست اقدام کے موقعہ پر کلکتہ اور اس کے گرد و نواح میں جو کچھ ہوا۔ اس کے متعلق بنگال کے وزیر اعظم کی حیثیت سے مسٹر حسین شہید سہروردی نے ۲۶ اگست کو پریس کانفرنس میں کہا:

"ہندوستان کی دو قوموں کے لڑانے کی ذمہ داری برطانیہ پر عائد ہوتی ہے اور فساد کا ذمہ دار ہندو ہے۔ جنھوں نے حکومت برطانیہ کے اشتعال دلانے پر جنگ شروع کی۔ درحقیقت فساد کی بانی کانگریس ہے۔ جو لڑنے پر آمادہ ہو چکی تھی اور ایسی صورت حال پیدا کرنا چاہتی تھی۔ جس کو سامنے رکھ کر بنگال کی وزارت کے خلاف پروپیگنڈہ کیا جا سکے۔ اب جبکہ ہندوستان کی آزادی کے معاملے پر گفت و شنید ہو رہی تھی۔ حکومت ہند دانستہ ہندو اور مسلمان کو لڑوا رہی ہے۔ اس نے دونوں قوموں میں منافرت کی خلیج اس حد تک وسیع کر دی ہے اور انھیں ایک دوسرے کا مخالف بنا دیا ہے تاکہ اسے ہندوستان میں ٹھہرنے کا موقع مل جائے۔ ان حالات میں میری رائے ہے کہ برطانیہ ہندوستان کو چھوڑنا نہیں چاہتا۔"

دراصل سہروردی کا بیان کانگرس ورکنگ کمیٹی کے بیان کے جواب میں بھی تھا۔

Scanned with OKEN Scanner

کانگریس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس

۲۰ / اگست کو نئی دہلی میں مولانا آزاد کے مکان پر آل انڈیا کانگریس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہوا۔ جس میں حسب ذیل قرارداد منظور کی گئی :

" کلکتہ کے فسادات کی تحقیقات کے لیے ایک غیر جانب دار ٹریبونل کا تقرر عمل میں لایا جائے، جسے عوام کا اعتماد حاصل ہو۔

" ورکنگ کمیٹی نے رائے ظاہر کی کہ امن قائم رکھنے اور پُرامن شہریوں کے جان و مال کی حفاظت کے لیے معاملے میں حکومت بنگال ادائے فرض میں بالکل قاصر رہی ہے۔

ورکنگ کمیٹی کے احساسات یہ ہیں کہ اس فساد سے نہ صرف انسانوں کے اجسام مجروح ہوئے ہیں بلکہ عوام کے جذبہ خودداری کو بھی ایسے چرکے لگے ہیں جن کے اندمال کے لیے مدت مدید درکار ہوگی، مگر ان تمام کے باوجود کانگریس ان لوگوں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ بھول جائیں اور درگزر کریں ماضی قریب میں ملک کے مخالف فرقوں کے حق خیر سگالی اور رشتہ محبت کو بڑا نقصان پہنچتا رہا ہے۔ اس کی تلافی کے معاملہ میں اس خوفناک تجربہ سے فائدہ اُٹھایا جائے۔

ورکنگ کمیٹی کی یہ رائے ہے کہ فرقہ وارانہ مسائل کا حل تشدد سے نہیں بلکہ افہام و تفہیم، دوستانہ مذاکرات اور صلح آشتی سے ہی ہو سکتا ہے۔ کسی پارٹی یا کسی فرقے کے جن بے گناہ افراد کو اس فساد میں نقصان پہنچا ہے۔ ورکنگ کمیٹی ان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتی ہے اور مطالبہ کرتی ہے کہ وہ حوصلہ اور صبر کے ساتھ صورت حال کا مقابلہ کریں۔"

قرارداد کے آخر میں بتایا گیا کہ :

" آل انڈیا مسلم لیگ کونسل نے ۲۹ جولائی کو ڈائریکٹ ایکشن کی قرارداد منظور

Scanned with OKEN Scanner

کی۔ اس قرارداد کی تائید میں اشتعال انگیز تقریریں کی گئیں مسلم لیگ کے ذمہ دار ممبروں اور وزیروں نے انتہائی اشتعال انگیز رویہ اختیار کیا۔ اشتہار اور پمفلٹ شائع کیے گئے۔ اخباروں میں مضامین چھپائے، جن سے مسلم عوام کے بہت بڑے حصے کو مشتعل کیا گیا۔

حکومت بنگال نے عوام کے احتجاج کے باوجود ۱۶ اگست کے دن کو تعطیل عام کا اعلان کر دیا جو لوگ اس تعطیل میں شامل نہیں ہوئے وہ سرکاری حفاظت کے حق سے محروم ہو گئے۔

اس روز جلوس نکالے گئے۔ اس میں لوگوں نے بڑے بڑے بانس تلواریں بھالے، خنجر اور کلہاڑیاں اٹھائی ہوئی تھیں۔ مظاہرین ان حالات میں للکار کر لوگوں کو دکانیں بند کرنے کی تلقین کر رہے تھے اور جس کسی نے تعمیل ارشاد کیا، اسے تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ عوام کی حفاظت کے لیے جلوس کے ہمراہ پولیس کا انتظام ناقص تھا۔ چنانچہ قتل و غارت اور لوٹ کا سلسلہ وسیع پیمانے پر شروع ہو گیا۔ کروڑوں روپے کی جائیداد تباہ اور نذرِ آتش کر دی گئی۔"

مسلم لیگ کی عبوری حکومت میں شرکت

کانگریس اس موقع پر کلکتہ کے فسادات کی پوری ذمہ داری مسلم لیگ اور بنگال میں اس کی حکومت پر ڈال کر دراصل مسلم لیگ کے خلاف ایک طرف برطانوی حکومت کو متاثر کرنا چاہتی تھی اور دوسری طرف ویول کے لیے مسلم لیگ کو حکومت میں شمولیت کی کوششوں کو ناکام بنانا چاہتی تھی۔

اس صورت کو قائداعظم بھی اچھی طرح جانتے تھے اور محسوس کرتے تھے کہ اس موقع پر عبوری حکومت کا مورچہ کانگریس کے ہاتھ میں چھوڑ دینا مسلم لیگ کی سیاسی مہم کے نقطہ نگاہ سے نقصان دہ ہو گا۔ وہ اپنی ٹیم عبوری حکومت میں داخل کرنا چاہتے تھے لیکن ان کے راستے میں کئی مشکلات تھیں۔ پہلی مشکل تو یہی تھی کہ مسلم لیگ نے دستور ساز اسمبلی کے ساتھ عدم تعاون کا اعلان کر رکھا تھا۔ کابینہ مشن پلان کے تحت کوئی پارٹی عبوری حکومت میں شرکت کی

Scanned with OKEN Scanner

مستحق اس وقت تک نہ ٹھہرتی تھی جب تک وہ دستور ساز اسمبلی میں بیٹھنا منظور نہ کرے۔
ایک اور بہت بڑی مشکل قائد اعظم کے اس اصول کی وجہ سے تھی کہ مسلم لیگیوں کے علاوہ کسی غیر مسلم لیگی مسلمان کو عبوری حکومت میں نہ لیا جائے۔ پنڈت نہرو اس بارے میں مسلم لیگی لیڈر کی مشکل کو دور کرنے کے لیے ہرگز تیار نہ تھے اور ہر قیمت پر کانگریسی نمائندوں میں ایک مسلمان کو شامل کرنے پر اصرار کرتے تھے۔ تیسری رکاوٹ پنڈت جی ایک اور پیدا کر رہے تھے وہ وائسرائے سے اصرار کر رہے تھے کہ مسلم لیگ سے یہ وعدہ لیے بغیر کہ وہ کانگریس کے ساتھ مل کر ایک ٹیم کی طرح کام کرے گی۔ اسے عبوری حکومت میں شامل نہ کیا جائے کیونکہ ان کے قول کے مطابق اس طرح عبوری حکومت کوئی تعمیری کام کرنے کے بجائے جنگ کا اکھاڑہ بن جائے گی۔

قائد اعظم کے اس اصرار کی وجہ سے کہ صرف مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی نمائندگی کا حق رکھتی ہے جو مشکل پیدا ہوتی تھی۔ وہ عجیب طرح رفع ہوئی۔ نواب بھوپال نے اس مرحلے پر اس مسئلے میں دلچسپی لی اور گاندھی جی کے ساتھ گفتگو شروع کی۔ اور بالآخر انھیں ایک ایسا فارمولا ماننے پر راضی کر لیا جس سے قائد اعظم کا اعتراض رفع ہو گیا۔ فارمولا یہ تھا۔ کانگریس اس بات کو چیلنج نہیں بلکہ قبول کرتی ہے کہ اب ہندوستان کے مسلمانوں کی بہت بھاری اکثریت کی مسلّمہ نمائندہ جماعت مسلم لیگ ہی ہے۔ لہٰذا جمہوری اصولوں کے مطابق مسلمانوں کی نمائندگی کا حق بلا شبہ اسے ہی حاصل ہے لیکن کانگریس اس بات سے اتفاق نہیں رکھتی کہ کانگریس کے اس حق پر کوئی پابندی لگائی جائے کہ وہ اپنی نمائندگی کرنے کے لیے اپنے ممبروں میں سے جسے چاہے اپنا نمائندہ مقرر کر دے۔" یعنی مسلمانوں کی نمائندگی کا واحد حق مسلم لیگ کا ہے لیکن مسلمانوں کے حصے سے الگ اگر کانگریس اپنے کوٹے میں کسی مسلمان کو شامل کرے تو یہ اس کی مرضی۔ اس سے مسلم لیگ کی نمائندہ حیثیت کو چیلنج کرنا ہرگز مقصود نہیں۔ گاندھی جی نے اس پر دستخط کر دیے۔ مسٹر جناح بھی اس پر راضی ہو گئے۔ پنڈت جواہر لعل نہرو نے جب یہ فارمولا دیکھا تو وہ بہت سیخ پا ہوئے اور کہنے لگے کہ گاندھی جی نے کسی غلط فہمی کی بنا پر اس فارمولے پر دستخط کیے ہیں۔ پھر یہ کہا کہ فارمولا کے اصل الفاظ میں رد و بدل کیا گیا ہے بلکہ

Scanned with OKEN Scanner

اس کا ایک پیرا حذف کر دیا گیا ہے لیکن مہاتما جی کے اپنے اصول تھے، وہ غلط بیانی پر آمادہ نہ ہوئے۔ انھوں نے پبلک طور پر اس فارمولے کی ذمہ داری قبول کر لی اور مسلم لیگ کے راستے سے ایک بہت بڑی رکاوٹ دور ہو گئی۔

جہاں تک اس مشکل کا تعلق تھا جو مسلم لیگ کی جانب سے آئین سازی کی پلان کے بائیکاٹ سے پیدا ہوتی تھی۔ لارڈ ویول نے قائد اعظم کو ایک چٹھی میں یہ لکھ دیا کہ مجھے امید ہے کہ آپ مستقبل قریب میں مسلم لیگ کونسل کا اجلاس طلب کر کے پلان کی نامنظوری کے فیصلے پر نظر ثانی کرنے کا بندوبست کریں گے۔ قائد اعظم نے اس کا کوئی جواب نہ دیا اور وائسرائے نے ان کی خاموشی کو نیم رضا تصور کر لیا۔ جہاں تک کابینہ میں ایک ٹیم کی طرح کام کرنے کا تعلق تھا۔ پنڈت نہرو کے اصرار پر وائسرائے نے انھیں گول مول الفاظ میں کہہ دیا کہ کولیشن حکومت دونوں پارٹیوں کے تعاون ہی سے چل سکتی ہے اور مجھے پوری امید ہے کہ عبوری حکومت ایک مضبوط کولیشن کی طرح کام کرے گی۔ ان حالات میں قائد اعظم نے وائسرائے کو اطلاع دے دی کہ وہ وائسرائے کی دعوت کے مطابق عبوری حکومت کے لیے مسلم لیگ کے پانچ نمائندے نامزد کرنے کو تیار ہیں۔

قائد اعظم نے پانچ افراد کی جو ٹیم منتخب کی۔ وہ اکثر لوگوں کی توقعات کے خلاف تھی۔ اس ٹیم میں خواجہ ناظم الدین اور نواب محمد اسماعیل خاں کی شمولیت تقریباً یقینی خیال کی جاتی تھی۔ لیکن قائد اعظم نے اپنا انتخاب کرتے وقت ان دونوں ناموں کو حذف کر دیا اور بنگال کے کسی اور نمائندے کو لینا بھی ضروری نہ سمجھا۔ قائد اعظم نے جو پانچ نام ۱۴ اکتوبر کو وائسرائے کے سامنے پیش کیے وہ حسب ذیل تھے :-

مسٹر لیاقت علی خاں

مسٹر چندریگر

سردار عبدالرب نشتر

راجہ غضنفر علی خاں

مسٹر جوگندر ناتھ منڈل

Scanned with OKEN Scanner

۱۵ر اکتوبر کو وائسرائے نے ان کے تقرر کا اعلان کر دیا۔ ایگزیکٹو کونسل کے تین سابق ممبران کے لیے جگہ خالی کرنے کی خاطر مستعفی ہو گئے۔ دو نشستیں پہلے ہی خالی تھیں اس طرح نئی ایگزیکٹو کونسل کی مقررہ تعداد (چودہ) پوری ہو گئی۔

پنڈت نہرو کو اب یہ غلط فہمی نہ ہو سکتی تھی کہ مسلم لیگ کانگریس کے ساتھ تعاون یا خود ان کے زیر قیادت کام کرنے کے لیے عبوری حکومت میں شامل ہوئی ہے۔ مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کی وہ قرارداد بھی اس مرحلے پر شائع کر دی گئی جس میں صدر کو اختیار دیا گیا تھا کہ وہ عبوری حکومت میں شرکت کرنے کے لیے مسلم لیگ کے نمائندوں کو نامزد کر دیں۔ قرارداد کے الفاظ کا صاف مطلب یہ تھا کہ عبوری حکومت میں شرکت کا فیصلہ اس بنا پر کیا گیا ہے کہ مسلم لیگ کی رائے میں مرکزی حکومت کا میدان کانگریس کے لیے خالی چھوڑ دینا مسلمانوں کے مفاد کے نقطہ نظر سے درست نہ تھا۔

عبوری حکومت کے مسلم لیگی ممبروں نے ۲۶ر اکتوبر ۱۹۴۶ء کو عہدے کے حلف اٹھا لیے اس سے پہلے محکموں کی تقسیم پر بحث ہو چکی تھی۔ وائسرائے نے قائداعظم سے کہا تھا کہ اگر انھوں نے خود کابینہ میں شامل ہونا منظور کیا تو وہ دفاع کا محکمہ انہیں کے سپرد کر دیں گے لیکن اگر وہ خود حکومت میں شامل نہ ہوئے تو اس صورت میں یہ محکمہ سکھ وزیر کو دیا جائے گا قائداعظم نے اس بات کا ذکر اپنی مجلس عاملہ کے اجلاس میں کیا۔ لیکن ان کا خیال تھا کہ ابھی وائسرائے اور حکومت برطانیہ کے ساتھ کئی سیاسی معرکے باقی ہیں۔ لہٰذا ان کے لیے عہدے کی ذمہ داری قبول کرنا درست نہ ہوگا۔ مجلس عاملہ کے ممبر بھی اس خیال سے اتفاق کرتے تھے۔

کانگریسی وزیر جن محکموں کو اپنی دانست میں اہم سمجھتے تھے انھیں چھوڑنے کو ہرگز تیار نہ تھے۔ امور خارجہ کا محکمہ پنڈت نہرو کی خاص کمزوری تھا۔ وہ اسے نہ چھوڑتے تھے امور داخلہ عوام اور اطلاعات کے محکمے سردار پٹیل کے پاس تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اصل سیاسی اہمیت کے محکمے یہی ہیں۔ انھوں نے ان محکموں پر اپنا حق شفعہ قائم کر رکھا تھا۔ لارڈ ویول بڑی مشکل سے مسلم لیگ کو "بچے کھچے" محکمے دے سکے۔ سردار عبدالرب نشتر کو ڈاک اور تار کا محکمہ سپرد کیا گیا۔ راجہ غضنفر علی کو صحت عامہ اور مسٹر جوگندر ناتھ منڈل کو قانون کا محکمہ ملا۔

مسٹر چندریگر کے حصے میں کامرس (تجارت) کا محکمہ آیا۔ لیکن ان "بچے کھچے" محکموں میں ایک محکمہ خزانہ" بھی تھا۔ چوہدری محمد علی اس زمانے میں محکمہ خزانہ کے سب سے سینیئر مسلمان افسر تھے انھوں نے نوابزادہ لیاقت علی خان اور قائداعظم کو مشورہ دیا کہ کانگریسی لیڈر اس محکمے کو محض حساب کتاب کا محکمہ سمجھ کر مسلم لیگ کے حصے میں ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مسلم لیگ کو اس سے انکار نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس محکمے کے ذریعے آپ ہر دوسرے محکمے میں داخل ہو سکتے ہیں اور ہر محکمے کی نگرانی کر سکتے ہیں۔ چنانچہ لیاقت علی خان" فنانس ممبر" مقرر ہو گئے۔

جلد ہی کانگریسی وزیروں کو یہ احساس ہونے لگا کہ انھوں نے" فنانس" کا محکمہ مسلم لیگ کے حوالے کر کے بہت بڑی غلطی کی ہے، اب کسی محکمے کو ایک چپراسی مقرر کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی تب بھی اسے محکمہ خزانہ کی منظوری حاصل کرنی پڑتی تھی۔ ہر محکمے کو اپنے ہر اقدام کے لیے جس میں خرچ کا کوئی سوال پیدا ہوتا تھا فنانس ڈیپارٹمنٹ کے سامنے جواز پیش کرنا پڑتا تھا۔

ایک طرف عبوری حکومت کے مورچے کے لیے کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان یہ کش مکش ہو رہی تھی۔ دوسری طرف ملک کے اندر فرقہ وارانہ فضا سخت مکدر ہو رہی تھی۔ اور خانہ جنگی کے آثار پیدا ہو رہے تھے۔ کلکتہ کے فساد کے دو مہینے کے بعد یعنی ۱۵ر اکتوبر کو مشرقی بنگال کے ضلع نواکھالی میں فساد ہو گیا۔ اس میں جان کا نقصان زیادہ نہ ہوا لیکن وہاں سے کافی تعداد میں ہندوؤں کے بھاگنے کی وجہ سے ہندو اخباروں کو اس کے متعلق بے حد مبالغہ آرائی کا موقع مل گیا۔

نواکھلی کے فسادات

جس انداز سے کانگرس اور مسلم لیگ ایک دوسرے سے متصادم ہو رہے تھے اور سیاسی لڑائی اب مذہب کے حدود میں داخل ہو رہی تھی اس نے پوری سماجی اور معاشرتی زندگی کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا تھا۔ دراصل سیاست اور بالخصوص اوپری طبقوں کی سیاست کا ایک خاصہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے سیاسی مفادات کے لیے عوام کو ابھارتے ہیں، ان کو غصہ دلاتے ہیں مشتعل کرتے ہیں۔

اور ہر لمحہ ان کو خیال ہی، نہیں یقین ہوتا ہے کہ جب چاہیں گے اس اشتعال کے شعلوں پر راکھ ڈال کر بجھا ڈالیں گے وہ یہ فراموش کر جاتے ہیں کہ یہ آگ عام چیزوں کو لگی ہوئی آگ نہیں ہوتی یہ آگ وہ ہے جو انسانوں کے سینے کے اندر روشن ہونے لگتی ہے یہ غصّہ انسانوں کا غصّہ ہوتا ہے یہ اشتعال انسانوں کا اشتعال ہوتا ہے ان کو روکنا آسان نہیں ہوتا۔ چنانچہ "تقسیم کرو اور حکومت کرو" کا جو اسلوب برطانوی حکمرانوں نے اپنایا تھا غیر شعوری طور پر کانگرس اور مسلم لیگ دونوں ہی خود اس کا شکار ہو گئے اور مسلم لیگ چونکہ اقلیت میں تھی اس لیے اس کے لیے یہ ہندو کی نفرت ایک بہت ہی آسان نعرہ کی صورت میں ہاتھ لگ گیا اور اس کے نتائج و عواقب سوچے اور سمجھے بغیر اس کو استعمال کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ شفاعت احمد پر قاتلانہ حملہ اس امر کی واضح نشانی تھا کہ مسلم لیگ کے اندر جمہوری سے زیادہ فاشی اثرات پھیلنے پھولنے لگے ہیں اور فاشسٹ طور طریقے ہمیشہ ردعمل میں فسطائی ہتھکنڈوں کو جنم دیتے ہیں چنانچہ ۱۶ اگست ۴۶ء کو جن فسادات کی شروعات ہوئی تھیں اس کی چنگاریاں جگہ جگہ سلگتی رہیں اور جگہ جگہ شعلے بن کر ارد گرد کے علاقوں اور انسانوں کی بستیوں کو بھسم کرتے رہے چنانچہ کلکتہ کے فسادات کے ٹھیک دو ماہ بعد مشرقی بنگال کا ضلع نواکھلی میں فسادات کے شعلے بلند ہونے لگے اور بقول سر محمد یامین (نامۂ اعمال ص ۱۱۹۳) اس فساد کی ابتدا ایک ہندو ساہوکار کے گھر سے ہوئی جس نے ایک مسلمان کاشت کار کو اپنی حویلی کے باہر لگان نہ دینے کے جرم میں قتل کر دیا اور کہا کہ اس کا خون کالی دیوی پر چڑھا دو۔

اس واقعہ سے مسلمانوں میں اشتعال پیدا ہوا اور وہ ہندو ساہوکار پر چڑھ دوڑے وہ تو فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا لیکن مسلمانوں نے اس حویلی کو جلا ڈالا اور پھر ہندو اور مسلمانوں میں جنگ شروع ہو گئی۔

یہ فساد ۱۶ اگست کے بعد کلکتہ کے ایک ضلع کا بہت بڑا فساد تھا۔ دوسرے روز کے غیر مسلم اخبارات نے اس خبر کو شائع کرتے ہوئے لکھا:-

" نواکھلی کے مسلمانوں نے وہاں کی پندرہ فیصد ہندو اقلیت پر حملہ کر

دیا۔ دیہات تباہ کر دیے، باشندگان کو قتل کر دیا، عورتوں اور بچوں کو اغوا کر لیا۔ مردوں اور بچوں کو زبردستی مسلمان بنا لیا گیا۔ وغیرہ"۔ ان اشتعال انگیز خبروں سے سارے ہندوستان میں سنسنی پھیل گئی۔ اس پر مسلمان رہنماؤں جن میں مولانا ابوالکلام، مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی سرفہرست تھے۔ نواکھلی کے فسادات کی مذمت کی اور برملا کہا:۔

"ان کا یہ فعل لا اکراہ فی الدین کے منافی ہے اور ان کی یہ حرکت دشمنانِ اسلام کے لیے نظیر پیش کر رہی ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے"۔

اس ہنگامہ میں اڑھائی سو کے قریب ہندو ہلاک ہوئے البتہ تبدیلیٔ مذہب اور اغوا کے واقعات ضرور ہوئے اور چند دیہات بھی لوٹے گئے لیکن اتنا نہیں جتنا پروپیگنڈا کیا گیا۔

اس کے بعد ہندوؤں کا ایک گروہ دہلی پہنچا۔ انھوں نے وہاں ہندوؤں کو ہندو دھرم کے نام پر اکسایا۔ سہروردی وزارت مُردہ باد، نواکھلی کا بدلہ لیں گے، جیسے نعرے لگائے گئے۔ یہ آواز مہاتما گاندھی کی پرارتھنا تک جا پہنچی۔ انھوں نے بغیر تحقیق کیے اعلان کر دیا کہ:۔

"نواکھلی میں ہلاک شدگان کی ہمدردی میں اس سال دیوالی کے موقعہ پر چراغاں نہ کرنے چاہئیں"۔

ان کے ان الفاظ نے جلتی پر تیل کا کام کیا کہ کانگریس کا صدر راچاریہ کرپلانی ہندوؤں کی مصیبت سن کر نواکھلی جا پہنچا۔ وہاں اس نے ۲۶ اکتوبر کو حسب ذیل بیان پریس کو دیا۔

"۱: نواکھلی اور ٹپرہ کے اضلاع میں جو حملہ ہوا وہ طے شدہ مسلم پالیسی اور تیاری کے بعد کیا گیا ہے۔ اگرچہ براہِ راست مسلم لیگ نے اس میں حصہ نہیں لیا، تب بھی یہ اس کے پراپیگنڈے کا اثر ہے۔

Scanned with OKEN Scanner

۲: حکام کو پہلے سے اطلاع دے دی گئی تھی، مگر انھوں نے کوئی انتظام نہیں کیا۔ مسلمان افسروں نے چشم پوشی اختیار کی۔ مسلمانوں کا عام خیال تھا کہ ہندوؤں کے خلاف جو کچھ بھی کیا جائے گا، گورنمنٹ کوئی کارروائی نہیں کرے گی۔ مسلمانوں کی طرف سے اجتماعی طور پر ہندوؤں پر ہلہ بولتے رہے۔

۳: سینکڑوں کی تعداد کے لیے جبراً چندہ ۹۰۰ وصول کیا جاتا تھا اور بعض دفعہ کلکتہ کے مصیبت زدگان کے لیے چندہ وصول کرتے تھے۔ مسلم لیگ زندہ باد، لے کے رہیں گے پاکستان کے نعرے لگاتے تھے۔ ہندو آبادی سے یہی کہا گیا کہ یہ لوٹ مار اور قتل کلکتہ میں مسلمانوں کی جانوں کا انتقام ہے۔ جبریہ کلمہ پڑھوانے کے بعد بھی بسا اوقات ہر چیز کو لوٹ لیا۔ ہندو گھروں کی مورتیاں توڑ دیں۔ مندر لوٹ لیے گئے۔ جبریہ شادیاں، زنا بالجبر، ایک جگہ غنڈوں نے عورتوں کو لٹا کر ان کی پیشانیوں کے تلک پاؤں کے انگوٹھوں سے مٹائے۔ پولیس کہتی تھی ہمیں اپنے بچاؤ کے سوا گولی چلانے کا حکم نہیں۔ تاہم ہنگاموں کے باوجود گیارہ بارہ روز کے عرصہ میں صرف پچاس مسلمان گرفتار کیے گئے۔"

(روزنامہ "تیج" دہلی۔ ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۶ء "علمائے حق" ص ۵۰۰)

مذکورہ بالا بیان کو ہندو پریس نے نہایت اشتعال انگیز سرخیوں کے ساتھ شائع کیا۔ جس وقت کلکتہ میں فسادات کے شعلے بھڑکے تھے تو مرکز میں وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کا راج تھا لیکن اب مرکز میں ایک طرح کی کانگریس لیگ حکومت تھی اس لیے اب بہت حد تک فسادات کی ذمہ داری بھی ان پر عائد ہو سکتی تھی اور ان کو بجھانے کا انہی کا ذمہ تھا لیکن اب جو آگ پھیل چکی تھی ان کو بجھانا کوئی آسان نہ تھا۔ چنانچہ ایک طرف گاندھی جی نے نواکھلی کا رخ کیا تو ان کے بعد عبوری حکومت کے چار وزراء بھی اس علاقہ میں جا دھمکے۔

Scanned with OKEN Scanner

لیڈروں کا نواکھلی کا دورہ

گاندھی جی ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو کلکتہ پہنچ گئے تاکہ نواکھلی کے دورے کا پروگرام وضع کریں۔ اس موقع پر سہروردی خود بعض علاقوں میں گاندھی جی کے ساتھ گئے۔ نیز بنگال کے وزیر تجارت شمس الدین احمد تو باقاعدہ سارے دورے میں ان کے ساتھ رہے لیکن فساد تھا کہ پھیلتا ہی جارہا تھا۔ یہ نواکھلی کا فساد اسلم گنج، بیگم گنج، لکشمی پور، رائے پور، نینی سب ڈویژن اور سندیپ تھانہ تک پھیل چکا تھا۔ تقریباً دوسو مربع میل علاقہ اس فساد کی زد میں تھا۔ ان علاقوں میں جانے والے راستوں پر ہندو مورچے قائم کیے ہوئے تھے۔

مہاتما گاندھی کے بعد عبوری حکومت کے چار ارکان پنڈت جواہر لعل نہرو، سردار پٹیل راجہ غضنفر علی اور سردار عبدالرب نشتر کلکتہ پہنچ کر نواکھلی کے دورے پر روانہ ہوگئے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے ہوائی جہاز کے ذریعے فساد زدہ علاقہ کا دورہ کیا۔

بہار میں فساد

ابھی نواکھلی میں صف ماتم بچھی ہوئی تھی۔ نالہ و شیون، آہ و بکا جاری تھا کہ اس کے برابر والے صوبہ بہار میں چیخ و پکار سنائی دینے لگی۔ اس صوبے کے مسلمانوں کی آبادی نواکھلی کے ہندوؤں سے بھی بہت کم اقلیت میں تھی۔

بہار کے ہندوؤں نے نواکھلی کے ہندوؤں سے سازش کر کے صوبہ بہار کے فساد کا آغاز کیا۔ کلکتہ کے سکھ ٹیکسی ڈرائیور بھی ہندوؤں کے ہم نوا ہو کر مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے بہار جا پہنچے۔

یہ ۵ نومبر ۱۹۴۶ء کا ذکر ہے۔ اور عید الضحیٰ کا تہوار تھا۔ جب بہار کا مسلمان ذبح ہو رہا تھا۔ اگرچہ آگ یکم نومبر سے سلگنا شروع ہوگئی تھی، جیسے کہ ۳، ۴ نومبر ۱۹۴۶ء کے روزنامہ "ڈان" دہلی میں یہ خبر شائع ہوئی کہ بہار کے مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہے۔ گھروں کے گھر جلائے جا رہے ہیں۔ مال و اسباب چھین کر انھیں گاؤں سے نکال دیا گیا۔ ریل گاڑیاں روک کر مسلمانوں کو قتل کیا جا رہا ہے۔ خاص کر پٹنہ، بہار شریف، بھاگل پور شہر، مونگھیر کے اضلاع زیادہ متاثر ہوئے۔ فسادات کا سلسلہ ایک ہفتے

Scanned with OKEN Scanner

تک جاری رہا۔

روزنامہ "پرتاپ" لاہور نے بہار کے فساد کے سلسلے میں لکھا کہ یہ کلکتہ اور نواکھلی کا انتقام ہے۔ جن سنگھ اور ہندو مہا سبھا کے رضا کار کھلم کھلا ہاتھوں میں چھرے بندوقیں اور دوسرے ہتھیاروں سے مسلح گاؤں گاؤں پھر کر مسلمانوں کا قتل عام کرتے رہے۔

گڑھ مکیشر کا سانحہ

ہنوز نواکھلی اور بہار کی آگ اپنے جوبن پر تھی۔ ان کے بڑھتے ہوئے شعلے امن اور شرافت کو خاکستر کر رہے تھے۔ شرافت یہاں ماتم کناں تھی۔ کہ ۶ر نومبر کو ضلع میرٹھ کے ایک گاؤں گڑھ مکیشر میں خوفناک فساد کی اطلاع آئی۔

یہ قصبہ ضلع میرٹھ کی معروف اور تاریخی یادگار ہے۔ ہندوؤں کا یہاں ایک تیرتھ بھی ہے۔ کسی زمانے میں دریائے گنگا یہاں سے گزرتا تھا مگر اب تین میل کا راستہ چھوڑ کر پرے ہو گیا ہے۔ اب یہ جگہ ضلع میرٹھ اور ضلع مرادآباد کے درمیان حدِ فاصل ہے۔

کاتک کے مہینہ میں یہاں "اشنان" کا میلہ لگتا ہے۔ گنگا کے کنارے لاکھوں ہندو خیمے اور چھولداریاں لگاتے ہیں۔ ان کا یقین ہے کہ ان دنوں میں گنگا میں اشنان (غسل) کرنے سے تمام پاپ دھل جاتے ہیں۔ عورتیں اور بچے بھی اس میلے میں شریک ہوتے ہیں۔ دیہاتی مرد، عورتیں، بوڑھے اور بچے ہزاروں کی تعداد میں اسی عقیدے سے آتے ہیں۔ چونکہ اس اجتماع کی حیثیت ایک عوامی میلے کی سی ہوتی ہے، لہٰذا مسلمان دکاندار مختلف اقسام کی اشیاء لے کر برائے فروخت یہاں پہنچتے ہیں۔

۶ر نومبر کو ایک تماشہ گاہ سے اس فساد کا آغاز ہوا۔ لیکن سر پامن کہتے ہیں کہ:۔

"ایک مسلمان آفیسر نہر پر الزام لگایا گیا کہ وہ ایک ہندو عورت کو اغوا کر کے لے گیا ہے، پھر اس کو مار دیا گیا"۔ (نامۂ اعمال حصہ دوم ص ۱۲۲۱)

بہر حال بہانہ لبسیار کے مطابق اس میلے میں ہندو مہا سبھا اور جن سنگھ کے ایک مخصوص ٹولے نے کلکتہ اور نواکھلی میں ہندوؤں کے قتلِ عام کا اس قدر چرچا کیا اور اسی کو بہانہ

بنا کر میلے میں شریک مسلمان دکان داروں پر حملہ کر دیا۔ قتل و غارت گری کا یہ سلسلہ رات نو بجے تک رہا۔ اس فساد میں دو سو کے قریب مسلمان مرد عورتیں اور بچے مارے گئے لاکھوں کا مال و اسباب تباہ کر دیا گیا۔ اس کے بعد فسادیوں نے قصبہ گڑھ مکیشر کا رُخ کیا اور مسلمانوں کا جو محلہ سامنے آیا، اسے برباد کرتے چلے گئے۔

ایک اطلاع یہ بھی ہے کہ اکثر ہندو بھی، جو مفسدوں سے مسلمانوں کو بچاتے رہے زخمی ہوئے اور ان اشتعال انگیزیوں کے باعث وہ سراسیمہ ہو کر میلے سے بھاگ نکلے۔ اس قتل و غارت گری پر جمعیۃ علمائے ہند نے تحقیقات کے لیے ایک کمیٹی قائم کی۔ اس رپورٹ میں کہا گیا تھا:۔

"بے رحم قاتلوں کے اس گروہ نے جو انسانیت سوز اور نفرت انگیز حرکات اس قتل عام میں کی ہیں۔ ان کے آثار اور شہادتوں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو نہ انسانیت کا شعور تھا، نہ مظلوموں کے بے یار و مددگار ہونے کا کوئی احساس تھا بس درندگی تھی جو چار سُو پھیلی ہوئی تھی، جوانوں، بوڑھوں، عورتوں اور بچّوں کا قتل عام، زندہ جلانا، بچوں کی تڑپتی ہوئی نعشیں نیزوں پر چڑھانا، بچّوں کو ماؤں کی گودوں میں سے چھین چھین کر انھیں ہلاک کرنا، بوڑھی عورتوں کو چھتوں اور بالا خانوں سے گرا کر ہلاک کرنا، عورتوں کے ساتھ بے رحمانہ اور قابلِ لعنت سلوک کرنا، جو ایک آبرو باختہ غنڈے کے دماغ میں آسکتا ہے۔ گڑھ مکیشر کے فسادیوں کی یہ وہ حرکات ہیں جن پر انسانیت ہمیشہ شرماتی رہے گی۔

اس ہولناک فساد میں راشٹریہ سیوا سنگھ اور جاٹ کانفرنس کی اشتعال انگیزیوں کا بڑا دخل ہے اور اوّل الذکر کی تو شرکت بھی بتائی جاتی ہے۔ اس بیان میں کہا گیا ہے کہ میلہ میں اور قصبہ میں بہت سے ہندوؤں نے اپنے کو خطرے میں ڈال کر مسلمانوں کو بچانے کی کوشش کی اور مختلف طریقوں سے بلوائیوں کے نرغہ سے نکالا اور اس سلسلے میں بعض ہندوؤں کو زدوکوب بھی کیا گیا اور مسلمانوں کو پناہ دینے کے جرم میں ان کے مال و اسباب کو لوٹ

لیا گیا۔ چنانچہ مقامی ہسپتال کے ایک ہندو ڈاکٹر کا مکان اس لیے تباہ کر دیا گیا کہ اس نے بابو نور دین مرحوم اور ان کے بعض رفقاء کو بچانے کی کوشش کی تھی۔"
(روزنامہ "انصاری" دہلی ۲ دسمبر ۱۹۴۶ء)

مجلسِ احرار کے ہفت روزہ افضل سہارن پور نے اسی ضمن میں مورخہ ۲۲ نومبر ۱۹۴۶ء کو مندرجہ ذیل اداریہ لکھا :-

"کانگریس کے صدر منتخب اچاریہ کرپلانی نے حال ہی میں بنگال کے فساد زدہ علاقہ کا دورہ کرنے کے بعد بیان دیا ہے۔ بیان دیتے وقت اچاریہ جی غالباً یہ بھول گئے کہ وہ ہندو مہا سبھا کے نہیں انڈین نیشنل کانگریس کے صدر ہیں، دوسرے عدم تشدد کے سب سے بڑے پرچارک بھی ہیں۔ انھوں نے اپنے اس بیان میں جس قدر ہندو اور مسلم کی اصطلاح بار بار استعمال کی ہے شاید کوئی کٹر مہا سبھائی بھی اگر بیان دیتا تو اس قدر تکرار نہ کرتا۔ مگر یہ بات کتنی افسوسناک ہے کہ اچاریہ جی نے اپنے اس بلند مرتبہ کا بھی خیال نہ کیا۔ فسادات کے اس پر آشوب زمانے میں اچاریہ جی کے بیان نے اس آگ کو ہوا دی جو بنگال میں بھڑک اٹھی تھی جس طرح بنگال کے لوگوں نے یہ سمجھا تھا کہ حسین شہید سہروردی ان کی پشت پناہی کریں گے اسی طرح مسٹر کرپلانی کے بیان سے بہار کے فساد برپا کرنے والے غنڈوں نے شہ پائی یا یوں سمجھو کہ بہار کی اکثریت نے سابق منسٹر بنگال کے اس قول پر عمل کیا کہ اگر مسلم اقلیت کے صوبوں میں مسلمانوں پر مظالم ہوں گے تو میں اپنے صوبہ میں بدلہ لوں گا، یعنی جو کچھ سہروردی کی ذریات نے بنگال میں شروع کر دیا تھا، بہار کے بے گناہ مسلمانوں کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔

کاش کرپلانی جی اپنی غلطی کو محسوس کریں اور وہ یہ سمجھیں کہ ان کے ہاتھ میں ایک قومی انجمن کی عنانِ قیادت ہے، ہندو مہا سبھا کی نہیں۔"

Scanned with OKEN Scanner

ردِّعمل

گڑھ مکیشر کے فساد کا ردِّعمل یہ ہوا کہ ضلع میرٹھ کے مسلمان سخت مشتعل ہُوئے جس کے باعث موضع شاہجہان پور کے مسلمانوں نے گڑھ مکیشر سے آنے والے ہندو یاتریوں کے ایک قافلے کو ختم کر دیا۔ یہ قافلہ پینتیس ہندوؤں پر مشتمل تھا اور ان کے ساتھ جو بیل گاڑیاں تھیں انھیں توڑ پھوڑ دیا۔

○

سہارنپور: بہار اور میرٹھ کے فسادات کی صدائے بازگشت جب سہارنپور پہنچی تو یہاں بھی ایک ہفتہ گرم بازاری رہی۔ چونکہ دونوں طرف برابر آگ لگ رہی تھی اس لیے شہر کا امن خراب ہو کے رہ گیا۔

دہلی اور الٰہ آباد سے بھی انھیں دنوں ہندو مسلم فساد کی اطلاعیں آئیں۔

○

رہنماؤں کے بیان نئی دہلی ۱۱ر نومبر کو مسلم لیگ کے صدر قائدِ اعظم محمد علی جناح نے فرقہ وارانہ فسادات پر حسبِ ذیل بیان جاری کیا۔

" صوبہ بہار میں حال ہی میں جو کچھ ہوا اس قتل و غارت گری کی مثال تمام تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ ہندوستان کے جن صوبوں یا جن علاقوں میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے وہاں کے مسلمان بدلہ یا انتقام لینے کا خیال دل سے نکال دیں۔ اس میں شک نہیں کہ بہار کے واقعات پر فرزندانِ اسلام کے دل خون کے آنسو رو رہے ہیں۔ مسلمان غصے میں بھرے ہُوئے ہیں۔ انھیں بہت بھڑکایا گیا ہے۔ تاہم اعلیٰ اخلاق اور تعلیماتِ اسلامی کا تقاضہ ہے کہ بہار اور ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہُوا ہے اس کا بدلہ نہ لیا جائے اگر خدانخواستہ ہم دشمنوں کے ہاتھوں کھلونا بن گئے اور بدلہ لینے

Scanned with OKEN Scanner

پہ اُتر آئے تو اس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ ہم پاکستان کا حق کھو دیں گے۔"
(روزنامہ انقلاب لاہور - ۱۴ نومبر ۱۹۴۶ء)

اسی روز قائداعظم نے نئی دہلی سے ایک اور بیان جاری کیا جسے مسلم لیگ کے آفیشل آرگن روزنامہ "منشور" دہلی نے ۱۴ نومبر ۱۹۴۶ کے شمارہ میں نقل کیا۔

" اقلیت کے صوبوں میں مسلمانوں پر بے پناہ مصائب توڑے گئے اور ان کا جو قتل عام ہوا اور جس طرح ان پر سفاکانہ مظالم ہوئے وہ رائیگاں نہیں جائیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ قربانی ہمارے مطالبۂ پاکستان کو مسلّمہ کردیگی جو لوگ مارے گئے یا مجروح ہوئے یا جن کا مالی نقصان ہوا، اب ان کو تسلی دینی چاہیے کہ انھوں نے ہماری آزادی اور حصولِ پاکستان کے ساتھ اپنا حق ادا کر دیا۔"
(علماء حق صد ۵۱۱، ۵۱۰)

<u>مہاتما گاندھی کا خط اہل بہار کے نام</u>

" یہ کہہ دینا آسان ہے کہ بنگال میں مسلم لیگ کی حکومت کے تحت جو حالات پیش آئے وہ اگر بہار کے حالات سے بدتر نہیں تو بہتر بھی نہیں اور بہار میں جو کچھ ہوا وہ بنگال کے واقعات کا نتیجہ تھا لیکن ایک فریق کا طرزِ عمل فریق مخالف کے ویسے ہی عمل کے لیے وجہِ جواز نہیں بن سکتا۔

کیا جوابی فرقہ پرستی اسی فرقہ پرستی کا صحیح جواب ہے؟ جس کے لیے کانگریس مسلم لیگ کو ملزم ٹھہرا رہی ہے۔ کیا بہار کے چودہ فی صد مسلمانوں کو وحشیانہ طریق پر تباہ کرنے کی کوشش کرنا نیشنلزم ہے۔

بہاری ہندوؤں کا فرض ہے کہ مسلم اقلیت کے ساتھ بھائیوں کا سا سلوک کریں اور ان کی حفاظت اسی طرح کریں جس طرح ہندو اکثریت کی حفاظت ضروری ہے۔ بہار نے کانگریس کے وقار کو بلند کرنے میں بڑا حصہ لیا ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ یہی صوبہ سب سے پہلے کانگریس کی

Scanned with OKEN Scanner

توہین بنے۔

ہزاروں کا سینکڑوں کو مارنے پر تُل جانا، بہادری نہیں، یہ عمل بُزدلی ہے بلکہ ہر مذہب کے لیے باعثِ ننگ ہے۔"

(روزنامہ "انقلاب" لاہور ۱۰ نومبر ۱۹۴۶)

مولانا حسین احمد مدنی صدر جمعیتہ علمائے ہند

" بہار میں مسلمانوں پر قتل و غارتگری کا جو سیلاب اُمڈ آیا ہے وہ حد درجہ افسوسناک اور قابلِ نفرت ہے۔ قوم پرور ہندوؤں کا فرض ہے کہ وہ اس غنڈہ ازم کو روکیں اور حکومتِ بہار اپنے اعلانات کے مطابق ان کا پوری طرح انسداد کرے۔ مسلم اقلیت کے صوبہ میں یہ غنڈہ گردی اکثریت کے لیے شرمناک ہے۔ نواکھلی کے واقعہ کو بہانہ بنا کر دوسرے صوبوں کے بے گناہ انسانوں پر قتل و غارت گری روا رکھنا شرافت اور انسانیت سے بعید ہے۔"

(روزنامہ "انقلاب" لاہور۔ ۱۰ نومبر ۱۹۴۶ء)

مولانا ابوالکلام آزاد

" اب عمل کا وقت ہے، باتیں بنانے یا مضمون لکھنے کا نہیں۔ بہار میں جو خوفناک مصیبت نازل ہوئی ہے، وہ انسانیت پر بے پناہ حملے کے مترادف ہے۔ یہ خطرناک سانحہ ہے، جسے ہم روک نہیں سکتے۔

میں جو کچھ عوام کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ اب زیادہ مصلحت اختیار کرنے کا موقعہ نہیں مل سکے گا۔ اب حکومت کے سامنے ہزارہا پناہ گزینوں کا مسئلہ ہے۔ حکومت ان پناہ گزینوں کی ضرورت پوری کرنے کی پوری پوری کوشش کر رہی ہے۔

(روزنامہ انقلاب لاہور۔ ۱۱ نومبر ۱۹۴۶ء)

ڈاکٹر راجندر پرشاد

" اگر ہندو یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کو دبا کر وہ امن کی زندگی بسر کر سکتے

Scanned with OKEN Scanner

ہیں تو وہ سخت غلطی پر ہیں۔ ان ہندوؤں میں اکثر ایسے ہیں جو اضطراب و پریشانی کے باعث سو نہیں سکتے۔ اس لیے کہ انھیں جانوں کا خطرہ ہے یہ اس کا نتیجہ ہے جو انھوں نے بہار میں مسلمانوں کے ساتھ کیا۔

(روزنامہ انقلاب لاہور ۱۲ نومبر ۱۹۴۶ء)

پنڈت جواہر لعل نہرو

۱۴ نومبر ۱۹۴۶ء کو مسٹر مدن دھاری سنگھ اور مسٹر عبدالرحمٰن صدیقی نے پنڈت جواہر لعل نہرو سے سوال کیا کہ:-

"وزراء نے بنگال اور بہار کے ان علاقوں کا معائنہ کیا جہاں فسادات ہوئے وہاں کی کیا کیفیت ہے"؟

پنڈت جواہر لعل نہرو نے دونوں کا ایک ساتھ جواب دیا۔

"اخبارات ان فسادات اور قتل و غارت کے حالات سے بھرے پڑے ہیں جو واقعات ہوئے گورنمنٹ ان کو چھپانا نہیں چاہتی۔ اسمبلی کو پورے حالات بتانا ضروری ہے تاکہ وہ انسداد کا طریقہ اختیار کر سکے۔ حالات نہایت خراب ہیں لیکن اخبارات جس طرح بڑھا چڑھا کر مبالغہ کے ساتھ خبریں شائع کرتے ہیں ان سے اور زیادہ اشتعال پیدا ہوتا ہے۔ غلط خبریں بہت جلد ملک میں پھیل جاتی ہیں۔ ہم کو بدامنی اور فساد میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ فرقہ وارانہ فسادات کا تجزیہ کرنے کے لیے پچھلے واقعات کو ظاہر کرنا ہوگا چونکہ زنجیر کی ایک کڑی دوسری سے وابستہ ہے۔ نفرت کا سبق اور تشدد اپنے زہریلے پھل لاتے ہیں۔ ہوا ہونے سے آندھی آتی ہے۔ جب سے عارضی گورنمنٹ نے حکومت کی باگ سنبھالی، وہ انھیں فرقہ وارانہ فسادات کا مقابلہ کرنے میں مشغول ہے ہم نے کلکتہ کے فسادات کے جو ۱۶ اگست کو شروع ہوئے کئی دن بعد حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ اگرچہ قانوناً صوبائی معاملات میں گورنر جنرل ان کونسل کو

مداخلت کا اختیار نہیں ہے، صرف گورنر جنرل کو ہے۔ تاہم ہم نے یہ خیال کرکے کہ ملک ہم سے رہنمائی کی توقع رکھتا ہے، ہم نے جو کچھ مدد کر سکتے تھے کی۔ تمام فسادات کے دوران خواہ وہ کلکتہ میں ہوئے یا نواکھلی میں یا مشرقی بنگال یا بہار میں، گورنمنٹ اس کوشش میں رہی کہ اس خطرہ سے ملک کو جو ملک بھر میں پھیل چلا ہے اپنی ذمہ داری سے بچائے۔

فسادات کا آغاز کلکتہ میں قتل سے ہوا۔ پھر نواکھلی و مشرقی بنگال میں پھر بہار میں قتل و غارت ہوئی جو نہایت شدید ہوئی۔ اب بہار کا نمبر درندگی اور مار دھاڑ میں سب سے آگے ہے۔ اس میں دوڑ ہے کہ قتل اور درندگی میں کون سبقت لے جاتا ہے۔ اگر اس کو روکا نہ گیا تو ہمارے ملک کا مستقبل نہایت تاریک نظر آتا ہے۔ اس کو روکنے کے لیے پبلک کو کوشش کرنی چاہیے کہ نفرت کو اور تشدد کو پھیلنے سے روکے ورنہ ہماری ساری سیاسی و معاشرتی ترقی اس سے ختم ہو جائے گی۔ ابھی میں نے بہار میں دیکھا ہے کہ وہاں کے سیدھے اور خوش مزاج دیہاتی کس قدر جانورپنے کا برتاؤ کر سکتے ہیں اور ان کا دماغ نفرت کے اشتعال سے کس قدر خراب ہو سکتا ہے۔ کلکتہ میں بہت سے بہاری مارے گئے تھے اور جب ان کے رشتہ دار بہار واپس آئے تو انھوں نے گاؤں گاؤں افواہیں پھیلائیں جس سے بہار کے لوگ نہایت مشتعل ہو گئے۔ پھر نواکھلی اور مشرقی بنگال کی خبریں آئیں۔ ان خبروں میں خاص کر ان خبروں نے کہ عورتوں کو اغوا کیا گیا۔ اور زنا بالجبر کیا گیا اور بہت سے لوگوں کو زبردستی مسلمان کر لیا گیا، بہت جوش پھیلا دیا۔ لوگ عارضی گورنمنٹ سے امید کرتے رہے کہ وہ اس کا انسداد کرے گی لیکن آخیر میں مایوس ہو کر نکتہ چینی کرنے لگے۔ بہار میں کئی فسادات اکتوبر میں ضلع چھپرا دشہر بھاگل پور میں ہوئے۔ ان کو روکا گیا لیکن ۱۲ر اکتوبر کو بہت بڑے پیمانے پر مونگیر، گیا اور پٹنہ کے اضلاع میں شروع ہوئے۔

Scanned with OKEN Scanner

درحقیقت یہ شورش کچھ لوگوں کی نہیں تھی بلکہ کل آبادی شہری اور دیہاتی ایک ساتھ قتل و غارت، آتشزدگی، مکانات کی مسماری اور لوٹ میں لگ کھڑی ہوئی۔ ایسے موقعوں پہ ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ بدمعاملوں کا گروہ آگے آگے ہوتا ہے اور وہی لوگ غدر برپا کیا کرتے ہیں۔ اس کے فرو کرنے میں وسائل اور ذرائع کی کمی اور پانی اور دلدل سے بھرے ہوئے رستوں نے مشکلات میں اضافہ کر دیا۔

یہ غدر ایک ہفتہ تک رہا اور جیسے دفعتاً شروع ہوا تھا ویسے ہی دفعتاً ختم ہو گیا۔ اس غدر کا جو وسیع پیمانے پہ شروع ہوا تھا، بہت اضلاع میں پھیلنے کا اندیشہ تھا لیکن یہ حیرت انگیز امر ہے فوج تو بعد میں آئی اور اس نے بھی بدامنی کو فرو کرنے میں مدد دی لیکن اس غدر کے دفعتاً ختم ہونے کی یہ وجہ ہوئی کہ بہار کے لیڈر ہر جگہ پھیل گئے اور پبلک کے سامنے آ گئے۔ نیز مہاتما گاندھی کی دھمکی نے کہ وہ مرن برت شروع کر دیں گے۔ بڑا اثر کیا۔ مبالغہ آمیز خبریں فساد میں مارے جانے والوں کی اور فوج کی گولیوں سے مارے جانے والوں کی شائع ہوئی ہیں۔ بہرحال یہ فی الحال نہیں بتایا جا سکتا کہ اصل تعداد مرنے والوں کی کیا ہے۔ خوف زدہ لوگوں نے جن کا سب کچھ جاتا رہا اور اس لیے دماغی توازن خراب ہو گیا ہے انھوں نے بھی اپنے خیالات اس طرح بیان کیے ہیں کہ ان سے بھی مبالغہ ہو گیا ہے۔ بہار میں ایک ہفتہ کے بعد امن ہو گیا اور اب حالات معمول پر آ گئے ہیں اور لوگ (مسلمان) اپنے گھروں کو واپس آنے پہ آمادہ ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ان کو کس طرح بسایا جائے (گھر تو سب خاکستر کر دیے گئے) بہار گورنمنٹ نے ان بے گھرے لوگوں کو جو نکال دیے گئے ہیں، ٹھہرانے کا، خوراک کا اور دوا کا انتظام اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مالی امداد بھی بسانے کے واسطے دی جائے گی۔ میں جیسا کہ پہلے کہہ چکا ہوں

Scanned with OKEN Scanner

نواکھلی کی خبروں کا بڑا اثر بہار پر پڑا اور دیگر حصص ملک پر بھی ہے۔ میں مشرقی بنگال کی موجودہ حالت ٹھیک طور پر نہیں بتا سکتا۔ لیکن معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ ان عورتوں کو واپس کیا جا رہا ہے، جن کو اغوا کر کے زبردستی مسلمان بنایا گیا ہے۔ یہ نہایت ضروری اس لیے ہے کہ اس کا اثر ملک کے دوسرے مقامات پر ہو رہا ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ جلد از جلد ان عورتوں کو ان کے مردوں کو واپس کر دیا جائے۔ اس کے بعد ہی مشرقی بنگال میں بسانے کا کام شروع ہوگا۔ صوبائی گورنمنٹوں کا یہ فرض ہے کہ وہ ان مصیبت زدگان کی پوری امداد کریں اور پوری حفاظت کا اطمینان دلائیں۔"

خواجہ ناظم الدین

مسلم لیگ کے دیگر ارکان نے ۱۰ نومبر کو کلکتہ پہنچ کر بیان دیا کہ :-

"حکومت بہار مسلمانوں کے جان و مال کی حفاظت کرنے میں سخت ناکام رہی ہے۔ قتل و غارت کا سلسلہ ۸ نومبر تک جاری رہا۔ وزیر اعلیٰ بہار کے اس بیان نے فسادی عناصر کی مزید حوصلہ افزائی کی کہ میں اپنے ہم وطنوں پر گولی نہیں چلا سکتا۔"

نواکھلی میں جانی و مالی نقصان

۲۰ نومبر کو کونسل آف سٹیٹ میں سوالات کا جواب دیتے ہوئے قائد ایوان سردار عبدالرب نشتر اور ڈاکٹر راجندر پرشاد نے کہا :-

"نواکھلی میں فرقہ وارانہ فساد کے سلسلہ میں اگرچہ پورے اعداد و شمار فراہم نہیں ہوئے تاہم اندازہ لگایا گیا ہے کہ تین سو کے قریب بے گناہ لوگ ہلاک ہوئے ہیں۔ نیز بہار میں جو لوگ ہلاک ہوئے ان کی تعداد دس ہزار سے اوپر ہو چکی ہے۔ جائیدادوں کا اندازہ جو تباہ ہوئی ہے کروڑوں کا ہے اسی طرح ایک لاکھ سے زائد بے گھر ہوئے۔"

Scanned with OKEN Scanner

(روزنامہ "انقلاب" لاہور۔ ۲۲ نومبر ۱۹۴۶ء)

تجزیہ نگار اور مؤرخ کے لیے لازم ہے کہ وہ جذبات سے ماوری ہو کر سچائی کو بیان کرے۔ ورنہ مستقبل کی راہوں میں ایسا اندھیرا چھا جائے گا کہ صحیح راستے کی تلاش مشکل ہو جائے گی لیکن اوپری طبقے کے سیاست دان اپنے طبقے کے موقف کو اتنے اصرار سے بیان کرتے اور ذرائع ابلاغ عامہ ان کو اس تواتر کے ساتھ شائع کرتے ہیں کہ سچائی اس میں دب کر رہ جاتی ہے اور ان کا موقف ہی سچ اور حقیقت نظر آنے لگتی ہے۔ چنانچہ اگر سچ تلاش کیا جائے تو مسلم لیگ کی ڈائریکٹ ایکشن کو سہروردی کی بنگال وزارت نے جس طرح منایا اس نے فسادات کی راہ کھول دی۔ کیونکہ اگر ۱۶ اگست ۱۹۴۶ء کا ڈائریکٹ ایکشن ڈے اگر مسلم لیگ کسی ضابطے اور پروگرام کے تحت مناتی تو یقیناً نوا کھلی کے بعد بہار، گڑھ مکیشر کے مسلمانوں کا اس قدر جانی اور مالی نقصان نہ ہوتا۔

ان دونوں مسلم اکثریت کے صوبوں میں شمال مغربی صوبہ سرحد میں کانگریس وزارت تھی پنجاب میں یونینسٹ وزارت تھی اور سندھ میں مسلم لیگ کی وزارت صرف دو ووٹوں کی اکثریت پر قائم تھی لیکن بنگال میں خالص لیگی وزارت تھی۔ اگر وہاں کے وزیراعظم حسین شہید سہروردی ۱۶ اگست کا دن جذبات سے نہیں اپنے تدبر سے مناتے اور اس دن بنگال میں سرکاری چھٹی کا اعلان نہ کرتے تو اقلیت کے صوبوں میں مسلمانوں کا خون ضائع نہ ہوتا۔ حالانکہ مسلم لیگ کے صدر قائداعظم محمد علی جناح نے واضح طور پر یہ ہدایت فرمائی کہ:

> "مسلمانوں کے ہاتھ اور زبان سے کسی فرد کو کوئی نقصان نہ ہو۔ اس دن کو منانے کا ہمارا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ ہم برطانیہ کو یہ دکھا سکیں، کہ ہمیں ان کے طریقے پسند نہیں جس سے مسلمانوں کو حصول پاکستان سے دور رکھا جا رہا ہے۔"

قائداعظم کی اس واضح ہدایت کو نظرانداز کرتے ہوئے بنگال مسلم لیگ کے ذمہ دار ارکان نے جو رویہ اختیار کیا اس کے باعث خونِ مسلم کی ارزانی ہی نہیں ہوئی بلکہ ہندو مسلم منافرت کی ایسی ابتدا ہوئی جو پھر سالہا سال تک رو کے بھی نہ رک سکی۔

Scanned with OKEN Scanner

اقربا میرے کریں خون کا دعویٰ کس پر

پنجاب میں فساد کی تیاریاں

ان دنوں پنجاب میں راشٹریہ سیوا سنگھ اپنے اپنے محلّوں، شہروں اور علاقوں میں ہندو نوجوانوں کو چھُرے، چاقو اور خنجر چلانے کی تربیت دے رہی تھی۔

۱۵ر نومبر کو پنجاب کے وزیرِ اعظم سر خضر حیات ٹوانہ نے پنجاب بھر کے اخبارات کو انتباہ کیا کہ وہ پنجاب میں فرقہ وارانہ جذبات کی ذمہ داری اپنے پر نہ لیں۔ اس سلسلہ میں حکومت پنجاب نے روزنامہ پرتاپ اور روزنامہ زمیندار کو تین تین ہزار روپیہ کی ضمانتیں ضبط کرکے انھیں دس دس ہزار کی نئی ضمانتیں داخل کرنے کو کہا گیا۔ روزنامہ "پرتاپ" پر الزام تھا کہ اس نے لدھیانہ میں فساد کی خبر شائع کی تھی اور "زمیندار" پر بہار کے فساد کی تفصیل شائع کرنے کا الزام تھا۔ ۱۹ر نومبر کو گورنر پنجاب نے پنجاب میں تحفظِ امنِ عامہ کا آرڈی ننس جاری کر دیا۔

یومِ بہار

بہار کے صوبہ میں مسلمانوں کا جو مالی اور جانی نقصان ہُوا اسے متحدہ ہندوستان کی سبھی مسلمان جماعتوں نے مشترک طور پر محسوس کیا۔ مسلم لیگ کے صدر قائدِ اعظم محمد علی جناح نے ایک فنڈ قائم کرکے لاکھوں روپے جمع کرکے بہاری مسلمانوں کی امداد کی پنجاب مسلم لیگ نے طبی وفد بہار بھیجا، جس کی رہنمائی میاں افتخار الدین اور نواب ممدوٹ کے سپُرد تھی۔

سرحد سرخپوشوں کے رہنما خاں عبد الغفار خاں خدائی خدمتگاروں کی جماعت کے ساتھ بہار پہنچے۔ جمعیۃ علمائے ہند کا وفد سید محمد میاں کی معیت میں بہار گیا۔ خاکسار بھی پہنچے۔

مجلسِ احرار ہند نے ۱۹ر نومبر کو سارے ہندوستان میں یوم بہار منانے کا اعلان کرتے ہوئے مسلمانانِ ہند سے اپیل کی کہ بہار کے مصیبت زدگان کے لیے گرم کپڑے، اناج اور مالی امداد کی سخت ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ ہی احرار رہنماؤں کا ایک وفد جس میں

Scanned with OKEN Scanner

شیخ حسام الدین، ماسٹر تاج الدین انصاری، آغا شورش کاشمیری اور جیوش احرار کے سالار چودھری معراج دین شامل تھے، بہار پہنچا۔

غرضیکہ پورے ہندوستان کا مسلمان بہار کے فسادات میں ہونے والے مظالم کے خلاف سراپا احتجاج ہی نہیں بنا بلکہ اس نے دامے درمے امداد کے لیے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی لیکن اس سے ایک بات واضح ہوگئی کہ اب مسلم قوم پرستی اور مسلم ہمدردی کی نیو ہندو دشمنی اور نفرت پر اُٹھ رہی ہے۔ یہ ہے وہ کُنجی جو اس دَور کی پیچیدہ سیاست کا معمّہ حل کرتی ہے، دونوں نیشنلزم اب نفرت اور رنجشوں کی آماجگاہ بن گئے تھے۔

ذخیرہ کتب
انیس نقوی
03142893816

Scanned with OKEN Scanner

باب ۱

مسلم لیگ اور برطانوی مفادات

فسادات کی رودیداد میں نے قدرے تفصیل سے اس لیے بیان کی ہے تاکہ میں اپنی نوخیز اور نوجوان نسل کو پورے سیاق و سباق کے ساتھ یہ سمجھا سکوں کہ آج بھی ہم اٹھتے بیٹھتے ہندوستان سے محاذ آرائی کی جو باتیں کرتے ہیں اور اس مقصد کے لیے دھڑا دھڑ اسلحہ جمع کرتے رہتے ہیں اور فوجوں کو زبردست تقدس بخش دیتے ہیں اور ادھر ہندوستان والے بھی بھوک برداشت کرنے پر تیار ہیں لیکن اسلحہ کے حصول میں دوڑے جا رہے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ "پاکستان کی طرف سے حملے کا خطرہ ہے"۔ یہی نہیں آج بھی وہاں جگہ جگہ ہندو مسلم فسادات اور سکھ ہندو فسادات کے شعلے بھڑکتے دکھائی دیتے ہیں تو یہ جو کچھ آج ہو رہا ہے اس کی پشت پر ہمارے کانگریس اور لیگ کے قائدین کی سو برس سے زائد غلط سیاست کا نتیجہ ہے ہمارے اوپری طبقوں یعنی دونوں ملکوں کے اوپری طبقوں نے جنگ آزادی لڑنے کا جو طریقہ اپنایا تھا جو اسلوب انھوں نے اختیار کیا تھا اس کا لازمی نتیجہ انہی فسادات اور قتل و غارت کی صورت میں نکل سکتا تھا اور نکلا۔ اس میں نہ تو کانگریس اور ہندوؤں کو کلیتہً ذمہ دار قرار دے سکتے ہیں اور نہ ہی مسلم لیگ اور مسلمانوں کو تن تنہا ذمہ دار قرار دے سکتے ہیں۔ لیکن ایک بات جو نئی نسل کو یاد رکھنی چاہیے کہ اس وقت بھی کچھ آوازیں، کچھ جماعتیں ایسی نفرت انگیز صورت حال کی نشان دہی کر رہی تھیں لیکن اس وقت کسی نے یہ بات نہ سنی اور آج بھی ہمارے یہاں ان جماعتوں کو غدار اور راندۂ درگاہ جو کہا جاتا ہے تو یہ اسی نفرت، بغض اور عناد ہی کا نتیجہ ہے۔ اس لیے آج کے قاری کو اگر تاریخ کو صحیح انداز سے پڑھنا ہے تو اس کو اپنے دماغ کو تمام غلط مفروضوں سے آزاد کرنا ہوگا۔ یہ جو کچھ اس برصغیر میں ہوا وہ اس قدر بھیانک،

اس قدر المناک اور اس قدر گھناؤنا تھا کہ آج بھی جو لوگ اس کے متعلق سوچتے ہیں تو ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور میں قاری کی توجہ بار بار اس طرف مبذول کرواتا ہوں تو اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ میں یہ بات واضح کر سکوں کہ اوپری طبقے جب بھی سیاست کرتے ہیں تو ان کے مفادات عامۃ الناس کے مفادات نہیں ہوتے بلکہ وہ ایک اقلیت کے مفاد میں کام کر رہے ہوتے ہیں جس کی وہ صحیح معنوں میں نمائندگی کرتے ہیں۔ اس میں لیڈروں کے ذاتی تقدس ان کی ذہانت اور ان کی اصول پسندی کا مسئلہ نہیں ہوتا بلکہ غیر شعوری طور پر ان کی فکر اور سوچ ہی محدود ہوتی ہے لیکن سب سے بڑی اور اہم بات جو ہوتی ہے وہ اس اقلیت کے نمائندوں کو اپنی بات ایسے اسلوب اور ایسے انداز میں کرنا ہوتی ہے جس سے وہ عامۃ الناس کو متحرک اور اپنے مطالبات کی طرف متوجہ کر سکیں اور ان مطالبات میں بھی وہ اس قسم کی کشش پیدا کرنے میں مصروف ہوتے ہیں جس سے عامۃ الناس کو زیادہ سے زیادہ جاذبیت پیدا ہو سکے۔

اب پاکستان کا مطالبہ مسلمان عوام کو بھی گرما رہا تھا لیکن قائدین کو خود بھی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان کا اصل مقصد عوام کی بہتری اتنی نہیں ہے جتنی کہ ان کے اپنے طبقے کے مفادات کی حفاظت ہے پاکستانی تحریک کی قیادت بالعموم زمین دار طبقے اور ان کے نمائندوں کے ہاتھ میں تھی۔ یہاں پر کچھ لوگ سوال کریں گے کہ کئی ایک لوگ ایسے بھی تھے جن کی زمینداری نہیں تھی۔ سوال زمینداری ہونے یا نہ ہونے کا نہیں ہوتا بلکہ سوال اس ذہنیت، اس نفسیات کا ہوتا ہے جو ایک مخصوص معاشرہ پیدا کرتا ہے۔ اب خود جناح صاحب ایک تاجر خوجہ خاندان سے متعلق تھے۔ ان کا زمینداری سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں رہا۔ چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۳۵ کے انڈیا ایکٹ سے پہلے جناح صاحب کا انداز سیاست ایک ایسے کل ہند لیڈر کا تھا جو مرکز کے نکتہ نظر سے سوچتا تھا اس لیے وہ اس دور میں زمینداروں کی سوچ سے دور رہے اسی لیے وہ مخلوط انتخاب بھی مانتے رہے وہ ہندوستان کو ایک قوم بھی تصور کرتے رہے اور اسی سوچ کے دائرے میں وہ خود مسلمانوں کے حقوق کی بات کرتے تھے اور یہی وہ بنیاد تھی جس کی بنا پر ان کا اور شفیع لیگ اور علامہ اقبال سے اختلاف رہا لیکن ۱۹۳۵ء کے انڈیا ایکٹ کے بعد جب اختیارات کا معتد بہ حصہ صوبوں کو منتقل ہو گیا تو اس تبدیلی کو

Scanned with OKEN Scanner

محسوس کرتے ہوئے ان کو خاصی دیر لگی چنانچہ ان کی غیر زمینداری سوچ ہی تھی جس نے صوبوں میں غیر زمیندار جماعتوں سے رابطہ قائم کر کے ابتدائی پارلیمانی بورڈ بنانے پر مجبور کیا۔ چنانچہ پنجاب میں مجلسِ احرار اور اتحادِ ملت سے مل کر انھوں نے پارلیمانی بورڈ بنایا۔ یوپی اور سی پی میں جمعیتہ العلماء ہند سے انھوں نے تعاون کیا اور جب ۱۹۳۷ء میں انتخاب کے نتائج برآمد ہوئے تو مسلم لیگ کو جو کامیابی ہوئی وہ جمعیت العلماءِ ہند کی حمایت ہی کی وجہ سے تھی لیکن جن جن صوبوں میں یہ پارلیمانی بورڈ کامیاب نہ ہوئے وہاں مسلم لیگ کو زبردست شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ پنجاب اس کی سب سے بڑی واضح مثال ہے

۱۹۳۷ کے انتخابات میں

یوپی کی نئی قانون ساز اسمبلی میں مسلمان ارکان کی تعداد

نام سیاسی جماعت		تعداد ارکان	
مسلم لیگ	.. ..	۲۹	ایک مخصوص نشست
آزاد	.. ..	۲۴	
کانگریس	.. ..	۱	
این۔ اے۔ پی۔ اے (نیشنل ایگریکلچرل پارٹی آف آگرہ)		۷	
این اے پی او (نیشنل ایگریکلچرل پارٹی آف اودھ)		۳	
کل		۶۴	

اس قانون ساز اسمبلی میں غیر مسلم ارکان کی تعداد ۱۴۰ تھی جبکہ ۲۴ غیر مسلم ارکان مخصوص نشستوں پر کامیاب ہوئے اس طرح کُل ۱۶۴ غیر مسلم ارکان تھے۔

جماعتوں کی بنیاد پر غیر مسلم ارکان کی تعداد اس طرح ہے

نام سیاسی جماعت	تعداد ارکان	
کانگریس	۱۳۴	(۸ مخصوص نشستیں)
این اے پی اے	۶	(۳ مخصوص نشستیں)
این اے پی او	۹	(۳ مخصوص نشستیں)

Scanned with OKEN Scanner

لبرل	۱	(مخصوص نشست)
آزاد	۱۴	(۸ مخصوص نشستیں)
کل	۱۶۴	

۱۹۳۷ کے انتخابات میں

مسلم لیگ کو حاصل ہونے والی نشستوں کی صوبہ وار تفصیل

نام صوبہ	کل مسلم نشستیں	مسلم لیگ کی حاصل کردہ نشستیں	شرح
مدراس	۲۸	۱۱	۳۹
بمبئی	۳۹	۲۰	۵۱
بنگال	۱۱۹	۳۷	۳۱
یوپی	۶۴	۲۷	۴۳
پنجاب	۸۶	۱	۱ء۱
آسام	۳۴	۹	۲۶ء۴
صوبہ سرحد	۳۶	..	..
اڑلیسہ	۴	..	..
سندھ	۳۶	..	..
بہار	۳۹	..	..
سی پی	۱۴	..	..

اب ذرا اس نقشے پر غور کیجیے تو معلوم ہو جائے گا کہ جہاں تک مسلم صوبوں کا تعلق تھا ان میں اپنی اپنی قیادتیں جو زمیندار طبقے سے تعلق رکھتی تھیں واضح طور پر اُبھر آئی تھیں اور وہ مسٹر جناح کی قیادت کو کل ہند مسائل پر تو ماننے کے لیے آمادہ تھے لیکن صوبوں میں مسلم لیگ اور اس کے قائد کی مداخلت ان کو گوارا نہ تھی۔ چنانچہ یہ تھا بنیادی تقاضہ جس

Scanned with OKEN Scanner

نے مسٹر جناح کو سکندر حیات وزیر اعظم متحدہ پنجاب سے معاہدہ کرنے پر مجبور کیا کیونکہ مسٹر جناح یہ محسوس کرتے تھے کہ اگر مسلم صوبوں کے وزراء اعلیٰ ان کی صفوں میں شامل نہیں ہوتے اور ان کے ہم نوا نہیں بنتے تو وہ آل انڈیا سطح پر کانگریس اور برطانیہ دونوں سے ہی کوئی بات سمجھوتہ کرنے کے قابل نہیں ہو سکتے صرف یہی نہیں بلکہ ۱۹۳۷ میں جب جناح صاحب نے مسلم لیگ کو دوبارہ منظم کرنے کا بار اپنے کندھوں پر اٹھایا تو اس وقت وہ ایک اور کمزوری میں مبتلا تھے اور وہ کمزوری تھی مسلم لیگ کی عدم تنظیم کیونکہ اب تک مسلم لیگ امراء کی ایک کلب تھی جو وقتاً فوقتاً اپنا اجلاس منعقد کر کے مسلمانوں کے حقوق کے سلسلے میں قراردادیں منظور کر دیا کرتی تھی چنانچہ جناح نے اپنی کمزوری کا نتیجہ انتخابات میں دیکھ لیا تھا اس لیے وہ اب مسلم لیگ کو ایک عوامی منظم جماعت بنانا چاہتا تھا تاکہ یہ عوام کے بل بوتے پر کانگریس کو آنکھیں دکھا سکے اور ساتھ ہی برطانیہ کو بھی متاثر کر سکے۔ اس کمزوری کی دوری کے لیے بھی اس کے پاس ایک دو وزارتیں اور ان کے وزراء اعلیٰ کا ہونا ضروری تھا۔ اسی ضرورت نے ان کے دل میں زمینداروں کے لیے ایک نرم گوشہ پیدا کیا اور وہ صاحب بہادر ہوتے ہوئے بھی لکھنوی انگرکھا اور دوپلی ٹوپی بھی کبھی کبھی زیب تن کرنے لگے اور اچکن بھی انھوں نے ۱۹۳۷ کے بعد پہننی شروع کی اور جناح کیپ بھی اسی دور کی پیداوار ہے اور یہ پہناوا دراصل ان کی زمیندار دوستی کی نشانیاں تھیں اور پھر اس کے بعد ہی انھوں نے مولوی، پیر اور مشائخ کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا اور "مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ" اسی دور کی پیداوار ہیں۔

مذہب اور سیاست

یہاں رک کر تھوڑی سی بات مذہب اور سیاست پر بھی ہو جانا چاہیے کیونکہ ہمارے یہاں کی سیاست میں مذہب کو اتنی زبردست اہمیت حاصل رہی ہے اور یہ اہمیت ہنوز حاصل ہے۔ دراصل ہوتا یوں ہے کہ جب زمینداری معاشرہ ہوتا ہے تو اس زمانے میں چونکہ ذرائع پیداوار اور بہت ہی ابتدائی سطح پر ہوتے ہیں۔ مثلاً بیل، بلکہ بعض ملکوں میں بیل بھی نہیں ہوتے تھے صرف نوکیلے ہل کو انسان اپنے

Scanned with OKEN Scanner

کندھے پر رکھ کر زمین کاشت کرتا تھا پھر بیل آیا، ایسے زمانے میں انسانوں کا شعور قدرت کے تابع ہوتا تھا یعنی اگر بارش نہیں ہوتی تو اس کے لیے کوئی دیوی دیوتا تراش لیا جاتا تھا یا کوئی دعا اس مقصد کے لیے مخصوص کردی جاتی تھی اگر طوفان آتا بھی ہو تو کوئی الگ دیوی مخصوص ہے اس طرح سے ہر بلائے آسمانی اور زمینی کے لیے الگ الگ دیویاں اور دعایں رائج تھیں وہ آج بھی رائج ہیں لیکن اس زمانے میں ان کی اہمیت کہیں زیادہ تھی کیونکہ ابھی انسان نے ان شعبوں میں قدرت کو مسخر نہیں کیا تھا بارش پر تو اب بھی قابو نہیں لیکن بہر حال مصنوعی بارش کا اہتمام ترقی یافتہ ملکوں میں ضرور ہوا ہے طوفان اب بھی بے قابو ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود بند باندھنے کا اہتمام بھی حضرت انسان نے کرلیا ہے۔

سو ایسے زمانے میں جب انسان نے قدرت کی طاقتوں کو تسخیر نہیں کیا تھا تو اس زمانے میں ہر قبر، ہر ٹبہ، ہر مورتی، پوجا کے قابل ہوتی تھی۔ اس زمانے میں احتجاج کے بھی یہی طور طریقے ہوتے تھے اور مذہبی گیتوں اور دعاؤں کے ذریعے ہی احتجاجی تحریکیں پنپا کرتی تھیں۔ اس لیے عام طور پر تمام احتجاجی تحریکوں کی ابتدا مذہبی انداز میں ہی ہوتی تھی۔ اس برصغیر میں بھی یہی انداز رہا ہے کہ جب بنگال اور بہار کے مسلمان کسانوں نے زمینداروں کے خلاف تحریک شروع کی تو یہ بھی مذہب کے نام پر ہی شروع ہوئی اور اس کی بنیاد صحیح معنوں میں مسلمان بننے اور توحید کو اپنانے پر پڑی اور اس تحریک کی اساس "الارض للّٰہ" ٹھہری۔ سید اسمٰعیل شہید اور سید احمد شہید کی تحریک کا بھی یہی انداز تھا۔

اور پھر ہندوؤں میں بھی رام موہن رائے جو مقابلتاً ترقی یافتہ زمانے سے متعلق تھے انھوں نے بھی انگریزی تہذیب سے متاثر ہوکر برہمو سماج کی بنیاد ڈالی یا پھر اس کے ردعمل میں ایک طرف آریہ سماج وجود میں آئی تو دوسری طرف "سناتن دھرم سبھا" قائم ہوئی، اور گاندھی جی اپنے کو ہمیشہ "سناتن دھرمی" کہا کرتے تھے۔ سو اس زمانے میں بھی عوام کو متاثر کرنے کے لیے لیڈر حضرات مذہب ہی کو استعمال کیا کرتے تھے اور اس کے بعد مسلمانوں کی پوری کھیپ کی کھیپ جو سیاست میں آئی وہ انگریزی تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ کٹر مذہبی انداز بھی اپنائے رہی ان میں مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مولانا ابوالکلام آزاد پیش پیش تھے،

Scanned with OKEN Scanner

لیکن مولانا ابو الکلام آزاد نے ۱۹۲۳ء کے بعد جید عالم دین ہونے کے باوجود ایک سیکولر انداز سیاست اپنایا اور مرتے دم تک اس پر قائم رہے۔ اس کے مقابلے میں جناح صاحب نے جو سرتاپا سیکولر تھے اور ان کا انداز سیاست مرتے دم تک سیکولر رہا۔ عوام کے دباؤ کو منظم کرنے کے لیے مذہب اور مذہبی لوگوں کو پوری طرح کھل کھیلنے کا موقع دیا اسی بنا پر پاکستان کی تحریک میں زبردست کنفیوژن اور پراگندہ خیالی آج تک موجود ہے کوئی اصرار کرتا ہے کہ یہ تحریک سراسر سیکولر ہے جس کا مقصد مسلمانوں کے لیے ایک قومی ریاست کا حصول تھا اور دوسری طرف وہ گروہ ہے جو اس بات پر اصرار کرتا ہے کہ یہ ایک مذہبی تحریک تھی جس کا مقصد ایک اسلامی ریاست کا قیام تھا جس کا پورا آئین قرآن اور شریعت مصطفیٰ کا پابند ہوگا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ خالصتاً "مذہبی تحریکیں" بھی مادی خواہشوں اور آرزوؤں کا اظہار ہوتی ہیں، ۱۹۷۷ء کی "نظام مصطفیٰ" کی تحریک کیا اقتدار کی غلام گردشوں میں پہنچنے کی تحریک نہ تھی۔ کیا یہ تحریک غیر شعوری طور پر مولوی کی بالادستی تحریک نہ تھی اور کیا یہ سب خالصتاً مذہبی مطالبے تھے، آج تو کھلم کھلا مذہب کو اقتدار کا وسیلہ بنا کر پیش کیا جا رہا ہے اور مولانا مودودی نے جو راستہ اپنایا تھا وہ اب ہر مکتب فکر اور ہر چھوٹے موٹے مولوی ملا نے اپنا لیا ہے۔

سکندر جناح پیکٹ

سر سکندر حیات جو غیر مسلم لیگی تھے اور اپنے اپنے صوبوں میں مسلم لیگیوں کو ٹکٹ دیکر آئے تھے کو مسلم لیگ کے لکھنؤ سیشن میں خاص طور پر مدعو کیا گیا۔ کیوں؟ اس وقت جناح اور مسلم لیگ قطعی طور پر ایک کمزور پوزیشن میں تھے۔ ان کو اگر کانگرس پر دباؤ ڈالنا تھا تو ان کی پشت پر کوئی طاقت ہونی چاہیے۔ چنانچہ اسی طاقت کی تلاش میں جناح صاحب نے ان ہر دو حضرات کو مدعو کیا، مگر اس دور میں ایک طرف ان ہر دو حضرات کی اپنی مخصوص ضرورتیں تھیں اور ساتھ ہی برطانوی حکومت کی سیاست کے بھی کچھ تقاضے تھے، ان تینوں مختلف عناصر اور مفادات کے اپنے اپنے تقاضوں کی داستان خضر حیات کے حوالے سے ایک امریکی سکالر نے

—————بیان کی ہیں کیونکہ اس سیشن میں سر سکندر ۔اس سیشن میں سر سکندر کے ہمراہ جانے والوں میں ملک خضر حیات بھی تھے، وہ وہی ملک خضر حیات تھے جو متحدہ پنجاب کے آخری وزیر اعلیٰ تھے اور انھوں نے مسلم لیگ کے ایجی ٹیشن سے دل برداشتہ ہو کر اپنے عہدے سے استعفا دے دیا۔ اس کے بعد وہ سیاست سے بالکل الگ تھلگ زندگی بسر کرتے رہے۔ ایک امریکی پروفیسر کریگ بیکسٹر نے ان کی یادداشتیں قلم بند کی تھیں ملک خضر حیات ان یادداشتوں میں سکندر جناح معاہدے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

۱ : ۱۹۳۷ میں مسلمان ایک پارٹی کی وساطت سے پنجاب میں مضبوط وزارت تشکیل دینے کی پوزیشن میں تھے۔ اس موقع پر نہ صرف مسلمانوں کو عددی قوت حاصل تھی بلکہ اس کے پاس مثبت اور مضبوط پروگرام بھی تھا۔

۲ : وہ مسلم اکثریت کے صوبوں بنگال، سندھ اور صوبہ سرحد میں مسلم اکثریت کی وزارت بنانے کے قائل بھی تھے۔ ان وزارتوں کی بنیادی کمزوری یہ تھی کہ یہ وزارتیں عارضی اور انتقال پذیر پروگراموں پر مشتمل تھیں جن کی علاقائی روایات سے کوئی وابستگی نہیں تھی اور پروگرام بھی ایسا نہیں تھا کہ اسے بزور طاقت عملی طور پر نافذ کیا جا سکے۔

۳ : مسلم اقلیت والے صوبوں میں کانگریس نے "بچاؤ" کے طور پر چھوٹا سا اعتراف بھی کیا جبکہ کمیونل ایوارڈ بن چکا تھا جس سے مسلم اقلیت کو بہت سی توقعات وابستہ تھیں۔

۴ : کانگریس نے دوہرا پروگرام شروع کیا (۱) ہندوستان میں مسلمانوں کے علاوہ قوم در مخصوص سیاسی قوت کے تشخص کو ختم کرنا (۲) برطانیہ سے مرکز میں مزید سیاسی قوت حاصل کرنا۔

۵ : مسلم اکثریتی صوبوں اور غیر مسلم اکثریتی صوبوں کے درمیان طاقت کا توازن

Scanned with OKEN Scanner

ویسا ہی رہا۔ مسلمانوں کو اپنے اکثریتی صوبوں میں اپنے طور پر یہ سوچنا تھا، کہ کون سا مقامی پروگرام ان کے اپنے اپنے صوبے کے لیے موزوں رہے گا، جس سے یہ یقین ہو کہ واقعی اس پروگرام سے مسلمانوں کو پارلیمانی کھیل میں صحیح مقام مل جائے گا لیکن مرکز میں کیا ہوگا؟

ہندو اکثریتی صوبوں میں ہندوؤں کے سنگ دلانہ اقدامات کے بعد مسلمانوں کو احساس ہوا کہ اکثریت کیا کر سکتی ہے۔ ان حالات میں مسلمانوں کو کل ہند سطح پر یہ سوچنے کی اشد ضرورت تھی کہ وہ آئین کے درمیانی حصے پر نئے سرے سے غور کریں اور اس معاملے میں موثر آواز اٹھائیں۔

۶ : آل انڈیا مسلم لیگ کل ہند سطح پر آئینی اور سیاسی معاملوں میں مسلمانوں کی روایتی ترجمان تھی مسلم لیگ کا کل ہند سطح کا یہ ڈھانچہ اپنی جلد بازی اور ہندوستانی مسلمانوں کی ترجمانی کے دعوے کی کمزور حکمتِ عملی کے باعث خطرناک حد تک ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گیا۔

۷ : مسلمان اپنے مقام کی بحالی، اضافے اور وقار کے لیے کچھ نہیں کر سکتے جب تک وہ بغیر مقتدر راہنما کے رہیں گے۔ شاید وہ مستقبل قریب میں بھی اسی طرح رہیں مجھے نہیں معلوم دوسرے صوبوں میں لوگ کیا سوچ رہے تھے لیکن میں مثبت انداز میں کہہ سکتا ہوں کہ معاملے کے یہ پہلو پنجاب کے چوٹی کے مسلم یونینسٹوں میں بہت زیادہ تشویش کا باعث بن رہے تھے۔ وہ چند بہتر وجوہ کی بناء پر اپنے صوبے میں مسلم لیگ کے الیکشن کے پروگرام کے ساتھ متفق نہیں تھے اور وہ مسلم لیگ کے الیکشن کے پروگرام کے خلاف مزاحمت بھی کرتے رہے۔ انھوں نے مسلم لیگ کے مقابلے میں غیر فرقہ وارانہ جماعت کے ساتھ کام کرنے کو ترجیح دی لیکن وہ یہ کبھی نہیں بھولے کہ وہ ہندوستانی مسلمانوں کا حصہ ہیں اس طرح انھوں نے ہندوستانی آئین میں اپنے مستقبل کو محفوظ کرنے کی کوششیں بھی کیں۔

Scanned with OKEN Scanner

مذکورہ بالا وضاحت کردہ معاملے کے پہلوؤں پر غور کرتے ہوئے سر سکندر حیات خان نے اپنے کو مضبوط کرنے کا فیصلہ کیا اور وہ ایسا نہ کرتے تو مرکز میں مسلم لیگ اور قائدِاعظم کے ہاتھوں طاقت کے بل پر کانگریس کو شکستِ فاش نہ دے سکتے تھے۔

چنانچہ دوستوں کی وساطت سے مذاکرات شروع ہوئے جو معروف "جناح سکندر معاہدہ" کی صورت میں اختتام کو پہنچے، یہ معاہدہ ہندوستان کی تاریخ میں اہم موڑ ثابت ہوا۔

سکندر۔جناح معاہدہ

۱۹۳۷ء کی گرمیوں میں جب سر سکندر حیات خاں سنجیدگی کے ساتھ آل انڈیا مسلم لیگ کو ہندوستان کے مسلمانوں کی نمائندہ اور مؤثر جماعت کے طور پر بحال دیکھنے کی ضرورت کو محسوس کر رہے تھے تو جناح بھی معاملے میں سدھار کا خیال رکھتے تھے اور انھوں نے سر سکندر کی موزوں معاہدے کے لیے سلسلہ جنبانی کا اچھا جواب دیا۔

مجوزہ معاہدہ ان بنیادوں پر ہونا تھا۔

۱: کانگرس اور برطانوی حکومت کے نمائندوں کے درمیان چپقلش میں مسلم لیگ کو ہندوستان کے مسلمانوں کے مفاد میں حفاظتی آلے کے طور پر کام کرنے کے لیے مسلم لیگ کا مؤثر کردار دوبارہ بنانا چاہیے۔

۲: پنجاب کے مسلمانوں کو یونینیسٹ پارٹی کی وساطت سے صوبائی خود مختاری کی آزادی ہونا چاہیے۔

یہ تجویز سر فضل حسین نے اپریل ۱۹۳۶ میں مسٹر جناح کے ساتھ اپنی گفتگو کے دوران خصوصی طور سے پیش کی تھی۔ مسٹر جناح اب اس قسم کی تجاویز سے متفق ہونے لگے تھے۔

جبکہ ۱۹۳۶ میں جب سر فضل حسین نے یہ تجاویز پیش کی تھیں تو جناح نے قبول نہیں کی تھیں۔ آل انڈیا مسلم لیگ نے اکتوبر ۱۹۳۷ کے وسط میں لکھنؤ میں اپنا سالانہ اجلاس منعقد

کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ دونوں کے مشترکہ دوستوں کی وساطت سے مسٹر جناح اور سر سکندر حیات کے درمیان یہ "خاموش فیصلہ" ہوگیا کہ دونوں لیڈر لکھنؤ میں مسلم لیگ کے اجلاس کے موقع پر ملیں گے اور مجوزہ مصالحت کو آخری اور عملی شکل دیں گے۔ برطانوی حکومت کی نمائندہ کے طور پر حکومتِ ہند کانگریس کے مسلم رابطے کے پروگرام کے مقابلے میں مسلم حزبِ مخالف کو منظم کرنے کی ضرورت محسوس کر رہی تھی۔ تاکہ اس طرح خود اس کی پوزیشن بھی مضبوط رہے اور یہ پھر اس طرح ہوا کہ اس موقع پر حکومتِ ہند کے ہوم ممبر پرانے پنجابی سرکاری ملازم اور صوبائی ایگزیکٹو کونسل میں سر سکندر کے ساتھی سر ہنری کرایک ہی تھے جو اس سارے معاملے میں سر سکندر سے رابطہ رکھے ہوئے تھے۔ انھوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کی مضبوطی پر زور دیا۔ ان کا خیال تھا کہ حکومتِ ہند کے لیے مسلم لیگ کی مدد کے بغیر کانگریس کے مطالبات کی مزاحمت کرنا مشکل ہوگا۔ آل انڈیا مسلم فرنٹ یعنی مسلم لیگ کی عدم موجودگی میں یونینسٹ پارٹی پنجاب اور کرشک پرجا پارٹی جیسی صوبائی جماعتیں موجود تھیں جنھیں مرکز کے انتظام میں کانگریس کے مقابلہ میں فیصلہ کن حمایت حاصل تھی۔ یہی وہ وجوہ تھیں جن پر سر سکندر حیات پہلے ہی سے غور کر رہے تھے اور ہنری کرایک ہوم ممبر فضل حق سے گورنر بنگال کی وساطت سے رابطہ کیے ہوئے تھے اور پورے حالات اور دہلی کی بات چیت سے انھیں آگاہ رکھے ہوئے تھے۔ اس وقت گورنمنٹ آف انڈیا، دو صوبائی وزرائے اعظم اور مسلم لیگ کی اعلیٰ قیادت کی پوزیشن ایک جیسی تھی، اور یہ سب کانگریس کے مقابلے میں کل ہند حزبِ مخالف کی ضرورت کی اہمیت پر یک زبان تھے۔ کیونکہ حکومتِ ہند کانگریس کو بڑا خطرہ سمجھتی تھی۔ اسی طرح مسلم اقلیت بھی ملک کی سیاست میں اپنے مقام اور خود مختاری کے حصول کے لیے اسے خطرہ تصوّر کرتی تھی۔

لکھنؤ کے اجلاس سے پہلے سر سکندر حیات نے اپنے خاص دوستوں سے رابطہ کیا۔ سر ہنری کرایک نے سر سکندر حیات کو اس معاملے میں آگے بڑھنے میں پوری پوری مدد دی۔ حکومت برطانیہ کے نقطہ نظر سے اس حمایت کا مطلب یہ تھا کہ کانگریس کے خلاف سیاسی جنگ میں مسٹر جناح کے ہاتھ مضبوط کیے جائیں۔ چنانچہ مسٹر جناح اور سر سکندر حیات کے درمیان مسلم لیگ کے اجلاس کے موقع پر گفتگو بارآور ثابت ہوئی۔

Scanned with OKEN Scanner

اب ان یادداشتوں کی بنا پر یہ یقین کیا جاسکتا ہے کہ اس دور کی سیاست جو ۱۹۳۷ء میں ۱۹۳۵ء کے انڈیا ایکٹ کے تحت شروع ہوئی اس میں حکومتِ ہند کانگریس سے خاصی خوف زدہ تھی اس لیے اس کے مقابلے کے لیے ایک طاقت کی پشت پناہی ضروری تھی چنانچہ اس کے لیے حکومتِ ہند نے مسلم لیگ کو منتخب کیا اور سچ یہ ہے کہ خود مسٹر جناح کو بھی یہ صورتِ حال خاصی فائدہ مند نظر آتی تھی کہ وہ اس کشمکش میں مسلم لیگ کو منظم بھی کرتے جائیں گے اور انگریز اور کانگریس کے سمجھوتے کو بھی روک سکیں گے تاکہ مسلم لیگ کو پس پشت نہ ڈالا جا سکے۔ سیاست میں یہ داؤ پیچ استعمال ہوتے ہیں اور نہ ہی ان کو بد دیانتی یا غداری محمول کیا جاتا ہے اور نہ ہی یہ سمجھنا چاہیے کہ کوئی بک گیا، سیاست میں خرید و فروخت بھی ہوتی ہے اور لالچ بھی اہم رول ادا کرتا ہے لیکن اس معاملے میں مسٹر جناح بہت بلند و بالا تھے جیسے کہ کانگریس کے چوٹی کے لیڈروں کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انھوں نے اپنے کو انگریز کے ہاتھ بیچا ہو۔ ہاں یہ بہت دفعہ ہوا کہ ہندوستان کے سرمایہ داروں کے مفاد میں اور انقلابی تحریک کے ابھار سے خوف زدہ ہو کر کانگریس نے حکومت ہند کے ساتھ بہت دفعہ گھٹنے ٹیک کر بھی سمجھوتہ کیا اور انقلابی مقاصد سے ایک حد تک غداری کی، اوپری طبقے کی تمام جماعتوں کا یہ خاصا ہوتا۔ اور مسلم لیگ بھی کوئی استثنا نہیں تھی۔

ہاں تو بات شروع ہوئی تھی فسادات سے اور بات کہیں سے کہیں نکل گئی لیکن یہ سب باتیں تاریخ کے مختلف گوشوں کو بے نقاب کرتی ہیں اور ان سب گوشوں کو جاننا ضروری ہوتا ہے۔ اب میں فسادات ہی کے سلسلہ میں ایک اور پہلو کی نشاندہی کرنا چاہتا ہوں۔

سول سروس اور فرقہ واریت کا زہر

عام طور پر پڑھے لکھے لوگ جو اپنے کو دانشور کہلواتے ہیں۔ بڑے مزے سے یہ کہہ کر گزر جاتے ہیں کہ یہ فسادات "یہ لفنگا پن نیچ لوگ کرتے ہیں لیکن یہ "دانش ور" یہ فراموش کر دیتے ہیں کہ جب اوپری طبقوں کی سیاست جہاں ایک طرف ہم کو ایک خاص قسم کی حب الوطنی اور مسلم قوم پرستی سے متاثر کرتی ہے اور ہم کشاں کشاں

مخصوص جماعت کے موید ہوتے جاتے ہیں وہاں ہم یہ محسوس نہیں کر پاتے کہ کس طرح اس سیاست کے اپنانے کے نتیجے میں نفرتوں کا کس قدر زہر غیر شعوری طور پر ہمارے اندر اترتا چلا جاتا ہے اور تمام وہ ادارے جو بظاہر بڑے مقدس اور بڑے غیر جانب دار نظر آتے تھے وہ بھی خاصی حد تک اس فرقہ واریت کے زہر سے آلودہ ہو جاتے ہیں۔ ان میں کسی بھی ادارے اور کسی بھی گروہ کی تخصیص نہیں چنانچہ اس زمانے میں جو انتخابات ہوتے ہیں تو مسلم افسر مسلم لیگ کے امیدوار کو جتانے کی کوشش کرتا ہے اور ہندو افسر کی ہمدردیاں کانگریسی امیدوار کے ساتھ ہوتی تھیں لیکن کانگریسی امیدوار کے حق میں جو ہندو افسران خاموشی سے کام کر رہے ہوتے تھے وہ خاموش رہتے اور کوئی ہمدردی اور حمایت کا باقاعدہ اعلان نہ کرتے تھے اس کی وجہ صاف اور سیدھی تھی کہ کانگریسی امیدوار ویسے بھی سیاست کی وادیٔ خار زار میں پرانا کھلاڑی ہوتا تھا اس کی اپنی ایک بنیاد ہوتی ہے اس کا انتخاب لڑنے کا ایک حد تک عوامی اسلوب ہوتا تھا لیکن مقابلے میں مسلم لیگ کا امیدوار ۱۹۴۶ء میں اکثر و بیشتر وہی تھا جو پہلے سرکار کا ہم نوا اور اس کی پارٹی میں ہوتا تھا اور اس کی تمام ساکھ حکومت کے بل پر ہوتی تھی اس لیے اس کو پہلے بھی اپنی فتح کے لیے ڈپٹی کمشنر، تحصیل دار، قانون گو، پٹواری اور تھانیدار پر انحصار کرنا پڑتا تھا اور زمیندار ہونے کے ناطے ان تمام عہدوں سے وفاداری اور تابعداری کی اٹوٹ زنجیر میں بندھا ہوتا تھا۔ اب بھی جب مسلم لیگ نے ایک عوامی فضا پیدا کر دی تھی لیکن پھر بھی وہ عادتاً اس افسر کی مدد کو لازم سمجھتا تھا چنانچہ یہ مسلم افسر اور تھانیدار کھلم کھلا پیٹھ ٹھونک کر مسلم لیگ کے امیدوار کی حمایت میں نکلتا اور اس حمایت کو وہ اپنی مسلم قوم پرستی کے جہاد کا ایک حصہ سمجھتا تھا چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ہماری تاریخ میں ہر مسلم افسر تحریک پاکستان کا بھی کارکن تصور ہوتا ہے۔ اور وہ بیٹھتے اٹھتے اس حمایت کا برملا اظہار کرتا ہے لیکن اس امر کا ایک خطرناک نتیجہ نکلا ہے جس نے ہماری جمہوری جدوجہد کو بالکل ہی رد کر دیا ہے کہ یہ افسر شاہی "جائز" طور پر اپنے کو پاکستان کا خالق تصور کرتی ہے اور ہر چھوٹا بڑا افسر اس امر کو اپنے لیے تمغہ امتیاز سمجھتا رہا ہے

Scanned with OKEN Scanner

چنانچہ ۱۹۴۶ کے بنگال کے جو صوبائی انتخابات میں مسلم لیگ کی جیت کو کانگریس کے اس وقت کے صدر مولانا ابوالکلام آزاد نے افسر شاہی کی جیت قرار دیا تھا اور انھوں نے اپنے ۱۶ / اپریل ۱۹۴۶ کے بیان میں صوبہ بنگال میں انتخابی دھاندلیوں کے بیسیوں واقعات کو دہرایا ہے۔ غرضیکہ جو بات میں ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ مسلمان افسروں نے کھلم کھلا طور پر ان انتخابات میں جانب داری برتی اور انگریز افسروں نے اغماض برتا یا مسلم لیگ کی مدد کی۔

بہر حال یہ امر واقعہ ہے کہ ہمارے یہاں کے مسلم افسروں نے بڑھ چڑھ کر مسلم امیدواروں کی حمایت کر کے اپنے ضمیر اور اپنے جذبہ "حب الوطنی" اور "حب اسلام" کے جذبوں کو بہت حد تک مطمئن کیا لیکن پورے عمل سے ایک بات جو میں واضح کرنا چاہتا ہوں اور جس پر اصرار کر رہا ہوں کہ اس زمانے میں قریب قریب تمام مسلم افسر کٹر قسم کے مسلم لیگی بن گئے تھے اور انھوں نے اپنی انگریز کی ملازمت کے موقع پر غیر جانب داری کا جو حلف اٹھایا تھا اس سے وہ بے نیاز ہو گئے تھے چنانچہ اس ضمن میں ایک واقعہ پڑھیئے مجھے جو حال ہی میں "شہاب نامہ" میں پڑھا ہے۔ یہ شہاب نامہ ایک مسلمان سول سرونٹ جن کا نام قدرت اللہ شہاب تھا کی خود نوشت سوانح ہے۔ یہ بڑے اہم سول سرونٹ رہے ہیں اس لیے کہ یہ پچاس کی دہائی کے ابتدائی سالوں میں گورنر جنرل ملک غلام محمد کے سیکرٹری کے عہدے پر فائز ہوئے اور جب ان کا دور حکمرانی ختم ہوا اور سکندر مرزا تخت نشین ہوئے تو یہ ان کے بھی سیکرٹری کے عہدے پر فائز رہے اور جب پھر جنرل ایوب برسر اقتدار آئے تو ان کے بھی برسوں تک معتمد رہے چنانچہ ایسے کھڑے کا سول سرونٹ جب اپنی خود نوشت سوانح لکھے گا تو اس کی بھی ایک خاص اہمیت ہو گی چنانچہ وہ "پاکستان کا مطلب کیا" کے عنوان سے ایک باب میں لکھتے ہیں:

مسلم افسر شاہی اور تحریک پاکستان

اڑیسہ سیکریٹریٹ میں ہوم ڈیپارٹمنٹ کے ڈپٹی سیکرٹری کی حیثیت سے پاسپورٹ جاری

Scanned with OKEN Scanner

کرنے کا کام میری تحویل میں تھا۔ ایک روز میں دفتر سے گھر واپس آیا تو ادھیڑ عمر کے ایک صاحب برآمدے میں بیٹھے میرا انتظار کر رہے تھے۔ سہروردی صاحب اب بنگال کے چیف منسٹر تھے اور وہ ان کا خط لے کر مجھے ملنے آئے تھے۔ ان کا اصلی نام تو کچھ اور تھا لیکن سہروردی صاحب نے انھیں حامد علی کے نام سے موسوم کیا تھا۔

اپنے خط میں سہروردی صاحب نے لکھا تھا کہ مسٹر حامد علی کلکتہ میں مسلم لیگ کے ایک انڈر گراؤنڈ ورکر ہیں اور ہندو مسلم فسادات میں مسلمانوں کے تحفظ کے لیے نہایت اہم فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ اب قائداعظم کی اجازت سے انھیں فوری طور پر ایک خفیہ مشن پر مصر بھیجنا مقصود ہے لیکن پاسپورٹ کی مشکل درپیش ہے کیونکہ مسٹر حامد علی کا نام حکومت کی بلیک لسٹ میں درج ہے۔ تملوک میں میرے چاول کا گودام توڑنے کی طرف مزاحاً اشارہ کرکے سہروردی صاحب نے لکھا تھا: "مجھے معلوم ہے کہ غیرقانونی حرکات کا تمھیں عملی تجربہ حاصل ہے اس لیے میں حامد علی کو تمھارے پاس بغیر کسی معذرت کے بھیج رہا ہوں"۔

میں نے اُس سہ ماہی کی آل انڈیا سول لسٹ اٹھا کر دیکھی تو اس بات پر حیرت ہوئی کہ اس وقت ہندوستان بھر میں اُڑیسہ ہی کا سیکرٹریٹ تھا جس میں ایک مسلمان ڈپٹی سیکرٹری کے پاس پاسپورٹ جاری کرنے کا پورا اختیار تھا۔ اس انوکھے حُسنِ اتفاق سے فائدہ اٹھا کر اگلے روز میں نے مسٹر حامد علی کا پاسپورٹ بنا کر ان کے حوالے کیا اور سہروردی صاحب کے نام صرف اتنا پیغام لکھ بھیجا: Order obeyed law broken اس فقرے میں کلکتہ کے بنگالی اخبار "امرت بازار پتریکا" کے ایک ایڈیٹوریل کی طرف اشارہ تھا جس میں مسٹر سہروردی پر یہ پھبتی کسی گئی تھی کہ ہندو مسلم فسادات میں بنگال کے چیف منسٹر کا فرضِ منصبی صرف اتنا رہ گیا ہے کہ مسلمان بے روک ٹوک قانون شکنی کرتے رہیں، پولیس بے چُون و چراں وزیراعلیٰ کا حکم مانتی رہے اور ہندو بے دریغ قتل ہوتے رہیں۔

مسٹر حامد علی جتنا وقت پاسپورٹ بنوانے کی خاطر کٹک میں ٹھہرے ان کے منہ سے باربار بس ایک ہی بات نکلتی تھی۔ وہ یہ کہ ہندوستان بھر میں کانگریس، ہندو مہا سبھا، راشٹریہ سیوک سنگ اکالی دل اور کئی ایک دوسرے ہندو اور سکھ اداروں کی سرپرستی میں بڑے وسیع پیمانے پر م...

ہتھیار جمع کیے جا رہے ہیں جو یقیناً نہتے مسلمانوں کے خلاف استعمال کیے جائیں گے۔ ان ہتھیاروں کی فراہمی کے لیے بہت سے ہندو اور سکھ راجے اور مہاراجے بڑی فراخدلی سے چندہ دے رہے ہیں۔ ان میں مہاراجہ پٹیالہ کا نام سرفہرست ہے پہلے تو مجھے شبہ ہوا کہ مسٹر حامد علی جذبات کی رَو میں بہہ کر مبالغہ سے کام لے رہے ہیں لیکن بہت جلد مجھے اس بات کا بیّن ثبوت مل گیا، کہ آل انڈیا کانگریس جیسی بزعم خود نیشنلسٹ سیاسی جماعت بھی مسلمانوں کے خلاف منصوبہ بندی میں بُری طرح ملوث ہے۔

اڑیسہ کے چیف منسٹر شری ہری کرشن مہتاب کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر بھی تھے ایک بار دہلی سے وہ کانگریس کی کسی میٹنگ سے واپس آئے تو اپنے معمول کے مطابق انھوں نے کاغذات کی کالی صندوقچی میرے حوالے کر دی۔ ہمارا طریق کار یہ تھا کہ سیاسی کاغذات چھانٹ کر میں ان کے پرسنل پرائیویٹ سیکرٹری کے سپرد کر دیتا تھا اور سرکاری کاغذات متعلقہ محکموں کو بھیج دیتا تھا۔ ان کا پرسنل پرائیویٹ سیکرٹری بڑا متعصب ہندو تھا۔ وہ اکثر اس بات پر سر پیٹتا تھا کہ مہتاب صاحب کے سیاسی کاغذات میرے ہاتھ سے کیوں گزرتے ہیں۔ چند بار اس نے چیف منسٹر کے پاس اس طریق کار کے خلاف بڑا سخت احتجاج بھی کیا۔ لیکن مہتاب صاحب نے کبھی سنجیدگی سے اس کی باتوں پر کان نہ دھرا۔ جب میں کبھی سیاسی نوعیت کے کاغذات کا پلندا پرسنل پرائیویٹ سیکرٹری کے حوالے کرتا تھا تو ماتھے پر ہاتھ مار مار کر بڑی فوں فاں کیا کرتا تھا: "گجب ہو گیا۔ گجب ہو گیا۔ اپن نے تو سینٹ سینٹ کر ایک ایک کاگج ضرور پڑھ ہوگا۔ اپن نے تو ایک ایک کاگج کی نقل بھی رکھ لی ہوگی۔ بڑے تعجب کی بات ہے۔ مہتاب جی کی بُدھی تو بالکل ماری گئی ہے۔"

اس بار جو میں نے چیف منسٹر کے کاغذات کا جائزہ لیا تو ان میں ایک عجیب دستاویز ہاتھ آئی۔ یہ چھ سات صفحات کا سائیکلوسٹائلڈ انتہائی (Top secret) حکم نامہ تھا۔ جو کانگریسی چیف منسٹروں کے نام اس ہدایت کے ساتھ جاری کیا گیا تھا کہ ہر چیف منسٹر اسے اپنی ذاتی تحویل میں رکھے۔ اس میں لکھا تھا کہ تقسیم ہند کا معاملہ تقریباً طے پا چکا ہے۔ اس لیے جن صوبوں میں کانگریس کی وزارتیں قائم ہیں وہاں پر مسلمان افسروں کو کلیدی عہدوں سے تبدیل

Scanned with OKEN Scanner

کر دیا جائے۔ خاص طور پر ہوم ڈیپارٹمنٹ، فنانس ڈیپارٹمنٹ اور پولیس ڈیپارٹمنٹ میں با اعتماد ہندو افسروں کو تعینات کیا جائے۔ ڈی سی، آئی جی اور ایس پی عموماً ہندو ہوں۔ تھانوں کے انچارج بھی زیادہ سے زیادہ ہندو ہوں۔ محکمہ پولیس اور ضلعی انتظامیہ میں مسلمانوں کو فیلڈ ورک سے ہٹا کر بے ضرر قسم کے دفتری کام کاج پر لگا دیا جائے۔ پولیس کی نفری میں مسلمان سپاہیوں کو بتدریج غیر مسلح کر کے پولیس لائن اور تھانوں کے اندر معمولی فرائض پر مامور کیا جائے جن صوبوں میں سرحدی مسلمانوں سے بھرتی شدہ ماؤنٹڈ ملٹری پولیس ہے اسے فوراً توڑ دیا جائے، اور افسروں اور نفری کو اختتام ملازمت کی مناسب رقم یکمشت ادا کر کے رخصت کر دیا جائے۔ سرکاری خزانوں، اسلحہ خانوں اور محکمہ مال کے ریکارڈ آفسوں کی حفاظت کے لیے ہندو گارڈ تعینات کیے جائیں۔ اسلحہ رکھنے والے مسلمان لائسنس ہولڈرز کی نقل و حرکت کی نگرانی کی جائے ایسے ہنگامی منصوبے تیار رکھے جائیں جن کے تحت ان لائسنس داروں سے قلیل ترین نوٹس پر ہر قسم کا اسلحہ قریبی تھانے میں جمع کروایا جا سکے۔ کاروں، بسوں، ٹیکسیوں اور ٹرکوں کے مسلمان مالکوں کی فہرستیں بنا کر ان پر کڑی نظر رکھی جائے۔ مسلمان آتش بازوں کے لائسنس معطل کر دیے جائیں اور ان کا آتش گیر سٹاک فوری طور پر پولیس کی حفاظت میں لے لیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ ہر چیف منسٹر کو نہایت سخت تاکید کی گئی تھی کہ وہ ان ہدایات پر ایسی خوش اسلوبی سے عمل درآمد کرے کہ اس سے آبادی کے کسی فرقے کے خلاف کسی قسم کے امتیازی سلوک کا پہلو مترشح نہ ہو! بغل میں چھری اور منہ میں رام رام کا اس سے بہتر ظہور چشم تصور میں لانا محال ہے۔

یہ حکمنامہ پڑھ کر مجھے شدید ذہنی دھچکا لگا۔ مہاتما گاندھی کی نام نہاد بے تعصبی کی لنگوٹی بادِ مخالف کے جھونکوں میں اڑ کر دور جا پڑی، اور وہ اپنے اصلی رنگ و روغن میں بالکل برہنہ ہو گئے۔ اہنسا پرم دھرم کے اس چھوٹے پجاری کے اشاروں پر چلنے والی انڈین نیشنل کانگریس کے عزائم مسلمانوں کے خلاف اتنے ہی خطرناک اور سنگین نکلے جتنے کہ ہندو مہاسبھا یا راشٹریہ سیوک سنگ کے سمجھے جاتے تھے بلکہ کانگریس کے سازشانہ منصوبے دوسری فرقہ وارانہ جماعتوں سے بھی زیادہ پر خطر اور ہولناک تھے، کیونکہ ہندوستان کے کئی صوبوں میں

Scanned with OKEN Scanner

کانگریس کی حکومت تھی، اور مرکز کی عبوری گورنمنٹ میں ۱۴ ایس سے چھ کانگریسی اور مزید غیر مسلم وزیر تھے۔ فوج کا محکمہ سردار بلدیو سنگھ کے قبضے میں تھا اور سارے ہندوستان کی پولیس، سی آئی ڈی، ریڈیو اور ذرائع ابلاغ کی مشین سردار ولبھ بھائی پٹیل کے متعصبانہ ہاتھوں میں تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کانگریس اپنی قوت کے تمام وسائل مسلمانوں کا سر کچلنے کے لیے ہر طرح کے کیل کانٹے سے لیس ہو رہی تھی۔

یہ دستاویز پڑھ کر میرے دل میں ایک عجب سی کش مکش ہوتی رہی۔ ڈپٹی ہوم سیکرٹری کا پیشہ ورانہ ضمیر میرے اندر چھپے ہوئے بے عمل، ناقص اور خوابیدہ سے مسلمان کے ضمیر کے ساتھ ٹکرا گیا۔ خدا کا شکر ہے کہ تھوڑی سی لڑائی کے بعد جیت ٹوٹے پھوٹے مسلمان ہی کی ہوئی۔ چنانچہ میں نے یہ دستاویز اُٹھا کر اپنی جیب میں ڈال لی اور اُسی رات قائداعظم سے ملاقات کرنے کی نیت سے دہلی روانہ ہو گیا۔

ان دنوں مسٹر کے ایچ خورشید قائداعظم کے پرائیویٹ سیکرٹری تھے۔ اگر وہ دہلی میں موجود ہوتے تو غالباً مجھے قائداعظم سے ملنے میں کوئی دقت پیش نہ آتی لیکن وہ موجود نہ تھے۔ ایک دو روز کی تگ و دو، منت سماجت اور حیلے بہانوں کے بعد آخر بڑی مشکل سے مجھے قائداعظم تک رسائی حاصل ہوئی۔ جب میں ان کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ کچھ لکھنے میں مصروف تھے۔ فارغ ہو کر ایک نظر مجھ پر ڈالی اور گرج دار آواز میں بولے۔

"کیا بات ہے؟"

"سر، میں آپ کے لیے ایک مفید دستاویز لے کر آیا ہوں۔ میرا نام قدرت اللہ شہاب ہے۔ میں اڑیسہ میں ڈپٹی ہوم سیکرٹری ہوں۔" میں نے ایک ہی سانس میں زیادہ سے زیادہ باتیں کہنے کی کوشش کی۔

"کیسی دستاویز؟"

میں نے آگے بڑھ کر کانگریس کا سرکلر ان کی خدمت میں پیش کیا۔ وہ بڑے سکون سے اسے پڑھتے رہے۔ میں کھڑا ہوا ان کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا۔ ان کے جذبات میں ہلکا سا ارتعاش بھی پیدا نہ ہوا۔ ایک بار پڑھ چکے تو مجھے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور فرمایا: "ہاں، یہ

Scanned with OKEN Scanner

ہمارے لیے مفید ہو سکتی ہے"۔

یہ کہہ کر وہ دوبارہ اس کے مطالعے میں مصروف ہو گئے۔ اس کے بعد مجھ سے دریافت کیا: "یہ تم نے کہاں سے حاصل کی ہے"؟

میں نے فر فر ساری بات کہہ سنائی۔

"ویل ویل ـــــ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا This is breach of trust

میں نے اپنا قومی فرض پورا کرنے کے موضوع پر تقریر کرنے کی کوشش کی، تو قائد اعظم نے مجھے کسی قدر سختی سے ٹوک دیا، اور فرمایا: "Dont you see each copy is numbered ?Its disappearence would be easily tracked down to you Are you prepared to face the consequences ? "

میں نے بڑے اعتماد سے جواب دیا: "Yes sir, I am fully prepared."

"کیا میں اسے اپنے پاس رکھ سکتا ہوں"؟ قائد اعظم نے دستاویز کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"جی ہاں سر۔ یہ میں آپ ہی کے لیے لایا ہوں"۔

"آل رائٹ۔ تم جا سکتے ہو۔" قائد اعظم نے حکم دیا۔

میں دروازے سے باہر نکلنے لگا، تو قائد اعظم نے بلند آواز سے پکار کر پوچھا: "تم نے اپنا نام کیا بتایا تھا"؟

"قدرت اللہ شہاب"۔

"بوائے دوبارہ ایسی حرکت نہ کرنا۔" قائد اعظم نے فرمایا۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس وقت ان کے چہرے پر کوئی مسکراہٹ تھی یا نہیں، لیکن ان کے لہجے میں مجھے شفقت کا ہلکا سا گداز محسوس ہوا۔

قدرت اللہ شہاب کی خود نوشت سوانح کا ایک باب آپ نے پڑھ لیا ہے۔ یہ پورا باب میرے نزدیک ہماری سماجی اور معاشرتی زندگی کے بہت ہی اہم پہلوؤں کی نشان دہی کرتا ہے۔

Scanned with OKEN Scanner

۱ : سب سے اہم سوال تو یہ ہے کہ قدرت اللہ شہاب نے یہ پورا واقعہ بیان ہی کیوں کیا ہے ؟

ایک جواب تو یہ ہو سکتا ہے کہ قدرت اللہ شہاب شعوری یا غیر شعوری طور پر قیام پاکستان کی جدو جہد میں اپنی خدمات کا تذکرہ کر کے مسلم لیگ اور تحریک پاکستان سے اپنی محبت کا لوہا منوانا چاہتے ہیں اور اس طرح سے اپنی انا کی تشفی چاہتے ہوں۔

۲: اور حقیقت یہ ہے کہ ہمارے بہت سے سرکاری افسروں نے اپنی خود نوشت سوانح میں ایسے بہت سے واقعات کو بہت ہی بڑھا چڑھا کر اور بڑا فخریہ انداز میں لکھا ہے اور جن افسروں نے خود نوشت سوانح نہیں لکھیں، انھوں نے مختلف موقعوں پر تقریروں اور تحریروں کے دوران برملا اس امر کا بہت ہی فخر سے ذکر کیا ہے کہ انھوں نے اپنی سرکاری ملازمت کے دوران یہ معرکہ سرانجام دیا اور یہ خدمت سرانجام دی، بالخصوص ۱۹۴۶ء کے انتخابات کے موقع پر مسلم لیگ کے امیدواروں کو جس طرح جتوایا اس پر وہ مرتے دم تک فخر کا اظہار کرتے رہے۔ اس پر عام لوگ بھی ان کو بنظرِ استحسان دیکھتے ہیں اور ہم یادِ رفتگاں کے جب تذکرے لے کر بیٹھتے ہیں تو پچھلے وقتوں کے ان سرکاری افسروں کی ان خدمات کو نہایت فخر کے ساتھ بیان کر کے ان کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ ان سرکاری افسروں نے ہماری تاریخ اور مسلمانوں کی جدّ و جہد کے نازک دور میں اپنی قوم یا فرقے کا ساتھ دیا اور اس طرح سے پاکستان کے حصول میں ممد ہوئے۔

لیکن ایک دوسرا پہلو بھی ہے کہ انھوں نے سرکاری افسر ہونے کے ناطے ایک دفتری فائل چُرا کر ایک سیاست دان کے حوالے کر دی۔ اس طرح سے سرکاری نوکری اختیار کرتے وقت رازداری کا جو حلف اٹھایا تھا، اس کو توڑا اور حلف شکنی کے مرتکب ہوئے لیکن اگر اسی فعل کو ایک وسیع پس منظر میں رکھ کر دیکھا جائے تو ہم اس نتیجے پر پہنچنے پر مجبور ہوں گے کہ جب انسان کسی مقصد کو اعلیٰ وارفع سمجھنے لگتا ہے اور اس کے لیے وہ ہر قسم کے "چھوٹے موٹے گناہ"، "قانون اور حلف شکنیوں کے ارتکاب کے لیے

بھی تیار ہو جاتا ہے، تو کیا وہ احسن کام کر رہا ہے؟ کیا اس کا یہ اقدام قابلِ ستائش اور تعریف ہے بھی یا نہیں؟ اب جس وقت شہاب نے یہ اقدام کیا تو قائدِ اعظم اپنے پورے جاہ و جلال اور مقبولیت و محبوبیت کے ساتھ زندہ تھے۔ انھوں نے تھوڑی سی سرزنش کے بعد اس قانون شکنی کے اقدام کو قبول کیا تو اس کا واضح مطلب یہ نکلا کہ اس "قانون شکن" سرکاری عہدے دار کی ہمت افزائی ہو اور وہ اپنے دل میں پھولا نہ سماتا ہے جیسا کہ شہاب کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے یہ بیان ہی اپنے اس تفخر کے اظہار کیلئے کیا ہے اسلئے جب ایک سرکاری ملازم اپنی تمام "قانون اور حلف شکنیوں" کو حب الوطنی سمجھ رہا تھا اور ممکن ہے شعوری طور پر نہ سہی غیر شعوری طور پر یہ بات بھی تو ذہن میں ہو گی کہ پاکستان بنے گا، ہم آزاد ہوں گے، مسلم لیگ کا راج ہو گا اور اس وقت ان خدماتِ جلیلہ کا اعتراف کیا جائے گا۔

بعض لوگ اس قسم کی سوچ اور فکر کو اچھا نہ سمجھیں اور ناک بھوں چڑھائیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ آزادیِ وطن کے لیے جب ایک جمِ غفیر مصروفِ جہد ہوتا ہے تو وہ بھی ایک خوش حال زندگی کے خوابوں کے سہارے ہی مصروفِ جہد ہوتے ہیں، جب عام آدمی مسلم لیگ زندہ باد اور پاکستان زندہ باد یا دیا لے کے رہیں گے پاکستان کا نعرہ لگاتا ہے تو وہ ایک ایسے خطّہ زمین اور ملک کا تصوّر کر رہا تھا جہاں وہ اپنی غربت، اور جہالت، بے بسی اور بیکسی سے چھٹکارا پالے گا۔ سو اس لحاظ سے ہم سب نے جب آزاد ہندوستان اور آزاد پاکستان کا نعرہ لگایا تھا تو اس میں ہماری خود غرضیاں بہت بڑی محرک تھیں اور یہ خود غرضیاں عینِ زندگی ہوتی ہیں اور قوتِ متحرکہ کہلاتی ہیں اس لیے سرکاری ملازم بھی اسی خود غرضی کا شکار تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ بھی اس "خود غرضی" کی پوری ماہیت اور اہمیت کو نہ سمجھتا ہو اور اس پر شرمارہا ہو اور اس شرمساری کو وہ درویشی، حبُ الوطنی اور پارسائی کے لبادے میں پیش کرنے کی کوشش کرے تو یہ اس کی سماجی جدلیات سے "ناواقفیت" کی دلیل ہے ورنہ اس "خود غرضی" کے قوت متحرکہ ہونے کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو اور اس کی پیپلز پارٹی نے پاکستان میں

Scanned with OKEN Scanner

عوامی تائید ہی "روٹی، کپڑے، مکان" کے نعرے کی بنیاد پر حاصل کی۔

ان دلائل کے پیشِ نظر ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ قدرت اللہ شہاب نے جو قانون اور حلف شکنی کی وہ ارفع و اعلیٰ مقاصد کے لیے کی ہوگی اس لیے وہ قابلِ تحسین ہے لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ مقاصد کے ارفع و اعلیٰ ہونے کا تعین کون کرے گا؟ جنرل ضیاء الحق نے جب ۵ جولائی ۱۹۷۷ کو ایک سول حکومت کا تختہ اُلٹا تھا اور انھوں نے بحیثیت پاکستانی افواج کے کمانڈر انچیف کے اقتدار سنبھالا تھا، تو انھوں نے بھی حلف شکنی کی تھی اور ان کے بقول ملک کو خانہ جنگی سے بچانے کے لیے یہ اقدام ناگزیر تھا، اس طرح سے انھوں نے جو اقدام کیا اور جس شب خون کے ذریعے انھوں نے پاکستان پر قبضہ کیا تو وہ ان کے نزدیک ایک اعلیٰ و ارفع مقصد کے لیے تھا لیکن پاکستان کے عوام کی بہت بھاری اکثریت جنرل ضیاء الحق کے اقدام کو بنظرِ استحسان نہیں دیکھتے اور وہ سمجھتے ہیں کہ انھوں نے حلف شکنی کر کے پاکستان کے آئین سے غداری کی ہے اور جب بھی عوام اقتدار میں آئیں گے وہ جنرل ضیاء الحق کو ان کے اس اقدام کی سزا دیں گے۔ اب ذرا ہم کو سوچنا چاہیے کہ عوام کے اقدام اور عمل کی ایک الگ حیثیت ہوتی ہے، وہ اپنی مرضی کے مالک ہوتے ہیں، وہ اپنی مرضی سے کسی جماعت کی تائید کرتے ہیں اور اپنی مرضی سے ہی کسی جماعت کے مخالف ہو جاتے ہیں یہ الگ بات ہے کہ اس مرضی کی تبدیلی میں کئی ایک عوامل شامل ہوتے ہیں لیکن سرکاری ملازم کی حیثیت مختلف رہی ہے وہ اپنے کو غیر جانب دار قرار دیتا ہے اور اس غیر جانبداری کا وہ حلف لیتا ہے، وہ رازداری کا بھی حلف اٹھاتا ہے، اس لیے جب وہ حلف شکنی کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ اس حلف کے نفسیاتی اور اخلاقی دباؤ سے اپنے کو آزاد کر لیتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ کل اس نے ایک ارفع و اعلیٰ مقصد کے لیے حلف شکنی کی تھی۔ اب وہ ہر حلف اور قانون شکنی کو ایک معمول بنا لیتا ہے اور ہر صاحبِ اقتدار کے لیے وہ قانون کو توڑنے مروڑنے کے لیے تیار رہتا ہے۔ ایک دفعہ اس نے الیکشن میں جانب داری برتی تو دوسری بار بھی جانب داری برتنے سے کون روک سکتا ہے جبکہ اس کو اس قانون شکنی اور جانب داری برتنے کے سلسلے میں ترقی اور خوشحالی بھی نصیب ہو رہی ہو۔

Scanned with OKEN Scanner

بہت دفعہ یہ سرکاری ملازم اعلیٰ مقاصد کا مبلغ بھی بنتا ہے۔ آزادیٔ فکر کا دعوے دار بھی بنتا ہے لیکن عملاً وہ آزادیٔ فکر کے خلاف ہر جرم کا مرتکب بھی ہوتا ہے، جسٹس کیانی نے ایوب کے دور میں اپنی حریتِ فکر کی بنیاد پر بڑا نام کمایا تھا لیکن اسی جسٹس کیانی نے ۱۹۵۸ء اکتوبر میں آئین ٹوٹتے دیکھا اور خاموش رہے اسی آئین جس کی پاسداری اور حفاظت کا جسٹس کیانی نے حلف اٹھایا تھا اسی کو جب جنرل ایوب کے مارشل لا نے ختم کر دیا تو کیا جسٹس کیانی نے احتجاج کیا؟ کیا وہ مستعفی ہوئے؟ نہیں، اور جب جسٹس کیانی نے اپنی طنز کے ذریعے ایوب کی حکومت کو تختۂ مشق بنایا تو یہ قدرت اللہ شہاب ہی تھے جنھوں نے گورنمنٹ کالج کے سالانہ کنونیشن کے موقع پر خطبہ صدارت دیتے ہوئے اسی جسٹس کیانی کے لتّے لیے تھے تو یہ منافقت اور یہ دو رخی ہماری نوکر شاہی کا ایک خاصا بن گئی اور چونکہ ہمارے ہاں کی زمیندارہ سماج میں اس نوکر شاہی کو کلیدی حیثیت حاصل رہی ہے اور اب بھی ہے، اور نوکر شاہی کے یہی صاحب لوگ ہیں جو ہم جیسے پسماندہ زرعی معاشرہ کے فکر کو بھی بہت حد تک متشکل کرتے ہیں چنانچہ انھوں نے ہمارے پورے معاشرے کے معتدبہ حصّہ کو منافق اور ابن الوقت بنا دیا ہے اور بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے اسمبلی کے اراکین کی منافقت اور ابن الوقتی کا تو ایک عالم کو پتہ چل جاتا ہے اور وہ بہت حد تک بدنام بھی ہو گئے ہیں لیکن یہ سرکاری ملازم اور افسر ہے کہ ہر ابن الوقتی اور منافقت کے بعد وہ پیر اور ولی کا رُوپ دھار لیتا ہے اور ہمارے ہاں کے سرکاری دانشور ممتاز مفتی اشفاق احمد اور ان کی بیگم ان کا گھر بو "عرس" منانے کے جتن کرنے لگے ہیں نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اب منافقت اور ابن الوقتی ہماری پوری نفسیات کا ایک حصہ بن گئی ہے اور کسی اصول کی خاطر اپنے عہدے کو تج دینا کبھی ہماری روایت کا حصہ ہی نہیں بن پائی بلکہ اس کے الٹ اقتدار کے آگے سرنگوں ہونا ایک جائز روایت ٹھہری۔

اب یہی قدرت اللہ شہاب ہر آمر کے پرائیویٹ سیکرٹری رہے اور اب انھوں نے اس خود نوشت سوانح میں مزے لے لے کر ان کے لتے لیے ہیں اور ساتھ ہی اپنے تصوّف سے وابستگی کے لبادے میں اپنی تمام ابن الوقتیوں کو چھپا ڈالا ہے:

Scanned with OKEN Scanner

ایک اور بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ قیام پاکستان کے بعد اس قسم کے سرکاری افسر کے اندر ایک اور رویہ بھی نشو و نما پاتا رہا ہے کہ اس نے چونکہ پاکستان کے دور میں قانون شکنی کر کے شاید یہ سمجھا کہ اس نے تحریک پاکستان کو کامیاب کرایا ہے اور اس کے دل و دماغ میں ایک بات راسخ ہو گئی کہ یہ اسی کی کارگزاری ہے جس نے پاکستان حاصل کیا ہے کیونکہ اس نے یہ یقین کر لیا کہ لیڈر کو اس نے دستاویزی مواد بہم پہنچایا، انتخابات میں جانب دارانہ رویہ اختیار کیا، دھاندلی بھی کی، اپنے اختیارات کا ناجائز فائدہ بھی اٹھایا پھر وزراء کو وزارت کرنے کے ڈھنگ بھی اسی سرکاری افسر نے سکھائے، بجٹ بھی تیار کر کے دیا اور جب لیاقت علی کے بجٹ نے کانگریسی صنعت کاروں کی صفوں میں کہرام مچا دیا اور چاروں طرف مسلم لیگی اور مسلمانوں کے حلقوں میں جناب لیاقت علی کی واہ واہ ہونے لگی تو سرکاری افسروں کی پوری کھیپ داد و تحسین کے ڈونگرے Audit and accounts کے افسر چوہدری محمد علی جو دہلی میں اس وقت ڈپٹی یا جائنٹ سیکرٹری کے عہدے پر فائز تھے، پر برسا رہے تھے اس لیے کہ ایک عالم کو یہی تاثر دیا گیا تھا کہ یہ سب چودھری محمد علی کی ذہانت و فطانت کا ہی شاخسانہ ہے اور ویسے بھی یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ اعلیٰ سرکاری مسلمان ملازمین جو پاکستان کے حصے آئے ان میں ایک طرف اردو بولنے والے تھے تو دوسری طرف پنجابی اکثریت میں تھے اور ان ہر دو پرتوں کی شاہی نے اپنے کو ایک حد تک پاکستان کا خالق گردانا۔ ویسے بھی زمیندار معاشرے میں افسر شاہی کا رعب داب کہیں زیادہ ہوتا ہے کیونکہ وہ قدم قدم پر محکمہ مال کے پٹواری سے لے کر پولیس کے سپاہی تک سے مرعوب ہونا اس کی گھٹی میں پڑا ہوتا ہے۔ اس لیے ڈپٹی کمشنر اور کمشنر تو حقیقت میں اس کے مائی باپ ہوتے ہیں۔ چنانچہ پاکستان کے قیام کے بعد کے معاشرے میں بھی یہ افسر شاہی کا رعب داب خاصا بنا رہا۔ وہ اس لیے بھی کہ زمیندار کے معاشرے کا سیاست دان عام طور پر جدید تقاضوں سے آگاہ نہیں ہوتا۔ ان کے مقابلے میں صنعتی سرمایہ دار طبقے میں جنم لینے والا بہت سی چیزوں سے مثلاً معاشیات، انجینئرنگ، اور منصوبہ بندی وغیرہ سے خود ہی آشنا ہوتا ہے اس لیے سیکرٹری اور افسر شاہی کے لیے اس کو "چل" دینا کوئی آسان نہیں ہوتا۔ لیکن ہمارے ہاں کے وزراء جن کو نہ معاشیات، کا علم

نہ منصوبہ بندی کا پتہ، نہ انتظامیہ کے قاعدے قوانین کا کوئی علم۔ تو وہ کیسے ان افسروں پہ رعب گانٹھ سکتے تھے اس لیے ہمارے وزراء اور سیاست دان کا ان افسروں کے نیچے لگنا ایک عام سی بات بن گئی۔ مثلاً ذرا غور کرنے کی بات ہے کہ کانگرس نے اپنا پلاننگ کمیشن ۱۹۳۶ میں قائم کیا۔ اور پنڈت جواہر لال نہرو خود اس کے صدر مقرر ہوئے اور اس میں چوٹی کے معاشی ماہرین سائنس دان اور انجینئر شامل تھے حتیٰ کہ مشہور پارسی بھابھا بھی اسی کمیشن سے متعلق تھا جو بعد میں آزاد ہندوستان کی اٹامک انرجی کمیشن کا پہلا سربراہ مقرر ہوا۔

اسی طرح کانگریس نے اپنے دور کے تعلیم کے مشہور ماہر ڈاکٹر ذاکر حسین کی صدارت میں تعلیمی کمیشن قائم کیا اور ان کی رپورٹ کو ہی واردھا سکیم کے نام سے موسوم کیا گیا۔ یہ ذاکر حسین وہی تھے جو جامعہ ملیہ اسلامیہ کے مدتوں سربراہ رہے اور پھر حکومتِ ہند کے صدر نامزد ہوئے اور بحیثیت صدر کے ہی ان کی وفات ہوئی۔

اسی طرح کانگریس نے اسی زمانے میں دیہات سدھار کی مفصّل سکیم منظور کی جس میں دیہی صنعتوں کا ایک جامع منصوبہ بنایا گیا تھا، اور انہی اسکیموں پر کانگرس کی وزارتوں نے عمل کرنا شروع کر دیا تھا۔

ان تمام باتوں کے بیان کا مطلب یہ ہے کہ کانگرس نے آزادی کی جدوجہد کی ہنگامی کارروائیوں کے ساتھ سماجی ترقی اور عوام کی بہبود کے لیے اچھا خاصا تفصیلی کام کر رکھا تھا لیکن مسلم لیگ نے اس ضمن میں کوئی پیش رفت ہی نہیں کی تھی۔

یہ تھا ایک صنعتی سرمایہ دار معاشرے اور زمیندار معاشروں اور ان کی جماعتوں کا تفاوت۔

افسر شاہی سے متعلق اس ساری بحث جو قدرت اللہ شہاب کی ایک کارگزاری کے بیان سے شروع ہوئی تھی، کو اس لیے ——— آگے بڑھانا ہے اور قاری کو اس پر سوچنے کے لیے مجبور کرنا ہے کہ کس طرح ہمارے ہاں کی افسر شاہی میں حلف شکنی کی روایت اس کی نفسیات کا ایک اہم حصہ بن گئی۔ لیکن اس پوری بحث کا ایک

اور پہلو بھی ہے اور وہ خاصا تلخ بھی ہے لیکن اس کے بیان سے میری زبان بھی جلتی ہے اور قلم بھی کانپتا ہے لیکن سچائی کی تلاش کے لیے ضروری ہے کہ میں وہ بات بھی بیان کر دوں اور وہ بات یہ ہے کہ اس پورے واقعے کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے اور وہ ہے ......

خود قائداعظم نے بھی اس چوری کی ہوئی دستاویز کو لینے سے انکار نہیں کیا۔ انھوں نے اس فعل پر سول سرونٹ کی سرزنش ضرور کی لیکن بالآخر یہ دستاویز مفید سمجھ کر اپنے پاس بھی رکھ لی کہ یہ بہت کارآمد ثابت ہوسکتی ہے۔ سو یہ ہے وہ عمل جو سیاست دان اور سول سرونٹ کو ایک ناجائز رشتہ Unholy alliance میں باندھ دیتا ہے۔ جتنے دنوں سیاست دان مقبول و محبوب رہتا ہے یہ سول سرونٹ بھی اس کا خدمت گزار رہتا ہے اور سیاست دان کی بالادستی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا ہے لیکن جیسے ہی سیاست دان کی مقبولیت اور محبوبیت کا سورج غروب ہونے لگتا ہے تو یہ سول سرونٹ، کھل کھیلتا ہے اور جس عمل کی ابتدا ایک بہت ہی "مقدس" اور بڑے نیک' جذبوں سے ہوتی ہے وہ بالآخر ناپاک سازش پر منتج ہوتے ہیں۔

لیکن اس پورے واقعے سے ایک بنیادی سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا سول سروس ہو یا فوج یا عدلیہ، یہ طبقاتی معاشرے میں واقعی غیر جانبدار ہوتی ہیں؟ بہر حال میں نے اس سوال پر تفصیلی بحث اپنی کتاب تیسری دنیا میں" فوج اور اقتدار اعلیٰ" میں کی ہے لیکن یہ ہے بڑا پیچیدہ مسئلہ، اس لیے اس پر مزید بحثیں ہونی چاہئیں تاکہ سچائی تک پہنچا جا سکے۔ کیونکہ "ارفع و اعلیٰ مقصد" یا "اسلام کی محبت کے نام پر کیا ہندوستان کا مسلمان افسر پاکستان کے لیے اپنی سرکاری دستاویزات چرانے کا مجاز بن جاتا ہے یا نہیں؟ یا پھر عراق کا شیعہ آیت اللہ خمینی امام حاضر کی خوشنودی کے لیے اپنے ملک کے راز ایران کو مہیا کرنے کا پابند ہو جاتا ہے یا نہیں؟

یہ سب سوال —— قدرت اللہ شہاب کے اقدام کے ضمن میں ہی پیدا ہوتے ہیں اور قدرت اللہ ایک عام پاکستانی افسر شاہی کا مظہر بھی ہے اور اسلام کا نام لیوا بھی۔ یہی نہیں بلکہ وہ صوفی بھی ہے اور ولی بھی، اس لیے اس کی حلف شکنی ایک اہم سوالیہ نشان بن جاتی ہے۔

Scanned with OKEN Scanner

باب ۱۱

برِ صغیر کی تقسیم کے آخری مراحل

پچھلے باب میں کانگرس، مسلم لیگ اور افسر شاہی کے رویوں کا میں نے تفصیلی ذکر ہی اس لیے کیا تھا کہ اس فضا کا نقشہ کھینچ سکوں جس نے بالآخر برطانوی حکومت کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا اور ۱۹۴۶ء میں اور ۱۹۴۷ء میں جو فضا بن گئی تھی، اس نے برطانوی حکمرانوں کو سوچنے پر مجبور کیا کہ وہ نفرت کے شعلوں میں جھلسنے والے خطے سے اپنا دامن کھینچ لیں تاکہ یہ برصغیر جب نفرت کے شعلوں سے بھسم ہو رہا ہو تو ذمہ داری اس پر نہ پڑے بلکہ وہ عالمی رائے عامہ کو یہ کہہ سکے کہ یہ ہے حال جو ہمارے بعد ہوتا ہے۔ دراصل جب عبوری حکومت میں مسلم لیگ شامل ہوئی تو عبوری حکومت میں شامل دونوں جماعتوں کا مقصد ایک دوسرے سے متصادم تھا۔ کانگرس چاہتی تھی کہ عبوری حکومت کامیاب ہو اور مسلم لیگ کو آہستہ آہستہ آئین ساز اسمبلی میں شرکت پر مجبور کر دیا جائے اس طرح سے وہ اپنی مرضی کے متحدہ ہندوستان کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کر سکے لیکن اس کے بالکل برعکس مسلم لیگ نہ تو عبوری حکومت میں چنداں دلچسپی رکھتی تھی اور آئین ساز اسمبلی کا تو پہلے ہی بائیکاٹ کر چکی تھی۔ کیونکہ اس طرح سے وہ حکومت برطانیہ کو مجبور کر سکے گی کہ وہ تقسیم کے اصول کو تسلیم کر لے۔ اب اس امر کے لیے ضروری تھا کہ وہ مسلم اکثریت کے صوبوں کو پوری طرح سے ہمنوا بنائے لیکن ایک صوبے میں تو اس کو سرے سے اکثریت ہی حاصل ہی نہ تھی اور وہ تھا صوبہ سرحد، دوسرا سب سے بڑا صوبہ پنجاب تھا جہاں اس کے پاس مسلم ارکان کی زبردست اکثریت تھی لیکن اس کے باوجود حکومت پر کانگرس اکالی یونینسٹ کولیشن قابض تھی، سندھ میں بھی حالت دگرگوں تھی۔

سندھ سندھ کی صوبائی اسمبلی میں نشستوں کی کل تعداد ساٹھ تھی جن میں صرف

چونتیس مسلمانوں کے لیے مخصوص تھیں۔ ان ۳۴ نشستوں میں مسلم لیگ اٹھائیس پر قابض ہوگئی تھی۔ باقی چھ مسلمان ممبروں نے مسٹر جی ایم سید کے زیر قیادت کانگریس پارٹی کے ساتھ ساز باز شروع کی۔ لیکن گورنر فرانسس موڈی نے مسلم لیگ کے لیڈر سر غلام حسین ہدایت اللہ کو وزارت سازی کی دعوت دی۔ انھوں نے چند آزاد ہندو ممبروں کو ساتھ ملا کر کولیشن وزارت بنالی۔ لیکن وزارتی پارٹی اور حزب مخالف کے درمیان تعداد کا فرق صرف تین چار کا تھا۔ وزارتی پارٹی نے ایک مسلم لیگی کو اسمبلی کا صدر منتخب کرا دیا تو یہ فرق اور بھی کم رہ گیا۔ نومبر ۱۹۴۶ء میں سیشن سے پہلے ایک آدھ ممبر نے گڑبڑ کی تو دونوں پارٹیوں کی تعداد برابر ہوگئی۔ مسلم لیگ نے صدر سے استعفا دلا کر اپنی طاقت میں ایک کا اضافہ کرلیا۔ اب کوئی پارٹی اپنے کسی ممبر کو صدر بنانے پر تیار نہ تھی۔ کیونکہ اس طرح اس کی ووٹ کی طاقت میں ایک کی کمی ہو جاتی تھی۔ گورنر موڈی نے ان حالات میں اسمبلی کو توڑ دیا اور نئے انتخابات کا حکم دے دیا۔

جب ان انتخابات کا وقت آیا تو قائد اعظم نے ان کی نگرانی کا کام مسلم لیگی وزیر راجہ غضنفر علی خاں کو سپرد کیا اور راجہ صاحب پنجاب سے مقرروں، نظمیں پڑھنے والوں اور انتخابی کارکنوں کا ایک دستہ لے کر سندھ کی صوبائی لیگ پارٹی کی کمک کو پہنچ گئے۔ اس دوبارہ عام انتخاب میں مسلم لیگ نے مسلم عوام کے ووٹ سے سو فیصد فتح حاصل کرلی یعنی تمام مسلم نشستوں پر قبضہ کرلیا۔ مسٹر جی ایم سیّد کے حلقے میں مقابلہ بہت سخت تھا۔ لیکن حلقہ بھی لیگ نے جیت لیا۔ پارٹی کی لیڈری کے سلسلے میں سر غلام حسین ہدایت اللہ اور مسٹر ایوب کھوڑو کے درمیان کشمکش تھی۔ لیکن قائد اعظم کے ثالثی فیصلے کے مطابق مسٹر کھوڑو مقابلے سے ہٹ گئے اور غلام حسین کی کابینہ میں وزیر لے لیے گئے۔ اس کے بعد قیام پاکستان تک اس صوبے میں کوئی وزارتی بحران نہ ہوا۔

لیکن اصل مسئلہ پنجاب کا تھا، اس لیے کہ پنجاب اور بنگال ہی مسلم اکثریت کے سب سے بڑے صوبے تھے۔ مزید برآں پنجاب کو ایک اور زبردست اہمیت تھی کہ یہ فوجی بھرتی کا مرکز تھا اور برطانوی سلطنت کا "بازوئے شمشیر زن" تصور ہوتا تھا اس لیے اگر یہ صوبہ مسلم لیگ کی پشت پر نہ ہو تو اس کی سودے بازی کا کھیل جیتا نہیں جا سکتا۔

خود پنجاب کے مسلمان اسمبلی کے ارکان پیچ و تاب کھائے ہوئے تھے کہ وہ اتنی بھاری اکثریت رکھتے ہوئے اقتدار سے محروم ہیں اور کانگریس نے یونینسٹ پارٹی جس میں مسلمان صرف ۸ تھے، کو ساتھ ملا کر ان کو اقتدار سے محروم کر رکھا تھا۔ چنانچہ یہ غیض و غضب کی کیفیت تھی۔ اس غیض و غضب کی کیفیت میں پورے برصغیر میں ہندو مسلم فسادات ہو رہے تھے۔ اس نے اور بھی اضافہ کر دیا تھا۔

ہندو مسلم فسادات کی جو لہر اٹھی تھی اس نے ہر صوبے کو اپنے اپنے انداز میں متاثر کیا تھا چنانچہ پنجاب میں ہندوؤں کی متشدّدانہ جماعتیں راشٹریہ سنگھ اور اکالی سینا جو مدّتوں پہلے وجود میں آ چکی تھیں۔ بہت زیادہ متحرک ہو گئیں ان کا ردِعمل مسلمانوں میں بھی ہونا لازمی تھا چنانچہ مسلم لیگ نیشنل گارڈ بھی حرکت میں آ گئی اس پر حکومتِ پنجاب نے مسلم لیگ نیشنل گارڈ اور راشٹریہ سیوا سنگھ کی تنظیموں کو خلافِ قانون قرار دے دیا۔ اس کے نتیجے میں کیا ہُوا، ذرا تاریخ وار ملاحظہ ہو!

○ ۲۴ جنوری ۱۹۴۷ء

پولیس کی ایک بھاری جمعیت آناً فاناً لاہور میں مسلم لیگ نیشنل گارڈ کے دفتر بغرضِ تلاشی پہنچی اس زمانے میں پنجاب مسلم لیگ کا دفتر رائل پارک میں ہوتا تھا اور اسی دفتر کے ایک حصہ میں مسلم لیگ نیشنل گارڈ کا دفتر بھی ہوتا تھا جب پولیس تلاشی کے لیے وہاں پہنچی تو اس وقت پنجاب مسلم لیگ کے قائدین ——— میاں افتخار الدین ممتاز محمد خان دولتانہ، نواب افتخار حسین، سردار شوکت حیات وہاں غیر رسمی گفتگو کے لیے جمع تھے اور کئی ایک اور بھی زعماء اور کارکن موجود تھے۔ جب پولیس پہنچی تو میاں افتخار الدین اچھل کر ان کے راستے میں کھڑے ہو گئے اور اندر داخل ہونے سے روک دیا۔ میاں افتخار الدین کو تو ایسے موقعوں کی مشق تھی۔ چنانچہ جب میاں افتخار الدین نے یہ مزاحمت کی تو دوسرے زعماء اور قائدین کے لیے بھی اس مزاحمت میں شریک ہونے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ چنانچہ دیکھتے دیکھتے سول نافرمانی کی تحریک شروع ہو گئی۔

لطف یہ ہے کہ جب یہ تلاشی کا معاملہ شروع ہُوا تو پنجاب کے وزیراعظم صوبے میں

موجود نہ تھے بلکہ دہلی گئے ہوئے تھے۔ چنانچہ بعد میں اس امر کی نشان دہی کی گئی، کہ ایک انگریز پولیس افسر نے مروّجہ قواعد وضوابط کو پس پشت ڈالتے ہوئے اپنی ذمہ داری پر بغیر صوبائی وزیر اعظم کی منظوری اور علم کے تلاشی کا حکم دے دیا اور اس امر کی تصدیق خود میر نور احمد جو اس وقت محکمہ اطلاعات میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھے نے اپنی کتاب "مارشل لا سے مارشل لا تک" میں بھی کیا ہے، سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں کیا گیا؟ کیا صوبے میں اشتعال پھیلانا اور وزیر اعظم کو ایسی دلدل میں پھنسانا جہاں وہ مسلم لیگ کے خلاف اقدام پر مجبور ہو جائے اور اختلافات کو ہوا ملے۔

○ ۲۶ جنوری ۱۹۴۷ء

دو دنوں کے بعد جب وزیر اعظم پنجاب ملک خضر حیات واپس لاہور پہنچے تو پورے صوبے میں سول نافرمانی کی آگ پھیل چکی تھی، چنانچہ ملک خضر حیات واپس آتے ہی تمام گرفتار شدگان کی رہائی کے احکام صادر کر دیے۔

○ ۲۸ جنوری ۴۷ء کو مسلم لیگ نیشنل گارڈ پر پابندیوں کا سرکاری حکم بھی منسوخ کر دیا۔

ان احکام سے وزیر اعظم ملک خضر حیات کا خیال تھا کہ ان احکام سے تحریک رُک جائے گی لیکن اب مسلم عوام کی بے چینی اور اقتدار سے محرومی کو اپنے اظہار کے لیے جو راستہ مل گیا وہ اس سے ہٹنے کے لیے تیار نہیں تھا، کیونکہ ان کو اصل غصہ ملک خضر حیات اور ان کی وزارت پر تھا۔ مسلم لیگ جس کو انھوں نے ووٹ دے کر کامیاب کیا ہے اس کو اقتدار سے محروم کیوں رکھا جا رہا ہے۔ چنانچہ مسلم عوام باقاعدہ جلوس نکال کر اپنے غم وغصہ کا اظہار کرتے رہے اور اب ان کا نعرہ ہی یہ تھا کہ خضر مستعفی ہو اور پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ کو ختم کرو کیونکہ یہ تمام اقدام پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت بھی کیے جا رہے تھے۔ اور جلسے جلوسوں پر بھی پابندیاں اسی قانون کے تحت لگائی گئی تھیں اس لیے یہ تمام جلوس اور مظاہرے وغیرہ اسی پنجاب سیفٹی ایکٹ کے تحت عائد کردہ پابندیوں کی خلاف ورزی تھی اور اس خلاف ورزی کی بنا پر گرفتاریاں ہوتی رہی تھیں۔ مسلم لیگی لیڈروں نے ان پابندیوں کو شہری آزادی کے حقوق کے منافی قرار دے کر ان کے خلاف سول نافرمانی

کی مہم جاری رکھی اور پھر گرفتار ہوگئے۔

لاہور کے مسلم عوام نے اس تحریک کو ایک مہینے سے زیادہ جس منظم اور پُرسکون طریق پر لیکن پوری عوامی قوت کے ساتھ چلایا وہ تحریک پاکستان کا ایک روشن باب تھا اس تحریک کے ذریعے مسلمانوں کے سیاسی جوش کو جو یونینسٹ۔اکالی۔کانگریس کولیشن وزارت کے خلاف ان کے سینوں میں موجزن تھا، اپنے اظہار کا موقع ملا لیکن اس کا اظہار حیرت انگیز ڈسپلن کے ساتھ کیا گیا۔کئی مواقع ایسے آئے کہ مسلم ہجوم کو مشتعل کرنے کی کوشش کی گئی لیکن ہجوم صبر و استقلال کے ساتھ اور پُرامن طریق پر بھاری تعداد میں ہر روز مظاہرے کرتے رہے اور اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کرتے رہے۔سول نافرمانی کی تحریک پنجاب کے دوسرے شہروں میں بھی شروع ہوگئی۔ایک موقعہ پر عوام نے ریل گاڑیوں کے سامنے رکاوٹ ڈالنے کی بھی کوشش کی۔لیکن جو مسلم لیگی لیڈر ابھی جیلوں سے باہر تھے۔ان کی اپیل پر یہ حرکت ترک کردی۔اس تحریک کا ایک قابلِ ذکر پہلو یہ تھا کہ اس میں حصہ لینے کے لیے مسلم خواتین نے بھی پیش قدمی کی۔پنجاب کی تاریخ میں پہلی مرتبہ معزز گھرانوں کی خواتین نے جن میں برقعہ والیاں بھی تھیں اور برقعہ کے بغیر خواتین بھی تھیں۔لاہور کی سڑکوں پر جلوس نکال کر قانون کی خلاف ورزی کی اور پولیس کی اشک آور گیس کا مقابلہ کیا۔خواتین کے مظاہرے منظم کرنے میں مس ممتاز (بیگم جہاں آرا شاہنواز کی جوانمرگ صاحبزادی) بیگم فاطمہ، بیگم سلمیٰ تصدق حسین اور ان گنت عورتیں اور جوان لڑکیاں ان مظاہروں میں شریک ہوگئیں اور یہی وہ زمانہ تھا جب پنجاب کے سول سیکرٹریٹ پر ایک نوجوان لڑکی نے چڑھ کر یونین جیک اتار کر مسلم لیگ کا جھنڈا لہرادیا۔یہ مسلم عوام کا جوش اور ولولہ جاری تھا اور صوبے کے شہر اور دیہات خضر حیات مردہ باد کے نعروں سے گونج رہا تھا کہ حکومت برطانیہ کے وزیراعظم ایٹلی کے بیان نے صورت حال میں ایک نمایاں تبدیلی پیدا کردی۔

○ ۲۰ فروری ۱۹۴۷ء

حکومت برطانیہ کا ڈرامائی اعلان یہ تھا کہ برطانیہ اپنی حکومت بہر صورت جون ۱۹۴۸ء

Scanned with OKEN Scanner

تک ختم کر دے گا اور ممکن ہے کہ اسے ہندوستان کو آزاد کرتے وقت اقتدار کی قانونی سپردگی صوبائی حکومتوں کو کرنی پڑے۔ اس اعلان نے ایک نئی صورتِ حال پیدا کر دی جس نے ملک خضر حیات اور اس کے حلقہ احباب کو سوچنا پڑ گیا کیوں کہ انھوں نے دیکھ لیا تھا کہ مسلم عوام کو وہ اپنے ساتھ کسی صورت نہیں رکھ سکتے اس لیے ان کو اب الگ ہو جانا چاہیے۔ کیونکہ وہ محسوس کر رہے تھے کہ اگر انگریزی حکومت نے اقتدار صوبوں کے ہی حوالے کر دیا تو کیا وہ ایسی صورت میں جبکہ صوبے کے عوام کی اکثریت ان کے خلاف صف آرا ہے وہ اقتدار پر قابو بھی رکھ سکیں گے بھی یا نہیں، نیز ان کو یہ بھی احساس ہو گا کہ وہ مسلم لیگ پر ثابت کر دیں کہ یہ صرف ان کی ذات ہی تھی جس نے غیر مسلموں کو اپنے ساتھ رکھا ہوا تھا اور ان میں یہ اہلیت نہیں۔

۲ مارچ ۱۹۴۷ء اور ۳ مارچ ۱۹۴۷ء کی نصف شب کو انھوں نے مستعفی ہونے کا فیصلہ کر لیا اور اسی وقت اپنا استعفا گورنر کو بھیج دیا اور ایک بیان دیا جس میں کہا گیا تھا :۔

"اب انتقالِ اقتدار کا سوال حقیقی طور پر سامنے آ گیا ہے۔ صوبے کی مسلم اکثریت کی جانب سے مسلم لیگ ہی کو اس حقیقت کا سامنا کرنا چاہیے۔ اور اقلیتوں کے نمائندے کے ساتھ جس طرح وہ چاہے مستقبل کے متعلق معاملہ کرنا چاہیے یہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ میں راستے سے ہٹ جاؤں لیکن میں مسلم لیگ کو ہر ممکن امداد جو وہ طلب کرے، دینے کو تیار ہوں گا میری انتہائی خواہش ہے کہ پنجاب کی سالمیت برقرار رہے، اگر اس صوبے کے ٹکڑے ہوئے تو اس سے تمام پنجابیوں کو نقصانِ عظیم ہو گا۔"

اس خبر نے پنجاب کے مسلمان عوام کو خوشی سے دیوانہ کر دیا اور جن زبانوں پر "خضر حیات مردہ باد" کے نعرے ہوتے تھے وہ یکدم چیخ اٹھے :

"خبر آئی اے کہ خضر ساڈا بھائی اے"

لیکن اسی خبر نے غیر مسلموں اور ان کے لیڈروں کو مشتعل کر دیا اور غصہ سے دیوانہ وار

Scanned with OKEN Scanner

دکھائی دینے لگے ۔

○ ۳ مارچ ۱۹۴۷ء

گورنر پنجاب سر ایون جینکنز نے خان افتخار حسین خاں جو پنجاب مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کے قائد تھے نے وزارت سازی کی دعوت دی یہ دعوت ان کو گورنمنٹ ہاؤس میں گورنر نے ایک ملاقات کے دوران دی۔ خان افتخار حسین آف ممدوٹ نے گورنر کی یہ دعوت قبول کر لی ۔

○ گورنر نے خاں افتخار حسین سے ملاقات کرنے سے پہلے پنجاب اسمبلی کی کانگرس پارٹی کے لاہور بھیم سین سچر اور سکھوں کی پینتھک پارٹی کے قائد سردار سورن سنگھ سے بھی ملاقات کی ۔

○ خان افتخار حسین آف ممدوٹ نے وزارت سازی کی دعوت کے بعد سکھ لیڈروں سے تعاون کی باقاعدہ اپیل کی اور کہا کہ صوبے میں ایک اقتصادی اور سماجی انقلاب کے لیے ہمارا آپس کا اتحاد ضروری ہے اور اسی اتحاد سے ہمارا مستقبل وابستہ ہے ۔

○ ملک خضر حیات اور ان کی کابینہ کا استعفیٰ منظور کرتے ہوئے گورنر نے اعلان کیا کہ ۲ مارچ ۱۹۴۷ء کو ملک خضر حیات نے اپنا اور اپنی کابینہ کا استعفیٰ پیش کر دیا۔ جسے میں نے منظور کرتے ہوئے ان سے کہا ہے کہ جب تک نئی وزارت قائم نہیں ہو جاتی وہ اپنا کام جاری رکھے اور میں نے نواب ممدوٹ کو وزارت سازی کی دعوت دے دی ہے۔

○ اسمبلی کا اجلاس تین بجے سہ پہر شروع ہوتا تھا۔ لیکن اجلاس سے پہلے ہی مسلم لیگ کے ہزاروں مداح اسمبلی کے باہر جمع ہونے شروع ہو گئے اور جیسے ہی مسلم لیگ کا لیڈر اسمبلی میں داخل ہوا تو پوری فضا زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھی ۔

○ پنجاب اسمبلی کے سپیکر دیوان بہادر ایس پی سنگھا نے اسمبلی کا اجلاس بغیر کسی

Scanned with OKEN Scanner

کارروائی کے غیر معینہ عرصہ کے لیے ملتوی کر دیا۔ اجلاس میں وزراء میں سے لالہ بھیم سین سچر اور سردار لہری سنگھ بھی موجود تھے۔

○ قائد اعظم محمد علی جناح نے ایک بیان میں ملک خضر حیات کے استعفا کو ایک عقلمندانہ قدم قرار دیا اور امید ظاہر کی کہ اب صوبہ سرحد کے وزیر اعظم ڈاکٹر خان صاحب بھی اس اقدام کی پیروی کریں گے۔

○ ۳ مارچ ۱۹۴۷ء

اسمبلی کے اجلاس کے خاتمہ پر عبوری کولیشن حکومت کے وزیر خزانہ اور کانگرس پارلیمانی پارٹی کے لیڈر لالہ بھیم سین سچر اور ماسٹر تارا سنگھ نے اسمبلی کے باہر ہجوم کو دیکھ کر اپنی کرپان میان سے نکال کر فضا میں لہرا کر اعلان کیا :

"اب پنجاب پر سکھوں کی حکومت ہو گی، اس کا فیصلہ تلوار کرے گی "جو مانگے گا پاکستان اس کو دیں گے قبرستان"۔ ہم مسلمانوں کا دماغ درست کر دیں گے، مسلم لیگ کو ختم کر دو۔ میں نے بگل بجا دیا۔"

○ اسی شام اینٹی پاکستان کونسل آف ایکشن کا جلسہ کپور تھلہ ہاؤس لاہور میں منعقد ہوا اس میں لالہ بھیم سین سچر نے کہا :

"ہندو اور سکھ مل کر مسلم لیگ منسٹری نہیں بننے دیں گے۔ ہم کھلم کھلا مظاہرہ کریں گے اور ان مظاہروں میں فرقہ وارانہ تصادم بھی ہو جائے تو ہم پرواہ نہیں کریں گے۔"

○ اس میٹنگ میں ڈاکٹر گوپی چند بھارگو، سردار پرتاپ سنگھ کیروں ممبر آل انڈیا کانگرس ورکنگ کمیٹی موجود تھے۔ اسی طرح ماسٹر تارا سنگھ کو ہندو اور سکھ کانگریسیوں نے اپنا لیڈر منتخب کر لیا۔

چودھری کرشن گوپال دت، لالہ بھیم سین سچر، چودھری لہری سنگھ، مسٹر لیش پال، گیانی کرتار سنگھ بھی موجود تھے۔ اس جلسہ میں سب سے پہلے مسٹر لیش پال خزانچی پنجاب کانگریس نے اسٹیج پر آتے ہی مہارانا پرتاپ زندہ باد، سیواجی مرہٹہ زندہ باد کے نعرے بلند کیے۔ ان نعروں کے درمیان ماسٹر تارا سنگھ نے دوبارہ اپنی تقریر میں کہا :-

Scanned with OKEN Scanner

"آج سے پنجاب میں یُدھ شروع ہو گیا ہے۔ ہندو اور سکھ پہلے ہی نازک وقت سے گزر رہے تھے لیکن اب زیادہ مشکل آن پڑی ہے۔ مسلمان ہم پر جبراً راج کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اس لیے میں نے پنجاب کی طرف سے چیلنج دیا ہے کہ ہم ظلم برداشت نہیں کریں گے۔"

چودھری ہری سنگھ میں جاٹ ہوں، جاٹ زیادہ باتیں نہیں کرتے۔ وہ کام کرنا جانتے ہیں مسلم راج کو تباہ کرنے کے لیے انھیں جاٹوں نے سکھ دھرم قبول کیا تھا۔ وہ اب بھی جانوں کو قربان کر دیں گے۔

پرتاپ سنگھ کیروں ہم اس وقت تک ضبط سے کام لیتے رہے ہیں لیکن کولیشن وزارت کے ختم ہونے کے ساتھ ہی ہم بھی آزاد ہو گئے ہیں۔ ہم پاکستان کا مقابلہ ہر ممکن طریقے سے کریں گے۔ دنیا کی کوئی طاقت پنجاب میں پاکستان نہیں بننے دے گا۔"

گیانی کرتار سنگھ میں آئندہ جدوجہد کو دھرم سمجھتا ہوں اور اعلان کرتا ہوں کہ سکھ قوم کا ایک ایک بچہ کٹ مرے گا۔ لیکن پنجاب میں پاکستان نہیں بننے دے گا۔
آج سے سو سال پہلے پنجاب کی جنگ سردار شام سنگھ اٹاری والے نے ہندوستان کی آزادی برقرار رکھنے کے لیے شروع کی تھی۔ اب پھر وقت آگیا ہے کہ ایک ایک سکھ اور ہندو سردار شام سنگھ کی طرح دیش کی خاطر قربان ہو جائے۔

یہ تمام واقعات ۳ مارچ ۱۹۴۷ء کو رونما ہوئے۔ اور ان واقعات نے پورے پنجاب میں فسادات کے شعلے بھڑکا دیے۔

- ۴ مارچ ۱۹۴۷ء
- لاہور میں ۱۱ گھنٹے کے لیے کرفیو نافذ کر دیا گیا۔
- عبوری عارضی حکومت بھی مستعفی ہو گئی۔
- نواب ممدوٹ جلد ہی اپنی کابینہ کی فہرست گورنر کو پیش کر دیں گے۔ خیال کیا جا رہا ہے کہ ان کی کابینہ میں ایک سے زیادہ غیر مسلم بھی ہوں گے۔

Scanned with OKEN Scanner

نواب ممدوٹ نے آج بھی گورنمنٹ ہاؤس میں گورنر سے ملاقات کی اور شہر اور صوبے میں فسادات کی صورت حال پر غور کیا گیا۔

لطف یہ ہے کہ مسلم لیگ کی طرف سے پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ کے خلاف ایک ماہ تک تحریک چلتی رہی، جلسے بھی ہوتے، جلوس بھی نکلے، مظاہرے بھی کیے گئے، لیکن کسی ایک شہر یا کسی ایک گاؤں میں ہندو مسلم فساد یا مسلم سکھ فساد نہیں ہوئے لیکن اس تحریک کے خاتمے کے ایک ہفتے کے اندر ہندو مسلم اور مسلم سکھ فسادات کے شعلے بھڑک اٹھے۔

اور صوبائی دارالحکومت میں ہندو طلبا کے جلوس کی قیادت خود وزیر خزانہ لالہ بھیم سین سچر نے کی۔

پاکستان ٹائمز کی اطلاع کے مطابق اسی روز شام کانگرس کے صدر جے بی کرپلانی نے صوبائی کانگریس کو ہر قسم کے مظاہروں سے روک دیا۔

○ ۵ مارچ ۱۹۴۷ء

گورنر پنجاب نے صوبے میں دفعہ ۹۳ نافذ کر کے تمام اختیارات خود سنبھال لیے اور اعلان کر دیا کہ چونکہ ابھی تک کوئی وزارت نہیں بنائی جا سکی، اس لیے یہ اقدام ضروری ہو گیا ہے، یہ اعلان بدھ ۵ مارچ ۱۹۴۷ء کو شام ساڑھے سات بجے کیا گیا۔

○ حالانکہ اسی روز دوپہر تک مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کے قائد نواب ممدوٹ دو دفعہ گورنر سے مل کر یقین دلا چکے تھے کہ مسلم لیگ اسمبلی پارٹی اور وہ وزارت بنانے کے اہل ہیں اور اسی مضمون کا خط بھی انھوں نے گورنر کو بھیج دیا تھا۔

○ گورنر نے بھی نواب ممدوٹ کو ایک وضاحتی خط بھیجا کہ کیونکہ عبوری حکومت بھی مستعفی ہو گئی ہے اس لیے میرے لیے تمام اختیارات اس وقت سنبھالنا ضروری ہو گیا تھا جب تک کہ مسلم لیگ وزارت بنانے کے قابل نہیں ہو جاتی۔

ان تمام اقدام ـــــ عبوری حکومت کا استعفیٰ، غیر مسلم لیگیوں کی زبردست اشتعال انگیزیاں، گورنر راج کا قیام، ان سب کا ایک ہی مطلب تھا کہ مسلم لیگ کو غیر مسلم لیگی عناصر کا تعاون حاصل نہ ہونے پائے اور کوئی بھی مسلم لیگ کے ساتھ کولیشن وزارت

بنانے کے لیے تیار نہ ہو سکے۔ نتیجتہً فسادات کے شعلے بھڑکتے رہیں۔

۷ مارچ ۱۹۴۷ء

جس پیمانے پر فسادات شروع ہوئے اس نے خود ان لیڈروں کو بھی پریشان کر دیا، جنھوں نے اپنی اشتعال انگیزیوں سے ان فسادات کے لیے فضا تیار کی تھی چنانچہ تمام جماعتوں پر مشتمل ایک امن کمیٹی قائم کر دی گئی۔

خان افتخار حسین خاں ممدوٹ

لالہ بھیم سین سچر

ماسٹر تارا سنگھ

ملک فیروز خاں نون

ڈاکٹر گوپی چند بھارگوا

میاں افتخار الدین

میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ

دیوان بہادر ایس۔ پی سنگھا

سردار شوکت حیات

مسٹر سی ای گبن

شامل تھے۔

اور خان افتخار حسین ممدوٹ، لالہ بھیم سین سچر اور سردار سورن سنگھ نے ریڈیو سے صوبے کے تمام باشندوں سے امن و امان اور صلح و آشتی کے لیے مشترکہ اپیل کی۔ اس میں کہا گیا تھا:

"ہم سب کو معلوم ہے کہ پچھلے منگل سے لاہور میں فرقہ وارانہ فسادات کی وجہ سے کئی ایک جانیں تلف ہوئی ہیں، ہزاروں زخمی ہوئے اور جائیدادوں کو شدید نقصان پہنچا ہے، لاہور سے متاثر ہو کر صوبے کے کئی دوسرے قصبوں اور شہروں میں بھی فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑے ہیں۔ ہم ان تمام ظالمانہ کارروائیوں کی مذمت کرتے ہیں اور آبادی کے تمام حصوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ خدا

Scanned with OKEN Scanner

اور انسانیت کے نام پر ان وحشیانہ حرکات سے باز آئیں اور ایک دوسرے کا خون بہانا فوراً بند کریں۔ سیاسی جماعتوں کے درمیان موجودہ اختلافات کبھی بھی تشدد سے طے نہیں پا سکیں گے بلکہ یہ مسائل کو اور بھی اُلجھا دیں گے۔

اس لیے ہم صوبے کے تمام باشندوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ہر جگہ امن کمیٹیاں قائم کریں، عوام سے اپیل کریں کہ وہ ان سے تعاون کرے اس طرح سے ہم اپنے اختلافات امن اور بھائی چارے کی فضا میں حل کرنے کی کوشش کریں۔

ہمیں پوری امید ہے کہ تمام محبانِ وطن پنجابی امن کمیٹیوں میں منظم ہو کر امن بحال کرنے میں پوری پوری امداد دیں گے۔

لیکن یہاں رُک کر ذرا سوچیے آپ کا تعلق جس مذہب سے بھی ہو۔ ذرا یہ اندازہ لگائیے کہ جب آپ دس برس تک ایک دُوسرے کے خلاف شدید نفرت کا اظہار کرتے رہے ہوں، جب اس بات پر التزاماً اصرار کرتے رہے ہوں کہ ہم اکٹھے نہیں رہ سکتے، ہمارا دین مختلف ہے، ہمارے رسم و رواج مختلف ہیں تو پھر اس کا نتیجہ سیاسی سطح پر کیا ہوگا، کہ آپ کے ساتھ کولیشن میں کوئی نہیں آئے گا اور آپ اکثریت رکھتے ہُوئے بھی اقتدار سے محروم ہو جائیں گے۔

لیکن بات جب زعما اور قائدین سیاسی سطح پہ کرتے ہیں کہ وہ یہ بات سمجھنے سے ہی قاصر رہ جاتے ہیں کہ عامۃ الناس تک یہی سیاسی باتیں اور نعرے پہنچتے پہنچتے کیا رنگ روپ اختیار کر لیں گے اور وہ سیاست سے نکل کر نفرت کی صورت اختیار کرنے گا۔ جب لیڈر سیاسی سطح پر یہ کہتا ہے کہ ہندو اور مسلم دو قومیں ہیں، ہم اکٹھے نہیں رہ سکتے تو پھر ایک عام مسلمان اپنے ہمسائے ہندو کو کیسے برداشت کرے گا اسی طرح ہندو یا سکھ اپنے مسلمان ہمسائے کو کس صورت میں گوارا کر سکتا ہے، ان کے نزدیک آخری فیصلہ تشدد اور ہتھیار سے ہوتا ہے چنانچہ نتیجہ فسادات کی صورت میں نکلا اور اس قسم کی سیاست کا نتیجہ

ہمیشہ فسادات اور قتل و غارت ہی ہی نکلتا ہے اور نکلا کرے گا۔ کیا آج ہم جب سب مسلمان ہیں اور جو تاریخ میں بیان کر رہا ہوں اس کو چالیس برس سے زائد گزر چکے ہیں اور اب یہاں کوئی ہندو نہیں ہے کوئی سکھ نہیں ہے تو کیا اب فسادات نہیں ہو رہے، کیا اب آتش زنی نہیں ہو رہی۔ کیا اب گھروں کو نہیں لوٹا جا رہا۔ اور تو اور اب ہند و ہندوستان اور مسلمان پاکستان اسلحہ بدست ایک دوسرے کے خلاف ایستادہ نہیں ہیں۔ اور اب تو لاکھوں کی منظم فوجیں سرحدوں پر کھڑی ایک دوسرے کو للکارنے میں مصروف ہیں۔ اب خدارا سوچیے جب ہم نے کہا کہ ہندو مسلم مسئلے کا واحد حل پاکستان ہے تو کیا یہ حل اس مسئلے کو حل کرنے میں کامیاب ہوا؟ یہ ایک سوال ہے جس کا جواب سیاست دانوں کو ایک نہ ایک دن دینا پڑے گا اور نئے سرے سے حل بھی سوچنا ہو گا۔ خواہ اس کو ایک صدی لگ جائے اور کئی نسلیں اس کا جواب ڈھونڈتے ڈھونڈتے اللہ کو پیاری ہو جائیں۔ یہ مسئلہ ہر نسل کو پریشان کرتا رہے گا ہندوستان میں بھی اور پاکستان میں بھی۔ ہندوستان بھی دس کروڑ مسلمانوں کو ختم نہیں کر سکتا وہ پاکستان کو بھی ختم نہیں کر سکتا، اس نے بنگلہ دیش کی تحریک جو مسلمان بنگالیوں کی آزادی کی تحریک تھی اس کو ہندوستان نے پاکستان کی دشمنی سے شہ دی اپنے مقاصد کی خاطر۔ لیکن کیا اس نے اپنے مقاصد حاصل کر لیے، اس نے ایک پاکستان سے دشمنی کی خاطر اب دو پاکستان بنا لیے ہیں، تو یہ ہے اوپری طبقہ کی سیاست کے نتائج، کیونکہ جب سیاست صاحب اقتدار کی باندی بنے گی۔ زمینداروں سرمایہ داروں کی غلام ہو گی تو عوام کو یہ طبقے مختلف نعروں سے مسحور ضرور کرتے رہیں گے لیکن مسائل کو حل نہیں کر پائیں گے تو آج کے قاری کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ مسلم لیگ اور قائد اعظم جن مسائل کے حل کے لیے میدان سیاست اور عمل میں کودے تھے اس میں ان کو قطعاً کامیابی نہیں ہوئی۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ انڈین نیشنل کانگریس کے قائدین جس اکھنڈ اور متحدہ ہندوستان کا نعرہ لگاتے تھے وہ صحیح حل تھا۔ نہیں تاریخ نے ثابت کر دیا کہ دونوں حل غلط تھے۔ اب مستقبل ہی بتائے گا کہ کون سا حل صحیح ہو گا لیکن اس کی بنیادی شرط بہر حال ایک ضرور ہے کہ دونوں طرف قیادت محروم طبقوں کے ہاتھ میں جب تک نہیں آتی مسائل پوری طرح حل نہیں ہو پائیں گے

Scanned with OKEN Scanner

یکوں کہ صرف یہ قیادت بغیر کسی غرض اور مفادات کے عوام کے مسائل حل کرنے کی قدرت رکھتی تھی اور ہے یہی قیادت عوام کو صحیح معنوں اور صحیح بنیادوں پر منظم کرنے، انھیں سیاسی تعلیم دینے کی اہلیت رکھ سکتی ہے۔ بشرطِ استواری اور مستقل مزاجی اور خود اس محروم طبقوں کے قائدین کو تاریخ کی جدلیات پہ پورا عبور ہو اور وہ اس کو اپنے ہاں کے حالات پر لاگو کر سکیں۔

بہر حال بات ۱۹۴۷ء مارچ کی ہو رہی تھی جب ابھی برصغیر تقسیم نہیں ہوا تھا، لیکن ہم تقسیم کے دہانے پر کھڑے تھے اور اس وقت پنجاب ہندو مسلم، سکھ فسادات کے شعلوں میں جھلس رہا تھا۔

اس صورت حال میں پنجاب مسلم لیگ۔ میں امن و امان قائم کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھی وہ کسی نیک مقصد سے نہیں بلکہ اس کو ہندو اور سکھ کی دلجوئی کر کے ان کے ساتھ کسی نہ کسی طرح کولیشن وزارت بنانا ضروری تھی، لیکن کانگرسی اور اکالی بھی پکی گولیاں نہیں کھیلے ہوئے تھے۔

چنانچہ اسی فضا میں کانگرس نے پنجاب اور بنگال کی تقسیم کا مطالبہ کر دیا۔ اور یہی وہ فضا تھی جس میں ہندوؤں نے کمال ہشیاری سے سکھوں کی قیادت قبول کر کے بڑے پیمانے پر فسادات کی تیاریاں شروع کر دیں اور جس وقت یہ کہا جاتا ہے کہ ۱۹۴۷ء کے کسی وقت سکھوں نے اپنے کو مسلح کرنا شروع کر دیا تو یہ بات بہت حد تک درست ہے۔ اب ایسے شواہد اور دستاویزات موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ سکھوں کے عزائم بہت دنوں سے ایک منظم فوج تیار کر کے "پنجاب کو آزاد" کرانے کے بارے میں پروان چڑھ رہے تھے۔ اب ملک خضر حیات وزیر اعظم پنجاب کے استعفا کے بعد جس انداز سے ماسٹر تارا سنگھ نے کرپان میان سے نکال کر جن عزائم کا اعلان کیا تھا اس کا ذکر میں کر آیا ہوں لیکن سکھوں کے ارادوں اور عزائم کے بارے میں ۱۹۴۷ میں واضح طور پر چرچے ہونے شروع ہو گئے تھے، چنانچہ ماسٹر تارا سنگھ نے جو اشتعال انگیز بیان ۳ مارچ ۱۹۴۷ء کو پنجاب اسمبلی کے باہر دیا تھا اس سے پہلے وہ ۸ فروری ۱۹۴۷ کو نیویارک

Scanned with OKEN Scanner

ٹائمز کو ایک بیان دے چکے تھے۔ جس میں کہا گیا تھا :

"ہم کسی حالت میں بھی مسلمانوں پر اعتماد نہیں کر سکتے۔ سکھوں نے مسلم لیگ کے ایجی ٹیشن کے جواب میں اپنے خفیہ والنیٹر فوج کو دوبارہ منظم کرنا شروع کر دیا ہے۔

اب وقت آگیا ہے کہ ہم تلوار کے زور سے راج قائم کرنے میں کامیاب ہو سکیں گے۔ سکھ راج کرے گا۔ ہم نے بگڑے ہوئے مسلمانوں کے دماغوں کو ٹھکانے لگانا ہیں۔ ہماری ماتری بھومی ہمیں خون کے لیے پکار پکار کر بلا رہی ہے جہاں ہم نے مغلستان نہیں بننے دیا تھا وہاں ہم پاکستان بھی نہیں بننے دیں گے۔

میں کئی دنوں سے محسوس کر رہا ہوں کہ صوبے میں شرارت ہو گی۔ اس کے لیے ہم نے فوج کو دوبارہ ترتیب دینا شروع کر دیا ہے۔ آج بگل بج گیا ہے۔ مسلم لیگ کو ختم کر دو۔ مسلم راج ختم کر دو۔"

پھر ۵ مارچ ۱۹۴۷ء کو دہلی کے مشہور اخبار "ٹائمز آف انڈیا" نے اپنے اداریے میں لکھا تھا :

"سکھ مسلمانوں سے زیادہ ہتھیار بند اور ان سے زیادہ منظم ہیں۔ کیوں کہ ایک عرصہ سے وہ اس کی تیاری کر رہے ہیں۔ پنجاب کے ایک افسر نے بیان کیا کہ اگر ویسی ہی تحریک جیسی مسلم لیگ نے خضر حکومت کے خلاف جاری کی تھی۔ سکھ جاری کرتے تو ہمارے لیے چار گنا زائد تکلیف دہ ہوتی۔ کیونکہ اس میں سخت فرقہ وارانہ فسادات ہو جاتے۔

جب سے سکھوں نے سول وار کا خطرہ محسوس کیا تھا۔ اُس وقت سے وہ مسلم مذہبی دیوانگی کے مقابلے کے لیے سکھ اسٹیٹ کو مہاراجہ پٹیالہ کی قیادت میں ایک فیڈریشن کی بنیاد پر کھڑی کر رہے تھے جس کا بہت خیر مقدم کیا جا رہا تھا۔ سکھوں کے وہ راجہ بھی جو سکھ پنتھ سے بہت زیادہ وابستہ نہ تھے اب اس

پنتھ کے بہت پجاری ہو گئے ہیں اور مہاراجہ کپورتھلہ کے دس برس کے لڑکے نے ایک تقریب میں امرت پیا (سکھ مذہب قبول لیا) جس میں بہت سے اکالی لیڈر شریک تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب پنجاب میں مختلف فرقوں میں قوت کی آزمائش ہو گی تو اس وقت سکھوں کو راشٹریہ سیوا سنگھ سے بھی بڑی مدد ملے گی کیوں کہ وہ بھی ہندوؤں کے حقوق و تحفظ کے لیے تیاری میں مصروف ہیں"۔

اس سے پیشتر ماسٹر تارا سنگھ کا ایک مضمون جو ۱۰ فروری ۱۹۴۳ کے روزنامہ" اجیت" لاہور میں شائع ہوا بھی قابل توجہ ہے۔

ماسٹر تارا سنگھ جنھیں آج پنجاب کے ہندوؤں اور سکھوں نے اپنے سیاسی عقیدے کی قید سے بے پرواہ ہو کر مسلمان عوام سے نبرد آزما ہونے کے لیے اپنا آمر بنا لیا ہے۔ انھوں نے اکالی پارٹی کے آرگن روزنامہ اجیت کے کلغی دھر ایڈیشن بتاریخ ۱۰ جنوری ۱۹۴۳ میں" اکالیوں کے خلاف سازش" کے عنوان سے ایک طویل مقالہ لکھا تھا۔ اس میں انھوں نے سر سکندر حیات مرحوم، آنجہانی مہاراجہ پٹیالہ اور کانگریس کے متعلق بھی بہت کچھ تحریر کیا تھا" اور بزعم خویش سرکار برطانیہ کو بہ صفائی پیش کرنا چاہی تھی کہ زمانہ جنگ میں ان کی جماعت کے متعلق مسلح بغاوت کی جو" تہمت" تراشی گئی ہے اس میں حقیقت کہاں تک ہے۔ ماسٹر صاحب نے اس مضمون میں اعتراف کیا ہے کہ انھوں نے جو کچھ بھی کیا تھا وہ محض اس خیال سے تھا کہ جب انگریز چلے جائیں گے تو ایسا کریں گے؟ کیا کریں گے؟ اس طویل مضمون کے چیدہ چیدہ اقتباس ماسٹر صاحب کے اپنے الفاظ میں نذر قارئین ہیں۔ اس میں کچھ ابتدائی باتیں بھی خالی از دلچسپی نہیں ہیں۔ مثلاً:

: پنجاب کا ہندو پریس ایک سخت زحمت ہے۔ پنجاب کے ہندو پریس کی پالیسی خوشامد کرنا اور دھمکانا ہی ہے۔ سچائی پر ڈٹے رہنا یا سیدھی بات کو

صاف طور پر واضح کرنا ان کی عادت میں داخل نہیں۔

۲: جنگ کے اوائل میں سنٹرل انڈین ہارس کے ایک سکھ ٹروپ نے بمبئی میں جہاز میں سوار ہونے سے انکار کر دیا تھا اور اسی طرح کے ایک دو اور واقعات بھی ظہور پذیر ہو گئے تھے۔ بمبئی والا واقعہ فکر والا تھا۔ کچھ عرصہ ہوا کہ میں نے یہ اعلان کیا تھا کہ فوجی سکھوں کو کسی طرح کی کوئی حکم عدولی نہیں کرنی چاہیے۔ یہ اعلان کر کے میں نے اور بھی ہمت کی، کہ سکھ فوجوں میں کوئی گڑبڑ نہ ہو۔ کیونکہ میں صاف دیکھ رہا تھا کہ اس شورش کا نتیجہ صرف یہ نکلے گا کہ سکھ فوج ختم ہو جائے گی اور سکھ بہت کمزور ہو جائیں گے، مجھے ایک سکھ کا پتہ چلا کہ وہ فوجوں کو اکسا رہا ہے۔ میں نے اسے بلا کر سمجھایا۔

۳: ان چھوٹے چھوٹے واقعات کی وجہ سے انگریزوں کو سکھ فوج پر شک بھی پڑا تھا۔ اور انھوں نے تحقیقات کے لیے ایک کمیشن بھی مقرر کر دیا تھا جس کی وجہ سے چند علاقوں کے سکھوں کی بھرتی بند ہو گئی تھی وہ بھی کھل گئی۔

بارود کی فراہمی ۱۹۴۰ء میں جب جرمنی نے فرانس کو فتح کر لیا تو یہاں بہت گھبراہٹ تھی۔ پنجاب کے لوگ اپنے بچاؤ کے لیے یا دوسروں کو لوٹنے مارنے کے لیے بندوقیں اور پستولیں اور دیگر ہتھیار جمع کر رہے تھے۔ سرحد کی طرف سے اور ریاست بیکانیر کی طرف سے ہزاروں بندوقیں چوری چھپے لائی گئی تھیں۔ ہزاروں مسلمانوں (محض خانہ پری کے لیے ماسٹر جی نے مسلمانوں کا نام لکھا ہے) اور ہزاروں سکھوں نے بندوقیں لی تھیں۔ لیکن یہ سب کچھ جتھہ بندی کی طرف سے نہیں ہو رہا تھا۔ یہ تو ہر ایک خود ہی کر رہا تھا۔ بات ٹھیک ہے کہ جو کوئی بندوق کے لائسنس والا سکھ مجھے ملتا تھا میں اسے کہتا تھا کہ جس قدر بارود رکھنے کی اجازت ہے رکھو۔ یہ بات بھی ٹھیک ہے کہ مسروقہ بندوقیں لینے والوں میں کئی اکالی بھی تھے۔ لیکن ان کا مجھے علم نہ تھا کیونکہ یہ کام کوئی پارٹی نہیں کر رہی تھی

لاہور پر قبضہ ایک بات یہ بھی ٹھیک ہے کہ ہمیں اس وقت یہ فکر ضرور دامنگیر

تھا کہ کہیں انگریزوں کا راج ختم نہ ہو جائے۔ اس فکر سے ہم صلاح و مشورہ ضرور کرتے رہتے تھے۔ ہم نے کچھ جتھہ بندی اور کچھ ایسا انتظام کیا جس سے جلد ہی سکھ خاص خاص مقامات پر اکٹھے ہو جائیں اور بڑا مقام لاہور شہر تھا۔ ہم سمجھتے تھے کہ امرتسر کے لینے میں تو کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوگی اور یہ انتظام کیا ہوا تھا کہ جتھہ بند سکھ جگہ جگہ سے فوراً لاہور پر چڑھائی کر دیں۔ یہ انتظام تو تھا۔ لیکن بندوق جیسے ہتھیاروں کا ہم نے کوئی انتظام نہ کیا تھا۔ ہمارا خیال تھا کہ ہم بوقت ضرورت تھانوں میں سے بندوقیں چھین لیں گے۔ اور کچھ ادھر اُدھر سے اکٹھی کر لیں گے اور ہم لاہور پر قبضہ کر لیں گے اور پھر سارے انتظامات آسان ہو جائیں گے کیوں کہ رعب قائم ہو جائے گا۔ ہماری یہ سب تیاری انگریزی راج کے ختم ہونے پر ہی کام آسکتی تھی لیکن انگریزوں کے خلاف بغاوت کرنے کا ذرا بھر بھی ہمیں خیال نہ تھا کیونکہ ہم بالکل تھوڑے ہی تھے۔ برعکس اس کے ہم ہمیشہ اسی کوشش میں تھے کہ انگریزوں کے ساتھ ہمارے تعلقات ایسے اچھے ہوں کہ ان کی تکالیف دُور اور ان کے اہل و عیال کی رکھوالی ہم کریں۔ ہماری معمولی تیاری کا پولیس کو پتہ لگ گیا تھا۔ اور پولیس مسلمانوں کی ہے۔

اعترافِ سازش

نتیجہ یہ ہے کہ اکالیوں نے اس قدر سازش تو ضرور کی تھی کہ پنجاب میں اگر انگریزی راج اکھڑ جائے تو کیا کیا جائے۔ اس مطلب کے لیے اکالیوں نے کچھ جتھے بندی اور کچھ انتظام بھی کیا تھا۔ اس مطلب کے لیے اکالیوں نے سردار ہر بنس سنگھ اور ان کے ساتھیوں کو بھی پناہ دی تھی تاکہ بوقت ضرورت کام آسکیں۔ لیکن اس سے زیادہ کوئی بات نہ تھی اور نہ ہی یہ سازش انگریزی راج کے خلاف تھی کیونکہ اکالی رہنما ایسے بیوقوف نہ تھے کہ اتنا بھی نہ سمجھتے کہ ایسی سازش کا اس وقت کوئی مطلب نہیں ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ مطلب یہی تھا کہ پنجاب میں کہیں مسلم راج قائم نہ ہو جائے۔

Scanned with OKEN Scanner

سی آئی ڈی کا استفسار

اس جگہ میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ بہت سی باتوں کا علم تو مجھے ان اکالیوں سے ہوا جن کو پولیس لاہور قلعہ میں بند کر کے دریافت کرتی رہی جب سوال پولیس کرتی ہے کہ اکالیوں نے انگریزی راج کے خلاف سازش کی ہوئی ہے اور سردار بلدیو سنگھ وزیر ترقیات صرف اس وجہ سے بنے کہ حکومت کے اندرونی راز ہاتھ آتے رہیں اور ہتھیاروں کے لیے سرمایہ سردار بلدیو سنگھ اکالیوں کو دے رہے ہیں۔ مجھے دکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ سکھوں میں بڑے بڑے غدار ہیں۔ ایک تو پولیس والے کی غداری کا ذکر پہلے ہی کر چکا ہوں۔ کسی اور پولیس کے مخبر نے ایک بات مشہور کر کے سی۔ آئی۔ ڈی کو پہنچائی کہ ماسٹر تارا سنگھ سے ساتھیوں نے پوچھا۔ کہ کوئی اسلحہ جمع کیا جائے۔ تو ماسٹر جی نے کہا کہ تم جو مرضی کرو لیکن مجھے نہ بتاؤ تا کہ میں قسم تو کھا سکوں۔ ایسے لچھے دار جھوٹ پیدا کرنے والی سی۔ آئی۔ ڈی خوش ہو جاتی ہے۔

ذرا اس مضمون کو اس تصور سے پڑھیے کہ جون ۱۹۴۸ میں انگریز جا رہا ہے اور سردار بلدیو سنگھ وزیر دفاع ہیں اور ہندو اور سکھ کس مقصد کے تحت جمع ہو رہے ہیں؟

پنجاب اور ہندوستان کے دیگر صوبوں میں فرقہ واریت کی یہی آگ روشن تھی کہ آل انڈیا کانگریس کی ورکنگ کمیٹی نے ۶ مارچ ۱۹۴۷ کو پنجاب کی تقسیم کی قرارداد منظور ہوئی جس نے جلتے ہوئے الاؤ میں مزید ایندھن کا کام کیا۔

شرومنی اکالی دل کا سرکلر

۱۳ مارچ ۱۹۴۷ء کو شرومنی اکالی دل امرت سر کے دفتر سے صوبائی جتھے داروں کے نام ایک سرکلر جاری کیا گیا جس میں انھیں ہدایت دی گئی کہ:

"وہ تنلو، تنلو سکھوں کے جتھے منظم کریں تا کہ جب انھیں حکم ملے تو وہ لاہور اور امرت سر پہ چڑھائی کر دیں۔

لائلپور (فیصل آباد) شیخوپورہ، گرڈھ شنکر، انبالہ، منٹگمری (ساہیوال) کے علاقوں میں سکھ

لیڈروں نے اسی سرکار کے تحت سکھ تنظیمیں قائم کیں جن میں مسلمانوں کے قتل پر اُبھارا گیا۔

۱۵ مارچ ۱۹۴۷ کو برطانوی دارالعلوم میں ان فسادات پر بحث کے دوران نائب وزیر ہند مسٹر انڈرسن نے بتایا کہ اب تک ۱۰۴۶ اشخاص ہلاک اور ۱۱۶۷ مجروح ہو چکے ہیں۔

۱۹ مارچ کو مارشل لا سے ملتا جلتا ایک قانون گورنر پنجاب نے نافذ کیا۔ جس کی رُو سے راولپنڈی، اٹک، جہلم، گجرات، میانوالی، شاہ پور، ملتان کے اضلاع اور امرتسر، سیالکوٹ، جالندھر، لدھیانہ، ہوشیار پور کے شہروں کو فساد زدہ علاقہ قرار دے دیا گیا۔

اس کے بعد گو فسادات میں کمی واقع ہوئی لیکن ۱۹ مارچ تک فسادات کی وجہ سے دیہات میں ۱۵۳۸ اشخاص ہلاک ۱۵۹ مجروح ہو چکے تھے۔ قصبوں اور شہروں میں مرنے والوں کی تعداد ۵۱۱ تھی جبکہ ۹۴۵ اشخاص زخمی ہوئے تھے۔ مالی نقصان اس کے علاوہ تھا۔

۲۲ مارچ کو آل انڈیا ہندو مہا سبھا کے صدر اور جنرل سیکرٹری لاہور پہنچے۔ انھوں نے یہاں کے ہندو اور سکھوں کو منظم ہونے کا مشورہ دیا۔

انھیں دنوں ۲۳ مارچ ۱۹۴۷ء کو سارے ہندوستان میں یوم پاکستان منایا گیا۔ لیکن یہ دن پُرامن طور پر گزر گیا۔

یہ سب کچھ گورنر راج میں ہوا تھا۔

گورنر پنجاب اور فسادات

ان فسادات میں صوبے کا انگریز گورنر خود بذات خود ملوث تھا اس کا ایک ثبوت وہ نیم سرکاری چٹھی ہے جو اس نے ۱۰ جولائی ۱۹۴۷ کو وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے نام لکھی:

"ڈیئر لارڈ ماؤنٹ بیٹن۔

سکھوں کے لیڈر گیانی کرتار سنگھ نے ابھی مجھ سے انٹرویو کیا ہے۔ اس انٹرویو کی روئداد غالباً آپ کے لیے دلچسپی کا باعث ہو گی۔"

انٹرویو کی حسب ذیل روئداد اس چٹھی کے ساتھ منسلک تھی۔

"آج گیانی کرتار سنگھ مجھ سے ملنے کے لیے آیا۔ وہ آزادیٔ ہند بل اور حد بندی کمیشن کے متعلق گفتگو کرنے کے لیے آیا تھا۔ وہ یہ بات صاف صاف کہنا چاہتا تھا کہ اگر تقسیم کے

Scanned with OKEN Scanner

معاملے میں سکھوں کی سالمیت کا خیال نہ رکھا گیا تو سکھ گوریلا جنگ لڑیں گے۔ اس نے کہا کہ انگریز ہمیشہ یہ کہتے رہے ہیں کہ وہ اقلیتوں کا خیال رکھیں گے لیکن اس کا عملی نتیجہ کیا ہوا ہے؟ سکھوں کے ساتھ انگریزوں نے بدعہدی کی ہے۔

"میں نے اسے بتایا کہ مجھے سکھوں کی بے اطمینانی کا احساس ہے لیکن جب کسی ملک میں آزادی آتی ہے تو بعض طبقوں کو جو بیرونی حکومت کے ماتحت اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے تھے، نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ موجودہ صورت حال کے لیے سکھ اپنے آپ کو بری الذمہ قرار نہیں دے سکتے۔ سکھوں نے خود پنجاب کی تقسیم کا مطالبہ کرنے میں پہل کی تھی اور بلدیو سنگھ نے سکھوں کی جانب سے ۳ جون کے پلان کو قبول کیا ہے۔

"گیانی نے کہا کہ سکھوں کا یا بلدیو سنگھ کا یہ خیال نہ تھا کہ پنجاب کی تقسیم محض مسلم اور غیر مسلم آبادی کی تعداد کی بنا پر ہوگی۔ تقسیم کے سلسلہ میں جائدادوں اور املاک کا بھی اسی طرح لحاظ کرنا ضروری ہے جس طرح آبادی کا۔ سکھوں کو ننکانہ صاحب لازماً ملنا چاہیے۔ اس کے علاوہ انہیں کم از کم ایک نہری سسٹم ملنا چاہیے۔ گیانی نے مزید کہا کہ اگر حکومت برطانیہ اور وائسرائے نے اور پارٹی لیڈروں نے اس بات کا احساس نہ کیا کہ سکھوں کی قسمت کا سوال ایک اہم حل طلب مسئلہ ہے تو سکھ مرنے مارنے کو تیار ہیں۔ وہ ہر انقلابی طریقہ سے لڑیں گے۔ افسروں کو قتل کر دیں گے۔ ریلوے لائنوں کو کاٹ دیں گے۔ نہروں کے ہیڈ ورکس کو تباہ کر دیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔

"میں نے اسے سمجھایا کہ سکھوں کے لیے اس قسم کی پالیسی بہت بڑی غلطی ہوگی۔ اس نے جواب دیا کہ اگر کوئی طاقت انگلستان پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتی تو انگریز اپنے لیے اس قسم کی پالیسی اختیار کرنا غلط نہ سمجھتے۔ آخر میں گیانی نے مجھ سے اپیل کی کہ میں اس آڑے وقت میں سکھوں کی مدد کروں۔ ورنہ پنجاب خون اور آنسوؤں کی دُنیا بن کر رہ جائے گا۔ گیانی یہ کہہ رہا تھا تو خود اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔"

اس انٹرویو کے متعلق گورنر جینکنز کی اپنی مرتب کی ہوئی روئداد جو سرکاری ریکارڈ پر موجود ہے اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ کہ وہ فساد اور خون ریزی کی دھمکیاں سُنتا تھا

Scanned with OKEN Scanner

لیکن جواب میں ایک لفظ بھی ایسا نہ کہنا تھا جس سے سکھ لیڈروں کو یہ خیال ہو کہ حکومت فساد کی تیاریوں کو روکنے کے لیے کوئی قدم اٹھائے گی۔ فی الحقیقت فساد کی منظم تیاریاں اس ملاقات کی تاریخ (۱۰ جولائی ۱۹۴۷ء) کے بعد شروع نہیں ہوئیں بلکہ اس سے کم از کم ایک مہینہ پہلے شروع ہو چکی تھیں۔ صوبائی پولیس کے افسران تیاریوں کے متعلق گورنر کو (جس کی شخصی حکومت اس صوبے میں قائم تھی) رپورٹیں دیتے رہے اور انسدادی تجاویز بھی پیش کرتے رہے لیکن گورنر اپنی قانونی اور اخلاقی ذمہ داری پورا کرنے کے لیے کوئی عملی قدم اٹھانے کو تیار نہ ہوا۔ ایک رپورٹ پر اس نے یہ حکم لکھ کر فائل واپس بھیج دی کہ اب ان لوگوں کو گرفتار کرنے سے کیا فائدہ ہے۔ دو تین مہینوں کے بعد نئی حکومتیں انھیں رہا کر دیں گی۔

وسیع پیمانے پر منظم قتل و غارت کے لیے تیاریوں کا مقصد کیا تھا؟ ایک مقصد تو وہی تھا جو گیانی کرتار سنگھ نے گورنر جینکنز سے بیان کیا تھا۔ یعنی آئینی طریقوں سے مایوس ہو کر فساد اور خانہ جنگی کے حربوں سے مغربی اور مشرقی پنجاب کی سرحد کو اپنی مرضی کے مطابق متعین کرانے کی کوشش۔ دوسرا مقصد محض فساد برائے فساد، یا فساد برائے انتقام تھا۔ پنجاب میں فرقہ وارانہ فسادات کی ایک لہر مارچ ۱۹۴۷ء میں ابھر کر دب چکی تھی۔ اس کے بعد بعض سکھ لیڈروں نے اپنے ذہن پر شدید انتقامی جذبات حاوی کر لیے تھے اور اس داغ کو جو ان کے خیال کے مطابق مارچ کے فسادات کے نتیجے میں سکھوں کی روایتی بہادری پر لگا گئے تھے۔ انھوں نے اب ان داغوں کو مشرقی پنجاب کی مسلم اقلیت کے خون سے دھونے پر کمر باندھ لی تھی۔ اس مقصد کے لیے ہندوؤں کی ایک جماعت راشٹریہ سیوک سنگھ (جس نے مسلمانوں کے خلاف قتل و غارت کو اپنے ہندو دھرم کا ایک مستقل جزو بنا لیا تھا اور آج تک بنا رکھا ہے) سکھوں کا ساتھ دینے اور ان کے ساتھ گٹھ جوڑ کرنے کے لیے پہلے ہی میدان میں موجود تھی۔

فساد اور کشت و خون کی تیاریاں جاری تھیں۔ پنجاب کے گورنر کو رپورٹیں ملتی رہیں۔ وہ کبھی کبھی ان رپورٹوں کو گورنر جنرل کے نوٹس میں بھی لاتا رہا لیکن اس کی رپورٹوں کی تان اکثر اس بات پر ٹوٹتی تھی کہ وسیع پیمانے پر فساد اور قتل و غارت کے خطرے کے پیش نظر

سکھوں کو خاص مراعات دے کر کسی نہ کسی طرح مطمئن کرنا چاہیے۔ اس سلسلے میں اس نے بعض عجیب تجاویز پیش کیں۔ ایک تجویز یہ تھی کہ اگر کسی نہ کسی طرح سکھوں کو ننکانہ صاحب دے دیا جائے تو ان کے مشتعل جذبات ٹھنڈے ہو جائیں گے۔ ننکانہ صاحب انہیں دینے کے لیے پاکستان اور ہندوستان کی سرحد کہاں مقرر کی جائے؟ اس کے متعلق بحث کرنے کے بعد اس نے ایک رپورٹ میں لکھا کہ حد بندی کمیشن اپنی ہدایات کا پابند ہے۔ اس سے تو یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ سکھوں کے جذبات کو مطمئن کرنے کی کوشش کرے گا۔ اور مسلم لیگ بھی پاکستان میں آنے والا کوئی علاقہ چھوڑنے پر تیار نہ ہوگی۔ لیکن کیا ایک آخری کوشش اس بات کی نہیں کی جا سکتی کہ مسٹر جناح کو راضی کر کے ننکانہ صاحب کو وہی خود مختار حیثیت دلا دی جائے جو اٹلی کے اندر پوپ کے دار الحکومت کو حاصل ہے؟ ایک اور تجویز گورنر جینکنز نے یہ پیش کی کہ حد بندی کمیشن کا فیصلہ خواہ کچھ ہو محض مفاہمت اور امن کی خاطر مسلم لیگی لیڈروں کو اس بات پر راضی کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ وہ کم از کم منٹگمری کے ضلع سے دست بردار ہو جائیں۔ لائل پور اور مغربی پنجاب کے دوسرے اضلاع کے سکھوں کو منٹگمری میں آباد کیا جا سکے گا اور منٹگمری کے مسلمانوں کو لائل پور کے ضلع سے نکلنے والے سکھوں کی زمینیں دی جا سکیں گی۔

پنجاب کی سی۔ آئی۔ ڈی کے سٹاف نے بعض سکھ لیڈروں کی لکھی ہوئی چٹھیاں روک کر ان کے فوٹو اور گوردواروں کو بھیجے جانے والے سرکلر بھی قبضے میں لے لیے اور ان دستاویزی اور ناقابل انکار شہادتوں کے ساتھ ایک رپورٹ گورنر جینکنز کو دی۔ اس نے سی۔ آئی۔ ڈی کے ایک افسر کے ہاتھ یہ پوری فائل لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو بھیج دی۔ ۵ر اگست ۱۹۴۷ء کو وائسریگل لاج میں "پارٹیشن کونسل" کا ایک اجلاس ہو رہا تھا۔ اس اجلاس کے بعد وائسرائے نے پنڈت نہرو اور سردار پٹیل سے اور مسٹر جناح اور لیاقت علی خان سے کہا کہ وہ تھوڑی دیر کے لیے ٹھہر جائیں۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اس کے سامنے وہ فائل بھی پیش کی اور اس افسر کو بھی پیش کیا جو دستی طور پر فائل لاہور سے لایا تھا۔ رپورٹ کے مندرجات کے متعلق کوئی شبہ نہ ہو سکتا تھا جو فوٹو اور اصل چٹھیاں اس رپورٹ کے ساتھ

Scanned with OKEN Scanner

منسلک تھیں ان سے معلوم ہوتا تھا کہ کئی قسم کی سازشیں کی گئی تھیں۔ایک سازش ننکانہ صاحب میں اسلحہ جمع کرکے مسلمانوں پر اچانک حملہ کرنے کی تھی۔ایک سازش مغربی پاکستان میں نہروں کے ہیڈ ورکس کو بموں سے تباہ کرنے کی تھی۔ایک سازش یہ تھی کہ ۱۵ اگست کے بعد مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے دیہات پر حملے کرکے آگ لگادی جائے اور جب مسلمان اپنے گھروں سے بھاگیں تو انھیں راستے میں گھیر کر قتل کردیا جائے۔ایک اور سازش یہ تھی کہ پاکستان جانے والی ٹرینوں پر حملے کیے جائیں اور ایک سازش یہ بھی تھی کہ ۱۴ اگست کو کراچی میں جب قائداعظم کا جلوس نکلے تو ان کی کار پر بم مارا جائے۔

ان چٹھیوں پر جن کے فوٹو پاک سی آئی ڈی نے کسی نہ کسی طرح حاصل کرلیے تھے، معروف سکھ لیڈروں کے دستخط تھے۔بعض خطوں میں تو مکتوب الیہ کے نام بھی تھے اس فائل پر نظر ڈال کر اور پنجاب سی آئی ڈی کا جو افسر وہاں موجود تھا۔اس سے پوچھ گچھ کرنے کے بعد قائداعظم اور مسٹر لیاقت علی نے مطالبہ کیا کہ کم از کم ان افراد کو فوراً گرفتار کرلیا جائے پنڈت نہرو اور سردار پٹیل نے اس مطالبے کی مخالفت نہ کی۔ماؤنٹ بیٹن نے ضروری کارروائی کرنے کا وعدہ کیا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ اس نے پنجاب کے گورنر سے مشورہ کرنے کے سوا کچھ نہ کیا اور اس نے گرفتاریوں کے خلاف رائے دے دی۔لہٰذا کوئی گرفتاری عمل میں نہ آئی۔

کانگرس کی جھنجلاہٹ اور تقسیم

اس پوری صورت حال نے کانگرس کے لیڈروں کو بالکل جھنجلا دیا۔چنانچہ اسی جھنجلاہٹ کے عالم میں ہی مارچ ۱۹۴۷ کے شروع میں سردار پٹیل نے کانگریس کیمپ میں ایک عجیب کارنامہ سرانجام دیا۔انھوں نے اپنے ساتھیوں کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر ان سے ایک قرارداد پاس کرادی جو ملک کی تقسیم کے اصول کو منظور کرنے کے مترادف تھی۔یہ قرارداد خود سردار پٹیل کی تجویز پر کانگریس کی مجلس عاملہ نے ۵ مارچ ۱۹۴۷ کو پاس کی۔اس میں یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ پنجاب کی اقلیتوں کو اکثریت کے جبر سے محفوظ کرنے کے لیے اس صوبے کے "مسلم اکثریت والے علاقے" اور "غیرمسلم اکثریت والے علاقے" کو دو الگ الگ صوبوں کی شکل دے

دی جائے۔ اس مطالبے کی منطق واضح طور پر مطالبۂ پاکستان کی تائید کرتی تھی۔ اگر اقلیت کو اکثریت کے جبر سے محفوظ کرنے کے لیے پنجاب کی تقسیم جائز اور ضروری تھی تو اسی مقصد کے لیے اور اسی بنیاد پر پورے ملک کی تقسیم کیوں جائز اور ضروری نہ تھی؟

اس بات کی شہادت موجود ہے کہ دسمبر ۱۹۴۶ کے آخر یا جنوری ۱۹۴۷ کے شروع میں سردار پٹیل نے مسلم لیگ۔ کانگریس کش مکش کے متعلق اپنے کانگریسی ساتھیوں سے مختلف انداز میں سوچنا شروع کر دیا تھا۔ مسٹر وی پی مینن نے جو اس زمانے میں وائسرائے کے آئینی مشیر کے عہدے پر فائز تھے اور سردار پٹیل کے ساتھ قریبی تعلقات اور قلبی لگاؤ رکھتے تھے، اپنی کتاب میں سردار پٹیل کی ذہنی تبدیلی کا باعث اپنے آپ کو ظاہر کیا ہے۔ مسٹر مینن کا بیان ہے کہ میں نے سردار پٹیل کی توجہ اس بات کی طرف دلائی کہ کانگریس جس راستے پر چلنے کے لیے اصرار کر رہی تھی اس کی کوئی یقینی منزل نظر نہ آتی تھی۔ کانگریس آزادی کا مقصد کابینہ مشن پلان کے تحت قائم شدہ دستور ساز اسمبلی کے ذریعے حاصل کرنا چاہتی تھی اور اس بات کے لیے لڑ رہی تھی کہ مسلم لیگ کو اس اسمبلی میں بیٹھنے پر مجبور کیا جائے یا اسے عبوری کابینہ سے نکال دیا جائے اگر حکومت برطانیہ نے یہ مطالبہ منظور نہ کیا تو کیا ہوگا؟ کانگرس خود عبوری حکومت سے مستعفی ہوگی؟ اس سے اگلا قدم کیا ہوگا؟ سول نافرمانی اور فسادات؟ اور اگر بالفرض حکومت برطانیہ مسلم لیگ کو عبوری حکومت سے نکال دے اور مسٹر جناح دستور ساز اسمبلی کا بائیکاٹ جاری رکھیں۔ تو حکومت برطانیہ ایسی اسمبلی کے بنائے ہوئے آئین کو پارلیمنٹ کے سامنے پیش کرنے کو تیار ہوگی؟ ان طویل مشکلات اور غیر یقینی امکانات والے راستے کے مقابلے میں کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ مسٹر جناح کا مطالبۂ تقسیم اس شرط کے ساتھ مان لیا جائے کہ پنجاب اور بنگال کے ہندو اکثریت کے علاقوں پر وہ دعوےٰ نہ کریں۔ اگر یہ راستہ اختیار کیا جائے تو آزادی حاصل کرنے کے لیے نئے آئین کا طویل انتظار کرنے اور قدم قدم پر جھگڑے اور فساد کا خطرہ مول لینے کی ضرورت ہی پیدا نہیں ہوتی۔ ۱۹۳۵ کے آئین میں ایک مختصر ترمیم کے ذریعے پاکستان اور ہندوستان کو فوراً ڈومی نین کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔ ڈومی نین کی صورت میں آزادی حاصل کرنے کے بعد ہندوستان اپنی مرضی کے مطابق اپنا نیا آئین بناتا رہے گا۔ پاکستان کیا کریگا؟

Scanned with OKEN Scanner

صرف مسلم اکثریت کے (مغربی بنگال اور مشرقی پنجاب کو علیحدہ کرکے) دو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر مشتمل پاکستان چل سکے گا یا نہیں؟ یہ مسٹر جناح کا دردِ سر ہو گا۔ باقی ماندہ ہندوستان کا مسئلہ بہر حال بہت سہولت کے ساتھ حل ہو جائے گا۔ مسٹر مینن کا بیان ہے کہ چند دنوں کی سوچ بچار کے بعد سردار پٹیل نے بصیغۂ راز انھیں کہا کہ میرا نام ہرگز ظاہر نہ کیا جائے لیکن وزیرِ ہند تک یہ بات براہِ راست پہنچا دی جائے کہ اگر ان خطوط پر کوئی تجویز مرتب کی گئی تو کانگریسی حلقے اسے قبول کر لیں گے۔

پھر ایسے واقعات پیش آئے جو سردار پٹیل کے ذہن میں اس خیال کو مضبوط کرنے والے تھے کہ کانگرس کے لیے متحدہ ہندوستان کی آزادی پر اصرار کرتے رہنا اپنے لیے نت نئی مشکلات پیدا کرنے کے مترادف تھا۔ اور "کٹے پھٹے" پاکستان کا مطالبہ منظور کر لینے سے باقی ہندوستان کا اتحاد اور مستقبل آسانی سے محفوظ کیا جا سکتا تھا عبوری حکومت میں مسلم لیگ قدم قدم پر کانگریسی وزیروں کا راستہ روکتی تھی۔ یہ تجربہ بھی ان کے سامنے تھا۔ ہندوستان کی حکومت جلد اور یقینی طور پر ہاتھ میں لینے کا تصور بھی دلکش تھا۔ دوسری باتوں کے علاوہ ہندوستانی وزیر خزانہ کی حیثیت سے مسٹر لیاقت علی خاں کے بجٹ نے سردار پٹیل کو بالکل بوکھلا دیا۔ اس بجٹ میں لیاقت علی خاں نے گاندھی جی کا مطالبہ (جو وہ عرصے سے بار بار کر رہے تھے) پورا کرتے ہوئے نمک پر ٹیکس اڑا دیا اور اس طرح جو خسارہ ہوتا تھا اسے پورا کرنے کے لیے ایک لاکھ سے زائد تجارتی منافع پر پچیس فی صد خاص ٹیکس لگا دیا۔ اور ساتھ ہی جنگ کے زمانے میں حکومت کے ٹیکسوں سے بچ کر تجوریاں بھرنے والوں کے متعلق ایک تحقیقاتی کمیشن کی تجویز پیش کر دی۔ ان تجاویز نے تجارتی طبقے میں تہلکہ مچا دیا۔ یہی طبقہ سردار پٹیل کی سیاسی پوزیشن کی پشت پناہ اور کانگریس کے لیے سرمایہ مہیا کرنے والا تھا۔ اسی کی ٹھوس حمایت کی بل پر وہ کانگریس کے "مردِ آہن" بنے ہوئے تھے۔ کانگریس کا بایاں بازو ان تجاویز کی حمایت پر آمادہ ہو گیا اور کانگریس کے مردِ آہن کے لیے کانگریس اسمبلی پارٹی کے اندر اتحاد اور ڈسپلن قائم رکھنا مشکل ہو گیا۔ ہندوستان کی سیاست سے مسلم لیگ کو خارج کرنے اور اس قسم کے خطروں سے نجات حاصل کرنے کا عزم سردار پٹیل

Scanned with OKEN Scanner

کے دل میں زیادہ پختہ ہو گیا۔

سوال یہ تھا کہ کانگریسی لیڈروں کو پاکستان کی کڑوی گولی نگلنے پر تیار کس طرح کریں۔ گاندھی جی بھارت کے ٹکڑے کرنے کا خیال بھی برداشت نہ کرتے تھے لیکن اس وقت گاندھی جی بہار میں تھے۔ پنڈت نہرو کی کمزوری سردار پٹیل کو معلوم تھی۔ پنڈت جی کو یقین تھا کہ مسٹر جناح "کٹے پھٹے" پاکستان کو ہرگز قبول نہ کریں گے۔ لہٰذا سردار پٹیل نے انھیں سمجھایا کہ مسٹر جناح کو مطالبۂ پاکستان سے بھگانے کی صحیح تدبیر یہی ہے کہ ان پر یہ حقیقت واضح کر دی جائے کہ پاکستان کی حقیقی اور عملی صورت "کٹے پھٹے" پاکستان کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتی۔ پنجاب اور بنگال کے غیر مسلم اکثریت والے علاقے ان کے پاکستان میں ہرگز شامل نہ ہوں گے۔ پنڈت نہرو ان کی تجویز کی حمایت پر آمادہ ہو گئے تو ان کے لیے راستہ صاف ہو گیا۔ انھوں نے مجلس عاملہ سے اپنے حسبِ منشا قرارداد پاس کرا لی اور واقعات کا انتظار کرتے رہے۔ گاندھی جی دُور بین نگاہ رکھتے تھے۔ انھوں نے اخباروں میں اس قرارداد کا متن پڑھا تو سردار پٹیل اور پنڈت نہرو دونوں کو الگ الگ خط لکھ کر ان سے باز پرس کی۔ دونوں نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق جواب دیے۔ پنڈت نہرو کے جواب کا مفہوم یہ تھا کہ ہم نے مطالبہ پاکستان منظور نہیں کیا بلکہ اس کا توڑ کیا ہے۔

سردار پٹیل نے اپنے مقصد کو سامنے لیکن اپنے ہی دل میں رکھا اور اگلے قدم وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے آنے کے بعد اٹھائے۔ یہ بات معلوم ہے کہ اس عرصے میں سردار پٹیل مختلف محکموں کے ماہرین سے یہ پوچھ گچھ کرتے رہے کہ کٹے پھٹے پاکستان کو جو وسائل فوری طور پر حاصل ہوں گے۔ ان کی بنا پر یہ ملک اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل ہو سکے گا یا نہیں۔ انھیں یہی رپورٹیں ملتی رہیں کہ اس بات کا کوئی امکان نہیں ہے۔

چنانچہ ماؤنٹ بیٹن جونہی وائسرائے بن کر آئے ان کے تقرر کے ساتھ جو نیا عمل شروع ہوا۔ اس دوران کتنی بحثیں ہوئیں، کتنی کانفرنسیں ہوئیں لیکن بالآخر جو نتیجہ نکلا وہی کٹا پھٹا پاکستان تھا جس کے متعلق کانگریس کے مرد آہن سردار پٹیل کا ہی نہیں بلکہ دوسرے

Scanned with OKEN Scanner

کانگریسی لیڈروں کا بھی یہ یقین محکم تھا کہ یہ نئی پاکستانی مملکت جو برصغیر کے مقابلتہً پسماندہ اور غیر ترقی یافتہ علاقوں پر مشتمل ہے اپنے پاؤں پر کھڑی نہیں ہو سکے گی۔ چنانچہ اسی تیقن نے ان کو تقسیم کو منظور کرنے پر مائل کیا اور یہی تیقن کانگریس اور اس کے پیروکاروں کی ایک معتدبہ تعداد کی نفسیات کا ایک جزوِ لاینفک بن گئی، اور اس کا اظہار کانگریس کی قرارداد سے واضح طور پر ہوتا تھا جس کے تمہیدی جملے تھے۔

"پہاڑوں اور سمندروں نے ہندوستان کو ایک جغرافیائی وحدت بنا دیا ہے۔ ہمارے دلوں میں ہمیشہ متحدہ ہندوستان کا تصور قائم ہوگا اور اُمید ہے کہ جب عوام کے جذبات مائل بہ سکون ہوں گے تو وہ خود بخود دونوں کے نظریہ کو ترک کر دیں گے"۔

اس تمہید کے ساتھ کانگریس نے تقسیم برصغیر کو تسلیم کر لیا۔

اسی طرح مسلم لیگ نے تقسیم پنجاب اور تقسیم بنگال کے اصول پر شدید نکتہ چینی کی۔ اور اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا لیکن بحیثیت مجموعی تسلیم کر لیا گیا۔

PM

ذخیرہ کتب
انیس نقوی
03142893816

Scanned with OKEN Scanner

عبداللہ ملک کی نئی تصنیف

کمیونسٹ پارٹیاں

فوج ۔ اور ۔ فوجی شب خون

کمیونسٹ پارٹیاں فوجی شب خون کی حامی ہوتی ہیں یا مخالف

مختلف ملکوں میں ان کا کیا رویہ رہا ہے؟ ان سوالوں کا جواب

پہلی بار عبداللہ ملک ان صفحات میں دیتے ہیں۔

عمدہ کتابت ۔ دیدہ زیب طباعت ۔ زیر طبع

کوثر پبلشرز

۱۳۴۔ ٹیپو بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور ۔ ۱۶ فون ۵۱۴۰۰

Scanned with OKEN Scanner